
مشرقی

دستور العمل

(۱) اس قیمتی سلسلہ میں نایاب و نادر دلچسپ - پرمذاق حکایات - سراغرسانی
معاشرت - عجیب تعلیمی چال - تواریخی واقعات - الغرض ہر قسم کی جداگانہ نوعیت کے ساتھ
مرہٹی گجراتی - ہندی فرانسیسی انگریزی اور دنیا کی دیگر بامال علمی زبانوں کے بہترین ناول
اردو زبان میں شائع ہوتے رہیں گے - جو بلحاظ لکھائی چھپائی وغیرہ نہایت
دلفریب دیدہ زیب ہوں گے ٭

(۲) سال بھر میں اس سلسلہ کے کم از کم چھ اور زیادہ سے زیادہ آٹھ مختلف
مکمل ناول نکلیں گے ٭

(۳) مستقل خریداروں کو ہر ناول نصف قیمت پر دیا جائیگا - محصولڈاک علاوہ

(۴) رسالہ سیونیمو کے خریداروں کو اگر وہ مستقل خریدار نہ ہونا چاہیں تو کم قیمت
پر ہر ناول لے سکتے ہیں لیکن اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ دلچسپ اور قیمتی سلسلہ آ
بارعایت ملے تو مستقل خریداروں میں اپنا نام لکھا دیجئے ٭

۵ غیر مستقل خریداروں سے پوری قیمت لی جائیگی ٭

نہایت ہی پرمذاق دلچسپ ناول

(۱) ہماری پڑھی لکھی بیویاں مصنفہ منشی گوردہری شنکر لال صاحب اختر زمین اد قیمت ..
(۲) ہمارے پڑھے لکھے مرد " " " " " " " ۵
(۳) واہ رے میں دوسرا ایڈیشن " " " " " ۲
(۴) ہشو - تیسرا ایڈیشن - مصنفہ پنڈت رتن ناتھ صاحب سرشار لکھنوی .. ۱

ملنے کا پتہ - مینیجر سرسوتی بھنڈار سادھو سٹریٹ لاہور

ناول میگزین کے سلسلے کا سواں ۱۰۰ ناول

منتر شکتی

یعنی

صوبہ بنگال کی مشہور و مقبول ناول نویس شریمتی
انوروپا دیوی جی کے بنگالی ناول منتر شکتی کا اردو ترجمہ

از

منشی گوری شنکر لال اختر مدیر نیاز
ایڈیٹر مشہور ناول میگزین چراغ
داستان فسانہ وغیرہ لاہور

مطبوعہ کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس لاہور

قیمت فی جلد عہ

منتر شکتی

اپنے قسم کا لاجواب ناول ہے۔ اسے ترجمہ نہ سمجھنا چاہیئے
بلکہ بنگالی زبان کو بہترین اردو لباس پہنا کر اپنے طور پر آراستہ
کیا ہے۔ تاکہ اردو داں حضرات دلچسپی سے پڑھیں۔ پلاٹ
میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ صرف طوالت کی وجہ سے
جا بجا چند سطور نظر انداز کر دی گئی ہیں۔
اور اس سے اس کی دلچسپی بڑھ
گئی ہے۔ امید
ہے۔ یہ ناول بہت مقبول ہوگا۔

گوری شنکر لال اختر

ایک نیا شاندار سلسلہ

طویل ناولوں سے طبیعت بھاگتی ہے یا اکثر پڑھتے پڑھتے جی گھبرا اٹھتا ہے۔ زمانہ اختصار نویسی کو بہت پسند کرتا ہے مختصر تحریریں دلکش ہونے کے علاوہ پُر زور اور مؤثر ہوتی ہیں ان تمام باتوں کو مدنظر رکھکر ہم نے محض اردو علم ادب کی ترقی کیلئے قدیم و جدید کی انشا پردازی کے تمام نکات ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے نہایت ہی پُراثر۔ رقت خیز اور جذبات و تخیلات سے مملو قصوں کا مجموعہ شائع کرنیکا ارادہ کیا ہے۔ یہ سلسلہ نہایت دلکش ہوگا۔ اور دنیا کی بہترین و عمدہ ترین زبانوں سے چوٹی کے قصوں کو نہایت سلیس اردو لباس پہنایا جائیگا۔ فی الحال بنگالی زبان کے مشہور و معروف اور برگزیدہ فسانہ نگار ملک الشعرا ڈاکٹر رابندرا ناتھ ٹیگور شری ہیمیندر کمار رائے۔ بابو چارو چندر ایم اے پربھات کمار مکرجی ایم اے مسٹر کیشو چندر سین ایم اے۔ شریمتی نروپما دیوی شریمتی سورن لتا وغیرہ وغیرہ کے عمدہ ترین قصوں کا نہایت پُرلطف پیرایہ میں چربہ اتارا جائیگا۔ ازاں بعد دیگر زبانوں کی برگزیدہ تصانیف پر توجہ دی جائے گی۔ اور اس کے صفحات میں وہ مصالح پیش کیا جائیگا جو نایاب ہوگا۔

سب سے پہلے اردو زبان کے مشہور فسانہ نگار منشی گوری شنکر لال صاحب اختر رئیس اٹاوہ کے نہایت ہی پُرلطف قصوں کا مجموعہ ہوگا۔ اختر صاحب کی بلند پروازی نازک خیالی جدت پسندی سے ناظرین خوب واقف ہیں وہ نہ صرف فسانہ نگاری کرتے ہیں بلکہ سطر سطر میں سحرکاری بھی کرتے ہیں۔

سال میں اس سلسلہ کی چھ کتابیں شائع ہونگی اور مستقل خریداروں کو نصف قیمت (محصولڈاک علاوہ) پر ملیں گی۔ بلحاظ لکھائی چھپائی۔ کاغذ کتاب نہایت دلفریب ہوگی اور تصاویر کا بھی اہتمام ہوگا۔ لکھنؤ عام طور پر حسن کتابت اور اشاعت کی صفائی کیلئے مشہور ہے۔ غرض ہر طرح یہ کتابیں ایسی ہونگی کہ ادبی دنیا میں یادگار رہ جائیں۔

ناظرین اپنا نام نامی فوراً درج رجسٹر کرالیں تاکہ شائع ہوتے ہی نصف قیمت پر روانہ کردی جائے۔ سال میں زیادہ سے زیادہ ساڑھے تین روپے کے قریب دینے پڑینگے۔ مگر اس معمولی قیمت میں علم ادب کا بہترین خزانہ ہاتھ آجائیگا۔

تمام درخواستیں اس پتہ پر آئیں

شریمتی دروپدی بالا۔ "دروپدی پبلشنگ بھون" لکھنؤ

نایاب و نادر علمی خزانہ کے انمول رتن

از تصنیفات مہرشی شیوبرت لال صاحب ورمن ایم اے

ست شید یوگی کلپدرم قابل مطالعہ کتاب ۶/ ٭ وشنو پوران جلد اول پرانوں میں سب سے بہتر ۱۰/

وچار کلپدرم وچار ساگر کے ڈھنگ پر ۱۲/ ٭ چرتر کلپدرم رشی منی راجہ مہاراجہ شنو بھیر جو اولیا کے حالات ۸/

یوگ کلپدرم علم و تجربہ بڑھانے کی کتاب ۱۰/ ٭ برہم چار کلپدرم اپنشدوں کا عطر ۔ ۔ ۱۰/

آتم وچار کلپدرم آتما کا برنن ۔ ۔ ۷/ ٭ کتھا کلپدرم بھگتوں کے موثر اور دلچسپ حالات ۔ ۔ ۵/

رشی برتانت کلپدرم رشیوں کی کتھائیں ۶/ ٭ ویدانت کلپدرم ویدانت کی لاثانی کتاب ۱۲/

جین برتانت کلپدرم جین مہاتماؤں کے حالات ۶/ ٭ الحیات بعد الممات موت کے بعد حالات ۔ ۸/

کلکی پوران کلکی بھگوان کے حالات ۸/ ٭ عجیب غریب قصے جنکو قصوں کا شوق ہو ضرور پڑھیں ۸/

نغمہ روحانی گیتا منظوم مترجمہ حضرت مہر ۸/ ٭ علمی ویدانت سوامی ویکانند کے لیکچروں کا مجموعہ ۸/

برہم گیان پر لیکچر یا وانگینہ سنگ آتم رشی کی تصنیف ۱۰/ ٭ ہمیر ہٹ ایک سچے ہندو کے ہندوانی جذبات ۱۰/

معیار المکاشفہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۰/ ٭ راز خوبصورتی ۔ مصنفہ منشی گوری شنکر لال اختر ۔ ۔ ۸/

کلام اختر منشی گوری شنکر لال صاحب اختر کے کلام کا مجموعہ ۸/ ٭ دیوار قہقہہ حصہ اول ۱۲۶ نایاب لطیفے ۔ ۔ ۳/

دیوار قہقہہ حصہ دوم مصنفہ منشی گوری شنکر لال صاحب اختر مزے مزے کی باتیں و کہانیاں ۳/

کلیان دھرم یعنی مہاتما بدھ دیو کا مقدس جیون چرتر از قلم مہرشی شیوبرت لال صاحب ورمن

ایم اے ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۲/

بھرتری ہری شتک ۔ مشہور نایاب کتاب کا ترجمہ ۔ از منشی گوری شنکر لال صاحب اختر

اس کے صلہ میں جوبل دربار نے مترجم کو معقول انعام دیا تھا ۔ ۔ ۔ ۸/

محاصرہ چتوڑ ۔ راجپوتوں کی شجاعت اور دلیری کے کارناموں کا بہترین مجموعہ ۸/

نوٹ :۔ ناولوں کے تمام خریداروں کو یہ کتابیں نصف قیمت پر ملیں گی ۔

المشتہر مینیجر سرسوتی بھنڈار لاہور پنجاب

منتر شکتی

پہلا باب (۱)

راج نگر کے زمیندار باؤ کے کُل دیوتا گوپی کشور کا مندر صرف عوام میں ہی خوبصورت نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ اُس کی صنعتگری اور خوبصورتی کا تذکرہ اکثر شعرا اور اعلےٰ ترین مصوّروں و بت سازوں کی زبانی بھی سُنا گیا۔ اس کا کام اُن کی آنکھوں میں بھی حیرت و استعجاب پیدا کرتا ہے۔

سامنے ہی کل کل کرتی ہوئی چترریکھا ندی بہتی تھی۔ اُس پار سربفلک گنجان درخت تھے ں کا آخری حصہ کچھ اس طرح پر مِل گیا تھا۔ کہ ایک دروازہ سا معلوم ہوتا تھا۔ ندی کے ماف شفاف کنارے پر بہت دُور تک ریت بچھی ہوئی نظر آتی تھی۔ درختوں کے پتوں عکس پانی میں پڑ کر اُسے نیلگوں بنا رہا تھا۔ بیچ بیچ میں رہ رہ کر ہوا کے جھونکوں سے وں کی سرسراہٹ ایک عجیب و غریب رقصِ دلفریب کا نظارہ دکھا رہی تھی۔ ایسا معلوم وتا تھا۔ گویا پتے کنگن جوڑ کر ناچ رہے ہیں۔ اور رہ رہ کر تال دے رہے ہیں۔ بادلوں کے غید مگر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے عجیب انداز سے پانی میں رواں دواں نظر آ رہے تھے۔ گھاٹ

بنے ہوئے تھے۔ دونوں طرف لوگوں کے بیٹھنے کے لئے بڑے بڑے اونچے چبوترے بنے ہوئے تھے۔ پاس ہی پھولوں کا ایک خوبصورت کنج تھا۔ یہ کنج بہت بڑا تھا۔ پھلوں سے لدے ہوئے درخت تھے اسی کنج کے عین وسط میں مندر تھا۔ مندر کے ارد گرد خوشنما بیلیں پھیلی ہوئی تھیں۔ انھیں درختوں اور بیلوں کے بیچ میں سر اٹھائے ہوئے وہ مندر تمکنت کے ساتھ کھڑا ہوا نیلگوں آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ چاند کی صاف شفاف سنہری کرنیں مندر پر پڑ کر بہت خوبصورت معلوم ہوتی تھیں۔ گھنگھور بادلوں کی گہری خوشنمائی بہت پُرلطف نظارہ دکھا رہی تھی۔ مسافروں کے لئے یہ نہایت پُرفضا اور راحت بخش جگہ تھی۔ مندر کا سنہری کلش اور ترشول سمات کے دنوں میں ڈھل کر اور بھی چمک دمک دکھاتا تھا۔ بیلوں کے پتوں سے پانی کی بوندیں رہ رہ کر اس طرح ٹپکتی تھیں۔ گویا موتی گر رہے ہیں۔ جس دروازے سے مندر میں داخل ہوتے تھے۔ اُس پر بڑے بڑے حرفوں میں مندر بنانے والے کا نام اور تاریخ کندہ تھی +

اندر سونے کے سنگھاسن پر دیوتا کی مورتی ستھاپت تھی۔ کرشن جی مہاراج کے منہ سے بانسری کا نغمہ سُن کر رادھا جی سب کچھ بھول کر از خود رفتہ ہو کر پاگلوں کی طرح شیام سنکھی بن گئی تھیں۔ مورتی بنانے والے نے یہی نظارہ مورتی میں دکھایا تھا۔ اسی وجہ سے اس میں اس پاک تواریخ کا مرقعہ دکھایا گیا تھا۔ دنیا کے بھرم جال میں پڑ کر اور اس میں اپنے آپ کو پھنسا کر جیو آتما اپنے آتم سروپ کو بھول کر غلط راستہ میں ٹھوکریں کھاتا رہتا ہے۔ مگر جب زندگی میں جمنا کے لبریز کنارے سے بنسی کی دلفریب دُھن کانوں سے ہوتی ہوئی دل کے اندرونی حصوں تک پہنچتی ہے۔ اُسوقت اس کی تمام بھول چوک کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اُس وقت شرم۔ غرور۔ اور خوف سب چھوڑ کر اور تمام قیود و بندشوں سے آزاد ہو کر روح اپنی اصلیت سے ہم کنار ہونے کی کوشش کرتی ہے اور اس میل ملاپ سے وہ اپنی تمام پہیلیوں سے نجات پا جاتی ہے۔

اسی زندہ جاوید مورتی کے سامنے ایک شالگرام کی مورتی بھی۔ جس پر چندن چھڑکا ہوا تھا۔ پھول چڑھے ہوئے تھے۔ اوپر سونے کا ایک کلش لٹکا ہوا تھا۔ جس سے

بوند بوند پانی ٹپک رہا تھا۔ دھوپ کی خوشبو سے تمام مندر معطر و معنبر ہو رہا تھا۔
یہ مندر گاؤں کے مرحوم زمیندار کی یادگار تھی اور اُنکے نام کو زندہ جاوید بنا رہا تھا۔
اُنہوں نے تقریباً اپنی تمام جایداد دھرم کے کاموں میں وقف کردی تھی وصیت
میں اُنہوں نے زیادہ تر اسی بات پر زور دیا تھا۔ کہ تمام دھارمک کام اسی سرمایہ سے
بحسن خوبی انجام پاتے رہیں زمیندار کے خاندان والے سیوک کی طرح سیوا
کرتے رہیں۔ مگر اُسے فروخت کرنے وغیرہ کے حقوق اُنھیں حاصل نہیں۔ تمام جایداد
مندر کے لئے وقف کردی گئی تھی۔
اسی مندر کے ساتھ ایک اتیتھی شالا۔ اور ایک پاٹ شالا بھی تھی جس میں
مفت تعلیم ملتی تھی جگناتھ ترک چوڑامنی پجاری کی مرضی کے مطابق اتیک مندر
کے پروہت کی حیثیت میں تھے۔ زمیندار مہاشے اپنی وصیت میں لکھ گئے تھے اور اُنہوں
نے اسی ایک خاص بات پر بہت کچھ زور دیا تھا۔ کہ جبتک چوڑامنی مہاشے
زندہ رہینگے۔ اُسوقت تک پوجا کا بار اُنھیں پر رہیگا۔ اس کے بعد پھر اُن کے کسی خاص
شاگرد کو یہ خدمت سپرد کی جائے گی۔
امبرناتھ نامی ایک لڑکا نہایت سادہ مزاج اور نیک شخص تھا۔ آٹھ
مہینے ہوئے۔ کہ یہاں تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے آیا۔ اُس نے اپنی خدمتوں
سے لوگوں کے دل میں جگہ پیدا کرلی پجاری جی کی بھی دل وجان سے خدمت
کرنے لگا رفتہ رفتہ یہ حال ہو گیا۔ کہ تمام بار امبرناتھ کے سر پر پڑا! دھیانک
مہاشے کی بیوی بہت دن ہوئے مرچکی تھی۔
امبرناتھ کے اُوپر تمام بار پڑا۔ اور لڑکے بے فکر ہو گئے۔ مگر امبرناتھ نے
اس سے کوئی خاص تکلیف محسوس نہیں کی۔ وہ بلاناغہ علے الصباح اُٹھتا۔ اور
تمام ضروری کاروبار سے فارغ ہو کر ندی کے کنارے جاکر اپنی کتابیں لیکر
بیٹھ جاتا۔ اُسوقت کوئے وغیرہ پربھاتی گاتے تھے۔ چیتر ریکھا ندی اپنی روانی
سے ایک عجیب غریب قسم کا نظارہ دکھاتی تھی۔ سرخ سونے کی طرح اوشا

اپنی محبوب سکھیوں کے ساتھ ساتھ دنیا میں نوزائیدت کا جلوہ دکھاتی تھی۔ چنچل اور شوخ مزاج لڑکیوں کی آواز سے بکھرے ہوئے موتیوں کی طرح شبنم کی بوندیں درختوں کے پتوں سے ہوتی ہوئیں انبرناتھ کے چہرے پر گرتی تھیں۔ مگر اُسے ان سب کی کچھ خبر بھی نہیں تھی۔ وہ یکسوئی سے اپنے مطالعہ میں مشغول رہتا تھا ــــ کسی سے جیسے کچھ غرض ہی نہ تھی۔

اس کے بعد وہ نوجوان گورو کی خدمت میں مصروف ہوتا۔ گورو ضعیف العمر تھے۔ اور زیادہ تر بیمار رہتے تھے۔ اسی وجہ سے اُن کا تمام جسم جیسے خشک ہوگیا تھا۔ مندر کی پوجا ختم کرنے کے بعد وہ بھوک پیاس سے پریشان ہو جاتے تھے۔ اور اگر انہیں اسوقت کچھ کھانا نہ ملجائے۔ تو بہت ناراض ہوتے تھے۔ غصہ میں جو سامنے آجاتا تھا۔ اسی پر برس پڑتے تھے۔ پہلے روزانہ یہی حالت پیش آتی تھی۔ مگر جب سے انبرناتھ آیا تھا۔ اس وقت سے اس میں بہت کمی آگئی تھی۔ شاید ہی کسی دن یہ نوبت آتی تھی۔ جب غصہ آتا تھا۔ تو لڑکے عموماً وہاں سے بھاگ جاتے تھے۔ اور اس وجہ سے انبرناتھ کو ہی سب کچھ برداشت کرنا پڑتا تھا۔ اسی طرح دن کٹتے تھے۔ انسان کی خواہش تو ہمیشہ یہی ہوتی ہے۔ کہ وہ باحکومت زندگی بسر کرے۔ اُسے کچھ کام کاج نہ کرنا پڑے۔ مگر قدرت کب اُس کی مرضی کے مطابق کام کرتی ہے۔ اُس کے انصاف کا پلہ ہمیشہ برابر ہی رہتا ہے۔ نظامِ کائنات کا قانون یہی ہے۔ کائنات کی گاڑی قانون کی عملی رفتار دو متضاد پہیوں کے ذریعہ جاری ہے +

ترک چوڑامنی مہاشے بیمار ہوکر تقریباً ایک مہینے تک بستر پر دست رہے اس کے بعد یکایک ایک دن اس جہانِ فانی سے اپنے لین دین کا حساب بیباق کرکے کسی ایک لامعلوم دیس کو راہی ہوئے۔ اس دور دراز سفر کے قابل وہ تھے۔ یا نہیں۔ اس کی نسبت لوگوں نے کبھی اُن کا بُغچہ کھول کر تحقیقات نہیں

کی مگر عام رائے یہ تھی "کہ وہ سورگ گئے" سب یہی کہتے تھے۔ کہ وہ نہایت دھرم پراین اور بزرگ شخص تھے۔ انہوں نے دھرم سیوا میں کبھی کوتاہی نہیں کی صرف اسی قدر کیوں؟ اس زمانہ کے گویا وہی دھرما مارشی تھے۔ وہ منتر جنتر میں خوب ماہر سمجھے جاتے تھے۔ جب اُن کے عارضہ نے زور پکڑا تھا۔ اُس وقت سے موت کے وقت تک اُن کے شاگرد اور راج نگر کے آدھے باشندوں کے درمیان ایک زبردست ہلچل سی مچ گئی تھی۔ وہ لوگ اسباب کو جاننے کے لئے بہت پریشان تھے۔ کہ دیکھیں کسے اپنا سجادہ نشین بناتے ہیں۔ اُن کے سب سے قدیم شاگرد اُدیا ناتھ پر سب کی نگاہ تھی۔ پھر بھی ایک کمزور اُمید سب کے دل ہی دل میں رہ رہ کر چٹکیاں لیتی تھی۔

ادھیاپک کی موت کے دو ایک دن پیشتر زمیندار مہاشے دو شتر اشخاص کو ساتھ لے کر تقریباً آدھ گھنٹہ تک کچھ بات چیت کرتے رہے۔ اور کتنی ہی باتیں لکھ کر اُن کے دستخط کرا لئے۔ اُن دونوں ساتھیوں میں سے ایک شخص خاندانی وکیل تھا۔ دوسرا شخص اُنہیں کا محرر تھا۔ اُنہوں نے بھی اپنے فرائض انجام دئے۔ گھر میں اُس وقت کوئی موجود نہیں تھا۔ کسی کو رہنے نہیں دیا۔ کھڑکی کے اندر دو ایک لڑکے تاک جھانک کی فکر میں سرگرم تھے۔ مگر مریض کا بستر کھڑکی سے بہت دُور تھا۔ اس وجہ سے اندر کی بات چیت کسی کو معلوم نہ ہو سکی۔ اسی وجہ سے سب کے سب دل ہی دل میں نہایت پریشان تھے۔ وقت پر یعنی ادھیاپک مہاشے کی وفات کے بعد اس کے متعلق خبر ملی —— اس خبر نے سب کو استعجاب و حیرت میں ڈال دیا تھا۔ یہ بات نہیں تھی —— مرحوم ادھیاپک مہاشے نے اپنے نئے شاگرد امبر ناتھ کو ہی اپنے تمام حقوق سونپ گئے تھے۔ وہی اس وقت مندر کا پروہت اور لڑکوں کا پرم پوجنیہ ادھیاپک تھا۔ لڑکے آپس میں کہنے لگے۔ جو اب تک ہماری حیثیت کا تھا۔ جسے جو چاہتے کہتے تھے۔ وہی امبر ناتھ

آج ہمارا معلم ہے۔ گورو ہے۔ اب سب کو اُس کے حکم کی تعمیل کرنی پڑیگی۔ اُس کے پاؤں پھول چندن سے پُوجنے ہوں گے۔ تمام لڑکے متفق الرائے ہو کر زمیندار کے پاس گئے۔ اور بولے "وہ وودیں کا لڑکا ہے۔ شاستر وغیرہ بھی بہت نہیں جانتا کیا یہ اس قابل ہے۔ کہ پاٹ شالا چلا سکے۔ اب آپ مہربانی کر کے ہمارے پڑھنے پڑھانے کا کوئی معقول انتظام کرا دیں ۔

اگرچہ زمیندار مہاشے کی دلی رائے بھی یہی تھی۔ مگر وہ کسیطرح بھی۔ اچھی رتی ہوئے۔ نہ اپنی اصلی رائے کا اظہار ہی کر سکے۔ لڑکے دِل ہی دِل میں بُرا مان کر اپنی اپنی جگہ واپس آئے ۔

امرناتھ کو بھی خبر ملی وہ دِل ہی دِل میں بہت مغموم ہُوا۔ اپنی میلی چادر کندھے پر ڈال کر آہستہ آہستہ وہ ندی کے کنارے آیا۔ اور وہاں ہی ٹہلنے لگا کیوں؟ اُس کی ایسی حالت ہوئی؟ اپنی ترقی دیکھنے کی خواہش تو اُس کے دل میں کبھی تھی ہی نہیں۔ پھر یہ کیا؟ جنھوں نے اتنے دِنوں تک دِل ہی دل میں کتنے ہی ہوائی قلعے تعمیر کئے تھے۔ اُن کی اُمیدوں کی جڑ میں کلہاڑی لگائی گئی۔ اسی وجہ سے وہ نہایت مغموم و متفکر تھا۔ کہاں سے یکایک اُن کی زندگی میں وہ برسے گرہ کی طرح آپڑا۔ کہ اُن کی عرصہ دراز کی اُمیدوں پر اوس پڑ گئی۔ ایسا کیوں ہُوا؟

زمیندار سے ملاقات کرنے کی خواہش اُس کی نہیں تھی۔ مگر بغیر ملے ہوئے بھی کام نہیں چلتا۔ دو چار دن تک متواتر جانے کا ارادہ کرتا رہا۔ مگر نہ جا سکا۔ بالآخر جب گورو کی شرادھ سے فارغ ہُوا۔ تو ایک دن وہ پوجا کر کے پرشاد وغیرہ لے کر زمیندار کے درشن کی غرض سے چلا۔ اسوقت زمیندار مہاشے اکیلے ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ نوکر نے آسن لانے کے لئے کہا۔ اور خود شئے پروہت کی طرف غور سے دیکھنے لگے۔ گورا رنگ۔ وجیہہ قد۔ بلند پیشانی بڑی بڑی مئے معرفت سے سرشار آنکھیں اُس شکل کو دیکھ کر دلمیں عقیدتمندانہ

جذبات پیدا ہوتے تھے۔ مگر نہایت ہی قابل تعظیم پروہت کے درجہ پر پہنچنے کے لئے اب بھی عمر کم تھی۔ ضعیف پروہت جی نے اس لڑکے کو کیوں اپنی جگہ دی۔ یہ اُن کی سمجھ میں نہ آیا۔ انبر ناتھ نے جھجکتے جھجکتے کہا۔ میرے ذریعہ یہ تمام کام حسن وخوبی سے سرانجام پائینگے۔ اس پر مجھے بھروسہ نہیں ہوتا۔ براہ مہربانی مجھے سبکدوش فرما کر یہ بار کسی اور کے سپرد کیجئے۔

زمیندار نے کہا۔ مگر تمہارے گورو نے تو اپنے اتنے شاگردوں میں سے تمہیں کو منتخب کیا۔ اور اسی وجہ سے یہ زبردست بار تمہارے اوپر چھوڑا۔ کیا اس میں اُنہوں نے غلطی کی؟

انبر نے تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر کہا۔ اُنہوں نے غلطی کی۔ یہ میں کبھی بھول کر بھی نہیں سوچ سکتا۔ میں ہی اپنی طاقت پر بھروسہ نہیں کرتا جب میں خود ہی اس قابلِ تعظیم وقار سے گھبراتا ہوں۔ تو آپ یہ بار کسی اور شخص کے حوالے کیجئے۔

چونکہ وہ اُٹھنے کے لئے تیار ہوا۔ زمیندار مہاشے کسیقدر متحیر ہو کر اُسے بٹھانے کے لئے مصر ہوئے۔ اس کے بعد بولے۔ اگرچہ تم اسوقت خود ہی چھوڑنا چاہتے ہو۔ مگر میں کسی طرح تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر عوام نے شکایت کی تو اُسوقت میں کچھ کارروائی کر سکوں گا اس کے بغیر نہیں۔ یہ کہہ کر وہ کسی قدر مسکراتے ہوئے بولے۔ اگر تم واقعی اس کام سے آزردہ خاطر ہو۔ تو کام میں غلطی دکھاؤ۔ لوگ فوراً ہی شکایت کرینگے۔

انبر ناتھ یہ باتیں سنکر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس کی وہ بڑی بڑی چمکدار آنکھیں دم بھر کے لئے ذرا سفید ہوگئیں۔ زمیندار مہاشے کو نمسکار کر کے اُس نے کسیقدر مستقل لہجہ میں کہا۔ جان بوجھ کر میں خود کوئی کام نہیں بگاڑوں گا اس طرح آزاد ہونا میں پسند نہیں کرتا۔ جو گورو نے حکم دیا ہے۔ اُس پر دل وجان سے توجہ دیکر کام میں لگونگا

اس کے بعد دوسرے دن صبح سے وہ اپنے تمام فرائض اُسی جانفشانی وتندہی سے

انجام دینے لگا۔ مگر شاگردوں نے اچھا سلوک نہیں کیا۔ پڑھنے تو بیٹھے۔ مگر صرف کتاب ہی کتاب ہی کھلی رہی ـــ لفظ زبان سے باہر نہیں نکلا ـــ آدتیا ناتھ مع اپنے ہمعصر لڑکوں کے رات کو وہاں سے چل دیا۔

امبر ناتھ اس کی یہ چالاکی اچھی طرح سمجھ گیا۔ اُسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی وہ دل ہی دل میں خود ہی جیسے شرم محسوس کر رہا تھا۔ کچھ نہ کہکر چپ چاپ آہستہ آہستہ وہاں سے چلا گیا۔ اور اودھیاپک کی زندگی میں جیسے کام کرتا تھا۔ اسی طرح بھنڈار گھر کا دروازہ کھول کر رسوئیں خانہ میں پہنچا۔ اور پانچ سیر چاول نکال کر پکانے لگا۔ آپسیں نگاہیں چار ہوتے ہی کسی نے سر جھکالیا۔ کسی کے ہونٹوں پر ہنسی کی شعاع نمودار ہوئی ـــ وہ ہنسی بالکل ہی معصومانہ تھی ـــ کیا مچھلی والی راج رانی ہوکر بھی اپنا قومی خاصہ۔ یعنی مچھلی کی بدبو سے نفرت کرنا نہیں چھوڑ سکتی۔

دوسرا باب (۲)

راج نگر گاؤں کا بازار ندی کے کنارے آدھ کوس کے فاصلہ پر تھا۔ زمیندار مہاشے کے مکان سے گاؤں سے گذرتی ہوئی سٹیشن تک ایک نہایت چوڑی اور کشادہ سڑک تھی اُس کے دونوں کنارے آم اور پیپل کے سر بفلک درخت تھے۔ اُس سایہ میں لوگ زبردست اجگر کی طرح بخوبی سے آرام کرتے تھے۔ بازار کے دن پنساری اور سودا بیچنے والی عورتیں اپنے اپنے سر پر سودا الاکر ہات ہلاتے ہوئے اسی راستہ سے آیا جایا کرتی تھیں۔ راستہ میں آرام کرتے کرتے مسافر سات کوس کا فاصلہ طے کرکے ریلوے سٹیشن تک پہنچتے تھے۔ مسافروں کی چہل پہل اور گانے بجانے کی آواز سے وہ راستہ گونج اُٹھتا تھا۔

اسی راستہ کے کنارے راج نگر بسا ہوا تھا۔ گاؤں میں دس بیس گھر کے علاوہ زیادہ تر لوگ غریب تھے۔ اسوجہ سے عموماً مکانات بالکل چھوٹے چھوٹے تھے تاہم گاؤں میں جتنی کملا کی کرپا درشٹی کا زبردست ثبوت ملتا تھا۔ گاؤں کے نصف باشندوں کے پاس دو دو چار چار بیگھہ زمین تھی پھل پھول اور ترکاری وغیرہ بکثرت پیدا ہوتی تھی۔ اسی سے بیچاروں کی گذر بسر ہوتی تھی۔ بعض

بعض گھروں میں چھپر تک نہیں تھے۔ ہاں مویشی بکثرت تھے۔ دودھ دہی کی کمی نہ تھی۔ گاؤں کے عین وسط میں راج نگر کا بازار تھا۔ ہر بدھ، سہ شنبہ اور اتوار کو بازار لگتا تھا۔ بازار کے دن آس پاس کے گاؤں کے باشندے سودا خریدنے اور فروخت کرنے آتے تھے۔ کیونکہ اُس قرب و جوار میں راج نگر ہی کلکتہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسی بازار کے پاس ہی ایک مکان میں پاٹ شالا تھی۔ پنڈت جی آم کے درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے گاؤں کے زیادہ تر بھلے بُرے لڑکے لے کر پڑھایا کرتے تھے وہاں ہر وقت شور مچا رہتا تھا۔

اسی بازار میں پاٹ شالا کے عین سامنے ایک منزلہ پختہ مکان میں آدیا ناتھ کے بہت دور کے رشتہ کے ایک بھائی رہتے تھے۔ آدیا ناتھ پڑھنا لکھنا چھوڑ کر یہاں ہی رہتے تھے۔ اُن کے بھائی بندرابن عوام میں اپنی سادگی کے لئے بہت مشہور تھے۔ اِن کے علاوہ انھیں اس وجہ سے اور بھی شہرت ہو گئی تھی۔ کہ اُن کی بیوی کا اُن پر بہت بڑا دباؤ۔ خواہ اس وجہ سے ہو۔ اور یا کسی اور وجہ سے مگر اُن کی دوسری بیوی تلسی منجری کچھ ایسی بدمزاج نہیں تھی۔ تاہم بوڑھے کی بیوی سمجھ کر یا عوام کے خاکہ اُڑانے کی وجہ سے ہو۔ شوہر کے اوپر انہیں بہت کچھ اختیار حاصل تھا۔ رفتہ رفتہ یہ بات تمام گاؤں میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تھی۔ لوگ کہتے تھے۔ کہ وہ اپنے شوہر کو ایک ہاٹ میں بیچنے اور دوسری میں خریدنے کی قابلیت بھی رکھتی ہے۔ صرف یہی کیوں؟ لوگوں کو تو یہاں تک یقین ہو گیا تھا۔ کہ بندرابن کے ذریعہ دنیا کا کوئی بڑا کام ہونا غیر ممکن ہے۔ کوئی معمولی سے معمولی کام ہو۔ وہ بغیر بیوی کی اجازت لئے ہوئے نہیں کرتے تھے۔ اسی وجہ سے لوگوں کو پورا پورا یقین ہو گیا تھا۔ تلسی کا یقین تھا۔ کہ جوان بیوی جیسے اپنے بوڑھے شوہر کو قابو میں کر رکھتی ہے۔ وہ خود اپنے بوڑھے شوہر کے ساتھ ایسا سلوک روا نہیں رکھتی۔ اور نہ اسقدر بس میں کر سکی ہے۔ مگر دنیا میں کتنے ہی ایسے اشخاص ہیں۔ جن کو بس میں لانے کے لئے زیادہ کوشش نہیں کرنی پڑتی۔ وہ خود بخود وقت پا کر بس میں آجاتے ہیں۔ بندرابن بھی انہیں میں سے تھے۔ جو بہت جلد بس میں آجاتے تھے۔ اس میں تلسی کا کیا قصور تھا؟ اِن کے علاوہ جنھیں کچھ اختیارات حاصل رہتے ہیں۔ وہ اپنے آپ پر بڑا فخر اور غرور کرتے ہیں۔ منجری تو ایک معمولی عورت تھی۔

آنگن کیپ؟ چوتا ہوا تھا۔ اُس کے عین وسط میں تلسی کا ایک درخت تھا۔ اوپر بانس میں رسی سے ایک

ہانڈی لٹکی ہوئی تھی۔ اُسی میں سوراخ تھا۔ سوراخ سے پانی کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔ شام ہونیوالی تھی۔ تُلسی پیتل کی تھالی میں ایک گھی کا چراغ اور تھوڑے سے بتاشے رکھ کر لائی۔ اتنے میں آدتیا ناتھ نے پکارا۔ بھوجی! تُلسی منجری نے کہا۔ ہاں جی! کیا کہتے ہو؟ یہ کہتے کہتے تُلسی منجری نے اپنے بے ترتیب لباس کو ٹھیک کیا اور کہا۔ آؤ۔ پوجا کرنے کے لئے جگہ ٹھیک کئے دوں۔

آدتیا ناتھ نے کہا۔ ... جگہ ... اچھا ٹھیک کر دو۔ میں تو کسی اور غرض سے آیا تھا۔ اچھا بعد میں کہونگا۔ مشوش نگاہوں سے دیکھ کر تُلسی نے کہا۔ کچھ کہنا ہے۔ ابھی کہو۔ چھپاتے کیوں ہو۔ یہ کبھی نہیں ہوگا۔ آدھی بات منہ میں رکھتے ہو۔ اور آدھی باہر۔ آدھے سر کے درد سے کیا میں مروں؟

تُلسی منجری نے شباب کے باغ میں قدم رکھ کر اچھی طرح سیر کی تھی۔ اُس کا چہرہ ہمیشہ پھول کی طرح شگفتہ رہتا تھا۔ ہنسی مذاق۔ چہل ودلّگی میں اُس کا دِل برسات کی ندی کی طرح لبریز ہو کر رواں دواں نظر آتا تھا۔ اور اُس پانی سے دل کا ایک ایک حصّہ ہرا بھرا شاداب تھا۔ آدتیا ناتھ کو باوجود اصرار بھی اُس نے کسی طرح جانے نہیں دیا۔ آسن لاکر اُسے بٹھا دیا اور خود زمین پر ہی دور سرک کر بیٹھ کر بولی۔ کیا کہنا چاہتے ہو۔ کہو نہ؟“

آدتیا ناتھ نے کہا۔ بات تو کوئی ایسی نہیں ہے۔ دادا کی حالت ایسی ہو گئی ہے۔ کہ وہ چھوٹے سے معاملہ میں بھی بغیر تمہاری رائے لئے ہوئے کوئی مشورہ نہیں دیتے۔ وہ اچھے اچھے ذی فہم مردوں سے کہیں زیادہ تمہاری رائے کی قدر کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے تمہارے پاس مشورہ لینے کی غرض سے آیا ہوں۔ منجری نے منہ نیچا کر لیا۔ وہ دیور کے منہ سے اپنی تعریف سُن کر بہت خوش ہوئی تھی۔ اور شوہر کی نسبت بھی دل ہی دل میں پھولی نہیں سماتی تھی۔ مگر اس میں کسیقدر اُسکے شوہر کی شکایت بھی تھی۔ اس لئے یہ بات اُسے ناپسند بھی ہوئی۔ کیونکہ وہ اپنے سے ڈھائی گنا عمر میں زیادہ شوہر کو بہت پیار کرتی تھی بھگتی کرتی تھی مگر اُس نے اپنے یہ جذبات چھپا کر کہا۔ عورتوں میں عقل مردوں سے زیادہ ہوتی ہے؟ اچھا رہیں جائے یہ عقل کا جھگڑا! تم بتاؤ۔ کہ وہ کیا بات ہے؟

آدتیا ناتھ نے اپنے دل کی بات ظاہر کی۔ کہ گوروجی نے نہایت بے انصافی سے کام لیا۔ اُنہوں نے اپنے تمام حقوق اندرناتھ کو دیئے۔ اُسوقت اُن کا دماغ صحیح حالت پر نہ تھا۔ اسی لئے ایسی بے انصافی ہوئی۔ مگر اس کو تو وہ عدالت میں ثابت نہیں کر سکیگا۔ اور اگر کر بھی

دیا۔ تو اس کی بات کون مانے گا؟ مگر کیا اس وجہ سے اُس کی ہونے والی دولت کے اور لوگ مالک بن بیٹھینگے۔ اور وہ مُنہ دیکھتا رہ جائیگا۔ یہ بھی اس کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ نہ معلوم کہاں کا ایک لڑکا آ گیا۔ جس کی گردن اگر زور سے پکڑ لی جائے۔ تو اب بھی مُنہ سے دُودھ نکل پڑے۔ وہ بھلا شاستر ارتھ کیا جانے؟ پوجا کے رسم و رواج میں اُسے کیا دخل؟ اتنی زبردست ذمہ داری نہ معلوم کیا سوچ کر اس کو سپرد کی گئی۔ اس سے کبھی کیا کسی کو کوئی فیض پہنچ سکتا ہے؟ زمیندار کی آنکھوں پر بھی پردہ پڑ گیا۔ اسی وجہ سے اس غلطی کی تردید نہ ہو سکی۔ اسے خواہ اور کوئی برداشت کر لے۔ مگر آدیا ناتھ جیسا شخص کبھی نہیں برداشت کر سکتا۔ خواہ اُسے کتنی ہی تکلیف کیوں نہ اُٹھانی پڑے۔ مگر وہ کسی طرح بدنصیب انبر ناتھ جیسے چھوکرے کی غلامی نہیں کر سکیگا ـــ اس کے لئے وہ سب کچھ کرنے پر آمادہ ہے۔

سب باتیں سُنکر منجری نے آہستہ آہستہ پوچھا۔ "پھر مجھ سے تم کیا کہتے ہو؟"

آدیا ناتھ نے بھاوج کے چہرے پر مضطربانہ نگاہیں ڈالیں۔ اُس نے اس جواب سے ناراضگی محسوس کی۔ کسی قدر ٹھہر کر بولا "کیا کرنا ہوگا۔ اگر یہی فیصلہ کر سکو۔ تو پھر بات ہی کیا ہے؟ اسی لئے تو تمہارے پاس آیا ہوں۔ ورنہ ضرورت ہی کیا تھی؟"

منجری نے آدیا ناتھ کو غصہ میں دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا "میری صد [illegible]! تم نے ایک دن کہا تھا۔ دیور جی! کچھ یاد ہے۔ عورتیں ضعیف العقل ہوتی ہیں" دیور جی! کچھ یاد ہے۔؟

"ہا! شاید اسی وجہ سے الجھن ہوگی" رام رام کہو۔ وہ تو ایک یونہی سی بات تھی۔ میں نے کیا سچ کہا تھا ـــ تم بات خوب پکڑ لیتی ہو۔ تم سے تو زمیندار کے گھر کی لڑکیوں سے خوب ملاقات مدارات ہے ـــ تلسی نے بات کاٹ کر ہنستے ہوئے آدیا ناتھ کی طرف دیکھ کر کہا "سرکار! بہت ربط ضبط ہے۔ کیوں؟" آدیا ناتھ بغلیں جھانکنے لگے۔ کچھ دیر بعد بولے "سنا ہے زمیندار مہاشے کی لڑکی کرم دھرم میں بہت توجہ دیتی ہے۔ اس سے اگر اس بات کا تذکرہ

منجری نے یکایک اپنی دونوں آنکھیں چڑھا کر نفرت آمیز لہجہ میں کہا "کیا! میں تمہارے انبر ناتھ کے متعلق اُس سے کچھ کہنے جاؤں گی"

آدیا ناتھ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ کاش کوئی مرد یا عورت اس لہجہ میں اُس سے

کوئی بات کہتی۔ تو وہ مارنے میں دریغ نہ کرتا۔ مگر منجری ایک عورت تھی۔ اس کے علاوہ اس کا نام منجری تھا۔ اگرچہ اُس پر غصہ کرنے کا موقع بھی تھا۔ تاہم وہ یکایک وہ اُس کا اظہار نہ کر سکا۔ اپنی اس کمزوری کو وہ بخوبی سمجھ گیا۔ وہ اپنے آپ پر ضبط کر کے نیچی نگاہوں سے بولا:۔ ”اس کی نسبت کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بات نہیں۔ وہ ہرگز اس اعزاز کے قابل نہیں۔ اگر کچھ کہا بھی جائے۔ تو وہ کسی طرح جھوٹ نہیں —— پھر اس میں ہرج ہی کیا ہے۔“

غصہ اور ناراضگی کو چھپا کر کسی قدر مسکراتے ہوئے منجری نے کہا:۔ ”واہ! تم میرے ہر طرح پر اپنے ہو سہی —— مگر اس کے لئے میں ایک نئے پروہت کو ہٹانے میں کوشش کروں کیا۔“ دیا ناتھ کا اُترا ہوا چہرہ۔ اور اُس کا رنگ بدرنگ دیکھ کر منجری نے گفتگو کا رنگ بدل ڈالا۔ یکایک اُس نے کہا:۔ ”تو یہ بات بھی تم سے کہتی ہوں۔ اگر تمہارا اسپر ناتھ واقعی جاہلِ مطلق ہے۔ تو اُس کے لئے فکر ہی کیا! ایسی حالت میں وہ بہت دنوں تک نہیں ٹھہر سکیگا تمہارے علاوہ اور لوگوں کی بھی تو آنکھیں ہیں۔ اس لئے اس بارہ میں تم بے فکر رہو۔“

دیا ناتھ کا غصہ کسیقدر رفو ہوا۔ بیتابانہ انداز سے بولا۔ کیا کیا؟ کس کی آنکھوں میں؟

زمیندار رہا شنے کی لڑکی رادھا رانی —— اُس کی نگاہوں میں وہ عرصہ دراز تک دھول نہیں ڈال سکتا۔ سننے والے کی دو بیقرارانہ آنکھوں میں اُمید کا نور جلوہ گستر ہوا۔ اس نے کہا:۔ ”تو تم ذرا خبر تو لو۔ پیاری بھوجی! ذرا ایکبار تو دل لگا کر میرا کام کر دو۔ میں ہمیشہ کے لئے تمہارا احسان مند رہوں گا۔“

”اچھا —— دیکھا جائیگا۔“

”اچھا! تو آپ میں دو چار لڑکوں کو اکٹھا کر کے ایک پاٹ شالا قائم کرتا ہوں۔ تمہاری کیا رائے ہے؟ اگر اُسے جلد نہ ہٹا سکا۔ تو پاٹ شالا کی وجہ سے زور تو ضرور ٹوٹ جائیگا۔ پھر دیکھتا ہوں کہ بچاجی کیسے پنڈتائی کر کے کھاتے ہیں؟ میں یوں ہی چھوڑ دینے والا شخص نہیں معلوم نہیں۔ کہاں سے آ گیا؟ میں تو آج سات برس سے نہلا ہی کرتے کرتے مر گیا۔ اور اب وہ مزا لوٹ رہا ہے۔“

دیا ناتھ کا یہ جوش و خروش دیکھ کر منجری مسکراتی ہوئی چراغ لے کر باہر چلی گئی۔

(۳) تیسرا باب

انبیر ناتھ جس مندر میں پُوجا کرنے جاتا تھا۔ وہاں دو سونے کی مُورتیوں کے علاوہ وہ ایک مُورتی کو ہمیشہ دیکھتا تھا۔ وہ دونوں مُورتیاں تو بالکل ساکن اور بے حس وحرکت تھیں مگر اس میں حرکت تھی۔ دونوں میں یہی فرق تھا۔

پہلے دن جب وہ نہانے کے بعد گیروے کپڑے پہنکر آسن پر بیٹھا۔ تو ایک عجیب وغریب تحیّر نے اس کے دل کو ڈانواڈول کر دیا۔ وہ متحیّر ہو کر بول اُٹھا۔ یہ کیا مندر؟ اس مندر کے دیوتا کی یہ کیسی جلالی؟ کسقدر خوبصورت؟ سنگ مرمر کا وسیع حرم۔ دیواروں میں پتھروں کو کاٹ کر کیسی کیسی خوبصورت تصاویر بنائی گئی ہیں۔ جن سے شروع سے آخیر تک کرشن لیلا کی یادگار تازہ ہوتی ہے۔ ان میں تمام تاریخ پنہاں ہے۔ اُوپر کتنے ہی خوبصورت اور بڑے بڑے جھاڑ فانوس لٹکے ہوئے تھے۔ جن سے قوس وقزح کی رنگین شعاعیں پھوٹ پھوٹ کر امرلوک کی روشنی اور چمک دمک کا نظارہ دکھا رہی تھیں۔ یہ روشنی کیسی عجیب غریب تھی۔ جس پر نگاہ ہی نہیں ٹھہرتی تھی۔ کمخواب کے بستر پر سنہری۔ اور اس کی جھالر اس سنہری پلنگ پر دھوپ کا عکس منعکس ہو کر آنکھوں میں چکاچوندھ پیدا کر رہا تھا۔ یہ تمام مناظر نہایت ہی دلکش اور پُر لطف تھے۔

سونے کے برتنوں میں مٹھائیاں۔ موتیوں سے بھرے ہوئے سنہری تھال۔ نیلم کی طشتری میں پان۔ اور ایک تھال پھولوں سے بھرپور تھا۔ دھوپ اور اگر کی خوشبوئیں ہوا معطّر ومعنبر ہو کر اٹکھیلیاں کر رہی تھی۔ رُوپ۔ رس۔ رنگ اور دلفریبی کا یہ نظارہ دیکھ کر کچھ دیر تک انبیر ناتھ بالکل محو ہو گیا۔ ہر چیز بے عیب نظر آ رہی تھی۔ نقص کا کہیں نام و نشان بھی نہیں تھا شاہانہ پُوجا کا یہ خاص اہتمام تھا۔ وہ دل ہی دل میں کسی قدر تکلیف محسوس کرنے لگا۔ یہ کیا دیو مندر ہے؟ اس قدر مرصّع!! اتنی زینت!! اتنے ہیرے۔ جواہرات!!! یہ تو جیسے عشرتکدہ ہے۔ اس کی زینت ہی کچھ اور ہے۔ سونے چاندی کی اتنی کثرت۔ ساٹن و کمخواب کی اس قدر زیادتی!!! اپنی زندگی میں اتنا آراستہ و پیراستہ محل اس نے کبھی نہیں دیکھا۔ مگر اس رنگینی

نے سوائے اس کے کہ اُس کو تحیّر میں ڈال دیا۔ اپنی طرف کھینچ نہ سکا۔ اس کی نگاہوں کے لئے جیسے
اُس میں کوئی کشش ہی نہ تھی۔ دیکھتے دیکھتے اُس کی بڑی بڑی آنکھوں میں سیاہ بادلوں کے
عکس کی طرح ایک کیفیت چھا گئی۔ اور اُس کا دل نہ معلوم کیوں اندر ہی اندر ایک درد سا محسوس کرنے
نے لگا۔ پوجا ختم کر کے باہر آتے ہوئے وہ بار بار اندر کی طرف نگاہیں ڈالنے لگا۔

اے دیوتا! تمہارے دروازہ کے باہر کتنے دُکھی ہستیاں ہیں۔ کس قدر شور و شر اور دُکھ
کا ہنگامہ ہے! اور تمہارے اندر جا بجا اتنا ساز و سامان!! اتنی دلکشی! دیوتا کے نام لینے
والے انسان پہ اتنا دُکھ!! تمہارا یہ دور رساں مضحکہ و تمسخر!! یہ کیا — یہ تو شرم سے بھر پور
ڈوب مرنے کا کھیل ہے۔ یہ تو پوجا اور ریاضت نہیں — بلکہ دیوتا کی بے عزتی ہے —

اس قسم کے خیالات میں غرق باہر سے گھومتا ہوا وہ پاٹ شالا کی طرف آیا۔ دیکھا۔
دیناناتھ لڑکوں کو لئے ہوئے چنڈی منڈپ کے دروازے پر کھڑا ہوا بلند آواز سے کیا کیا
کہہ رہا ہے! وہ آگے نہ بڑھ سکا۔ کیونکہ وہ خوب جانتا تھا۔ کہ بدنصیبی سے اس نوجوان شخص
کے ساتھ اُس کی رقابت اور حسد کا تعلق ہے۔ آدینا ناتھ اُسے اپنا زبردست دشمن سمجھتا
ہے۔ اور اُس کی صورت دیکھنے تک کا روادار نہیں اُسے یکایک سامنے دیکھ کر اُس کے
غصّہ کی انتہا نہیں رہتی تھی۔ اسی جھجک سے وہ وہاں سے ہٹ گیا۔ دھوپ کی حدّت سے زمین
کے جسم پر ایک عجیب و غریب سیاہ آنچل نسیمِ سحری کے جھونکوں سے کانپ رہا تھا۔ عیش
و عشرت پسند عورتوں کا لباس بکھرے ہوئے پھولوں کی خوشبو کی مانند منتشع ہوئے خوش
اُڑاتی ہوئی ہوا ہر چہار طرف لہرا رہی تھی۔ تیز روشنی سے آسمان پر نیلگوں مگر سفیدی مائل
بادل چکا چوندھ پیدا کرنے والی روشنی کی طرح ایک عجیب و غریب رنگ میں رنگے ہوئے معلوم
ہوتے تھے۔ ندی کے پانی میں آفتاب کی زریں شعاعیں ہیرے کے ٹکڑوں کی طرح جگمگاہٹ
پیدا کر رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے پانی میں آگ سی لگی ہوئی ہے۔ اُدھر ایک دل
میں جذبات کو منتشر کرنے والا ناچ سا ہو رہا ہے۔ مچھلیاں اِدھر سے اُدھر آتی جاتی ہوئی دکھائی
دیتی تھیں ... مچھوا شکار ... سرگرم تھا۔ شیز اللہ کو دیکھ کر اُس نے سر سجود ہو کر پرنام
کیا۔ اور بولا ... آپ پر وہت ہو گئے ہیں ... بہت اچھا ہوا۔ میری ... سے

مبارک باد قبول فرمائیے۔

انبرناتھ اسے پہچانتا تھا ــــ صرف پہچانتا ہی نہیں بلکہ دونوں میں ایک خاص رفاقت تھی بیچ بیچ میں ندی کے کنارے دونوں کی ملاقات بھی ہوتی تھی مچھوہے کا نام پران تھا۔ پران کی چھوٹی لڑکی آوری کو اُس نے جلتے ہوئے مکان سے نکال کر اس کی جان بچائی تھی اُس وقت سے اب تک وہ جہاں کہیں انبرناتھ کو دیکھتا تھا۔ زمین دوز ہو کر پرنام کرتا تھا۔ پہلے پہل کچھ دنوں تک وہ متواتر انبرناتھ کے لئے کہیں نہ کہیں سے پھل پھول لا کر پیش کرتا تھا۔ اور ہنسکر زبردستی رکھ جاتا تھا ــــ باہر آ کر کہتا۔ دادا ٹھاکر! آپ دیوتا ہیں ایسی فرشتہ خصلت ہستیاں دُنیا میں کہاں پیدا ہوتی ہیں۔ مگر بہت دنوں تک ایسی خدمت کرنے کا موقع انبرناتھ نے نہیں دیا۔ پران کی یہ خدمات دیکھ کر پاٹ شالا والوں نے اظہار ناراضگی کیا۔ ایک دن آدیا ناتھ نے انبرناتھ سے کہا۔ "تم حقیر لوگوں کا دان لیتے ہو" انبرناتھ یہ بات سُننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اس قسم کی باتوں کی جوابدہی کا بار بھی اُس پر آ پڑے گا۔ یہ اُس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ کسی قدر متحیر ہو کر اُس نے کہا۔ "دان! ــــ نہیں ــــ ہاں ــــ وہ تو منت کرنے پر بھی نہیں مانتا۔ دینے سے بہت خوش ہوتا ہے"

آدیا ناتھ نے ہونٹ چبا کر ایک مضحکہ خیز ہنسی کا جلوہ دکھا کر کہا۔ "غریب بیچاروں کو یوں ہی کھانے کو نہیں ملتا ــــ پھر وہ دیگر کیسے سُکھی ہونگے! ہاں! ــــ یہ بات تو نہیں تم کیوں شودروں کے گھر آتے جاتے ہو۔ ان حرکتوں سے تمہاری قدر و منزلت جاتی رہیگی ــــ بالخصوص اسوقت جب تمہاری تعلیمی حالت ہے۔ اور برہمچریہ کا زمانہ ہے"

انبرناتھ کو بہت رنج ہوا۔ وہ زمین کی طرف اپنی نگاہیں کئے ہوئے بولا ــــ "یہ دان تو نہیں ہے۔ بلکہ تحفہ ہے" آدیا ناتھ زور سے ہنس اُٹھا۔ "ٹھیک ٹھیک ــــ برہمن کا لڑکا مچھواہوں سے تحفہ پاتا ہے۔ اس میں خرابی ہی کیا ہے! ہا! ہا! ہا! کل اور کچھ دکھائی دیگا۔ ہا ہا ہا ہا!" اُس کے ساتھی بھی ہنسنے لگے۔ جن کو ہنسی بھی نہیں آتی تھی۔ وہ بھی سُر میں سُر ملانے اور سرغنہ کو خوش کرنے کے لئے زور زور سے ہنسنے لگے۔ انبرناتھ

بدستور اپنی گردن جھکائے کھڑا رہا۔ دُنیا میں جہاں چار طاقتیں مل جاتی ہیں۔ وہی فلاحِ حقیقی ہیں۔ ہم بھی انسان کے مقصد پر نظر نہ رکھ کر مختلف اوقات میں مل ملا کر سرگروہ بن جاتے ہیں ٭

یہ باتیں یہاں ہی ختم نہیں ہوئیں۔ اس واقعہ کے دوسرے دن جب پران ایک چھوٹا سا کچا کٹھل لے کر جھجکتا جھجکتا انبرناتھ کے چرنوں پر گر کر بولا "کچھ یہ نیا تحفہ ہے۔ داداٹھاکر! اسے اس پار سے آپ کے لئے لایا ہوں۔ اسے ترکاری بنا کر کھا لیجئے گا" اسوقت انبرناتھ کا دل اندر ہی اندر دہل اٹھا۔ وہ کچھ دیر تک خاموش رہ کر ندامت آمیز لہجہ میں بولا۔ "پران! اگر اسے میں دلوں۔ تو کیا کوئی ہرج ہے؟ تم دل میں کچھ اور نہ خیال کرنا۔ میں جانتا ہوں۔ کہ تم غریب شخص ہو روز روز اب میں تمہاری چیز نہیں لے سکوں گا۔ اسے واپس لے جاؤ"

پران نے پریشان خاطر نگاہوں سے انبرناتھ کے چہرے پر نظر ڈالی۔ دانتوں تلے زبان دبا کر بولا "ٹھاکر دادا! یہ کیا بات ہے۔ جو چیز تمہارے نام سے لایا ہوں۔ وہ اب میں واپس نہیں لیجا سکتا۔ تمہاری کرپا سے پران اسقدر مفلس نہیں ہے۔ وہ اگر ہمیشہ تندرست رہے۔ اور اس کا جال کشتی میں سلامت رہے۔ تو اسے یا اس کے لڑکے بچوں کو کسی بات کا دُکھ نہیں رہیگا۔ کیا کہوں! تم تو بھگت لوگ ہو گوشت مچھلی کھاتے نہیں ورنہ روز طرح طرح کی مچھلیاں کھلاتا۔ خیر یہ کٹھل ہے تو ذرا گرم مصالح وغیرہ ڈالکر بنانا۔ یہ گوشت کو بھی مات کر دیگا ٭

یہ کہکر پران چلا گیا۔ انبرناتھ کے منہ سے کوئی بات نہیں نکلی۔ اس کے اتنے بڑے شکھ میں مخل ہونے۔ اور اسے محروم کرنے کا حوصلہ انبرناتھ کو نہ ہوا۔ اس نے دل ہی دل میں کہا۔ "اس سے اگر کچھ پاپ ہو۔ تو اس کا حصہ دار میں ہی ہوں گا۔" اس کے بعد اس کٹھل کی ترکاری بنی۔ اور تمام طالبعلموں نے کھانا شروع کیا۔

اتنے میں آدیاناتھ بول اٹھا — اسے ہرگز نہ کھانا — چھونا تک نہیں — وہ کھانے کی چیز نہیں — خاک ہے ٭

سب کے سب چونک اٹھے۔ اور آدیا ناتھ کی طرف دیکھنے لگے۔ گورو نے کہا "تم زبردستی کہتے ہو۔ آدیا ناتھ! ایسی عمدہ چیز۔ اور اُسے تم کہتے ہو۔ کہ کھانے کی چیز نہیں۔ یہ تمہاری کیسی باتیں ہیں؟"

آدیا ناتھ نے سب لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "یہ شودر کا تحفہ ہے۔ مگر آپ لوگ تو شودر کا دان لینے کے برخلاف ہیں۔ دُھاک کے سوا اور یہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ مچھوا ہے کی ہاتھ کی چیز ہم لوگوں کو چھونی تک نہیں چاہیئے۔ نہ کہ اُسے شوق سے کھائیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ آپ کے لڑکے بُرے سے بُرا کام کے لئے بھی تیار ہیں۔ اس کے باپ کے حصہ دار بھی ذہی ہوتے شودر کا دان لینا اور اسکا بھوگ کرنا یہ دونوں ایک ہی باتیں ہیں۔ یہ بات آپ ضرور تسلیم کرینگے۔ خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔ مگر میں تو اسے ضرور مانتا ہوں" معلم کے چہرے پر پریشانی وغصہ کے کتنے ہی آثار نظر آئے۔ انہوں نے امبر ناتھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "امبر! آدیا ناتھ کی بات کیا سچ ہے؟" یہ بات سنتے ہی آدیا ناتھ پتنگے کی طرح جھنجھلا کر بولا۔ "آدیا ناتھ کیا کبھی کسی سے جھوٹ بولا ہے؟"

امبر ناتھ نے سر نیچا کر کے جواب دیا۔ "خیر! جو ہوا۔ ہوا۔ اب ایسا نہ ہونا چاہیئے"

غرض اُس دن آدیا ناتھ نے بڑا گڑبڑ مچا دیا۔ وہ کھانا کسی کو کھانے نہیں دیا۔ سب پھینک دیا گیا۔ معلم کو بھی یہ بہت بُرا معلوم ہوا۔ مگر وہ کیا کرتے؟ کیونکہ وہ دل ہی دل میں آدیا ناتھ سے بہت ڈرتے تھے۔ اس خوف سے وہ وہاں سے اٹھ کر اپنی خوابگاہ میں جا کر منھ لپیٹ کر پڑ رہے۔

اُس دن لڑکوں میں سے بھی کسی نے کچھ نہ کھایا۔ سب آدیا ناتھ سے ڈرتے تھے۔ پھر چوکا لگایا گیا۔ اور کھانا پکانا شروع کیا گیا۔ آدیا ناتھ اپنے ساتھیوں سے یہ کہتا ہوا چلا آیا "میرے ساتھ دشمنی مول لینا خالہ جی کا گھر نہیں۔ مجھ میں اتنی طاقت ہے۔ کہ اگر پھونک ماردوں۔ تو فوراً امبر ناتھ اُڑ جائے۔

یہ بات پران کے کانوں تک بھی پہنچی۔ اُس نے امبر ناتھ سے کہا "دادا ٹھاکر! تم تو بالکل سیدھے سادے ہو۔ اسی وجہ سے وہ لوگ تمہیں اسقدر پریشان کرتے ہیں۔ تم نے یہ کیوں نہ کہا۔ کہ اگر شودر نہ ہوں۔ تو دھان کیونکر پیدا ہوگا؟ بھٹاچاریہ مہاشے کیا خود ہی فصل پیدا کرینگے؟"

شودر کا دان" کیا بات ہے۔ اچھا تو اب شریف لوگ خود ہی پھاوڑا اور کدال چلائینگے۔ اور ہل جوتینگے
انبرناتھ نے کسی طرح سمجھا بجھا کر اُسے مطمئن کیا۔
آج پران نے جب انبرناتھ کو آ کر نمسکار کیا۔ اُسوقت انبرناتھ کی آنکھوں میں آنسو بھر
آئے۔ وہ جاہل مچھوا ہے۔ نہیں جانتا۔ کہ جس درجہ پر انبرناتھ کو ممتاز کیا گیا ہے۔ وہ اُس
کے ناقابل ہے۔ جس واقعہ سے تمام راج نگر میں ایک ہلچل سی مچ گئی ہے۔ اُس کی ماہیت کو وہ
نہیں سمجھتا۔ اسی وجہ سے تو اُس نے مچھوا ہے کے گھر جنم لیا ہے۔ انبرناتھ کے خشک ہونٹوں
پر رُوکھی ہنسی کی جھلک نظر آئی۔ اُنہوں نے گفتگو کا رنگ بدل کر پران سے پُوچھا۔ کیوں!
تیرا لڑکا کیسا ہے۔ آدمی تو اچھی ہے نہ؟
پران نے کہا۔ سب اچھے ہیں۔ مگر آپ کی پریشانی دیکھ کر میں بہت پریشان ہوتا ہوں۔
انبرناتھ نے کہا۔ مجھے کوئی پریشانی نہیں۔ گورو کے رُوبرُو جو عہد کیا ہے۔ اُسے جبتک
جان میں جان ہے۔ پورا کرنا ہی پڑیگا۔ تُو کچھ فکر نہ کر
کچھ دیر تک بات چیت ہوتی رہی اس کے بعد آہستہ آہستہ انبرناتھ وہاں سے روانہ ہوئے
ندی کے کنارے اُس طرف کسی کا مکان نہیں تھا۔ جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی قدرتی
سبز مخمل سے زمین آراستہ نظر آتی تھی۔ بڑے بڑے سر بفلک درخت سے بیلیں لپٹی ہوئی نظر
آتی تھیں۔ ہر چہار طرف گنجان پھولوں۔ اور پھلوں سے لدے ہوئے درخت تھے۔ دھان کے
کھیتوں میں بالیاں لہرا رہی تھیں۔ وہ بالیاں ہوا کے جھونکوں سے لہراتی ہوئیں تو زائیدہ
اور معصوم بچوں کی طرح ناچ رہی تھیں۔ کھیتوں میں چھوٹی سی کٹی بنائے ہوئے کسان۔ اُن
کی عورتیں بیٹھی ہوئی کھیت کی رکھوالی کر رہی تھیں۔ ہرے ہرے دھانی رنگ کے کھیتوں
میں وہ چھوٹی سی کُٹی دُور سے بہت اچھی معلوم ہوتی تھی۔ ایک جگہ ایک بہت پرانا بڑ کا
درخت اپنی شاخیں اور جٹائیں پھیلائے ہوئے ریاضت میں محو سنیاسی کی طرح دُور تک
ساکن نگاہوں سے دیکھتا ہوا لامحدود طاقت کا جلوہ دکھا رہا تھا۔ کس قدر وسیع عالی
شان۔ اور بلند و بالا درخت تھا۔ جس کا پتہ پتہ حقیقت کا سبق دے رہا تھا۔
سایہ کس قدر خوشگوار تھا۔ اُس میں کتنی ہی شاخیں تھیں جڑ سے کتنی

ہی بیلیں لپٹی ہوئی تھیں۔ اُنھیں دیکھ کر سکھ دُکھ کی کتنی ہی یادگار دل میں تازہ ہو جاتی تھی۔ وہ اپنے سینہ میں نیرنگئ زمانہ کے کتنے ہی مرقع منقش کئے ہوئے وقت کے سمندر کی ترنگوں کے ساتھ مل کر اسے میں محو ہو گیا تھا۔ عہد گذشتہ کی تصویر زمانۂ حال کے راستہ میں اپنی نیرنگیوں کا نمونہ پیش کر رہی تھی۔ ہوا کی سرسراہٹ میں وہ زندگی کا نغمہ گاتا ہُوا برابر اسی میں محو نظر آتا تھا میدان اور جنگل کے درمیان ریاضت میں محو بیخوف منتر کی تعلیم حاصل کئے ہوئے جیون مُکت سادھو کی طرح وہ استقلال سے کھڑا ہُوا نظر آ رہا تھا۔ کل جیسے اُس کے پاس کوئی جانیکا حوصلہ بھی نہ کریگا۔

انبرناتھ غمگین و متفکر دل سے اسی درخت کے نیچے آ کر کھڑا ہوا۔ درخت کی شاخ پر چند خوشنوا پرند۔ شیاما۔ کھنجن۔ اور عندلیب وغیرہ چہچہا رہے تھے۔ کوئی سُرخ پھلوں کو کھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور کوئی اپنے بچوں کی چونچ ملا کر اُسے کھلا رہا تھا۔ بعض بعض پرندے گا گا کر اِس شاخ سے اُس شاخ پر پھدکتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ کسی پرند کا جوڑا خاموشی سے سُکھ کی یاد میں محو۔ اس سر بفلک درخت کی شاخ کے ایک کونے میں اپنا آشیانہ بنائے ہوئے اُسی خوشی میں بیٹھا ہوا تھا۔

انبرناتھ نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ آج جب پوجا کرنے گیا تھا۔ اور وہاں جو نظارہ دیکھا تھا۔ وہ کسی طرح دل سے دُور نہ کر سکا۔ اس کے بیچین دل میں بار بار یہی سوال پیدا ہونے لگا کہ دیوتا کو برائے نام قرار دیکر اس زیبائش و زینت کی کیا ضرورت؟ کیا اس سے دیوتا خوش ہوتے ہیں؟

وہ اندر پوری کی طرح دیو مندر کی مورتی اور شہر کے اندر کی پریشان و مفلس مخلوق کے سُکھ دُکھ کی مشابہت میں مشغول تھا۔ اُس کا دل اضطرار و اضطراب سے بھرپور ہو اُٹھا تھا۔ ادھر مندر کی یہ زیبائش اور اُدھر عسرت کے شکار۔ فاقہ کشی سے جان دینے والی مخلوق کا غم!! کیا وہاں دیوتا کی نظر نہیں پہنچتی۔ ہائے بھگوان! تم میں یہ متضاد باتیں!! او شیشور! کیا یہ تمہارے کرشمے نہیں؟

وقت رفتہ رفتہ بہت گذر گیا۔ درختوں کے پتوں پر چاند کی طراوت بھری شعاعیں پڑ رہی

کسانوں نے چرن چباکر ندی کا پانی پیا۔ ان میں سے بہت لوگوں نے ہات جوڑ کر پرنام کیا۔ صرف ایک شخص نے پاس آکر کہا۔ "مجھے نہ بھول جانا۔ یاد رہے میں سب کچھ کر سکتا ہوں تمہیں خاک و خون میں ملا سکتا ہوں۔"

امبر ناتھ نے صرف کسی قدر مسکرا کر آدیا ناتھ کے چہرے پر نظر ڈالی۔ انھیں اس بات سے کسی قدر شرم ضرور معلوم ہوئی۔ کہ آدیا ناتھ جب تب ہر شخص کے سامنے ذلیل و خوار کرتا ہے۔

چوتھا باب

راج نگر کے زمیندار کا خاندان جیسا نامور تھا۔ ویسے ہی وہ دان دھرم میں بھی بہت قدیم تھا۔ پرانے زمانہ میں راج نگر جاگیر کے طور پر انھیں ملا تھا۔ مذہبی معاملات میں یہ خاندان سخت اصولوں کی پابندی زمانۂ قدیم سے ہی کرتا آرہا تھا۔ اور اب تک سناتن دھرم کے کسی اصول کی خلاف ورزی کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی تھی۔

زمیندار ہری بلبھ بابو تھے۔ جو موجودہ زمیندار مہاشے کے باپ تھے۔ خاص خوبی اور قابل ذکر بات یہ ہے۔ کہ سب کے سب بھگت تھے۔ جس مندر کا ہم نے پچھلے ابواب میں ذکر کیا ہے۔ وہ انہیں کی فیاضی اور فیض رسانی کی وجہ سے اب تک اپنی پرانی شان و شوکت کو برقرار رکھے ہوئے تھا۔ ہری بلبھ بابو کے لڑکے کے عرصہ دراز تک کوئی اولاد نہیں ہوئی اسی وجہ سے مغموم و مایوس ہو کر انھوں نے اپنی تمام جائداد اس مندر کے نام وقف کر دی تھی۔ اتنے میں بیٹے کی بہو کرشن پریا کا غنچۂ امید بار آور ہوا۔ گھر میں خوشیوں کی انتہا نہ رہی۔ لڑکی پیدا ہوئی۔ لڑکی کے بابا زچہ خانہ کے پاس آئے۔ دایہ اسے گود میں لے کر آئی۔ دیکھا۔ آنکھوں میں آنسو آگئے۔ یہ آنسو خوشی کے تھے۔ مسرت آمیز لہجہ میں بولے۔ "رادھا رانی! اتنے دنوں تک تجھے پریشان دیکھ کر مجھ پر دیا آئی ماں! اسی وجہ سے اب آئی ہو۔"

اندر لڑکی کی ماں کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے بھیگ رہی تھیں۔ اتنے دنوں بعد

بھگوان سری کرشن چندر نے انکی پکار سنی۔ اسی کیلئے وہ اتنے دنوں تک یوپی دیوتا مناتی رہیں فاسو لیئے انکے سسر مغموم و بدحواس سے ہوگئے تھے۔ شوہر نے کچھ نہیں کہا۔ کرشن پریا نے بارہا شوہر سے کہا تھا کہ تم دوسری شادی کرلو۔ شاید غنچۂ مراد بار آور ہو۔ مگر وہ کسی طرح راضی نہ ہوئے آج شاید وہی باتیں دل میں آ آکر ہلچل مچا رہی تھیں وہ زبردست سکھ کو دل میں لیکر اور پیار محبت سے لڑکی کو چھاتی سے لگا کر اسکے منہ کو بار بار چومتی تھی۔ لڑکی سوتے سوتے ہنس دی

ان پرسن کے دن لڑکی کا نام بانی رکھا گیا۔ کوئی اسے راد ھا رانی کہتا تھا اور کوئی بانی جسکے منہ میں جو آیا۔ اسنے اُسی کے نام سے پکارا۔ رفتہ رفتہ اسکا نام بانی ہی پڑ گیا۔ اور وہ اسی نام سے مشہور ہوگئی

ہری بلبھ بابو وشنو دھرم کے سخت پابند تھے۔ روز شام کو انکے یہاں کیرتن ہوتا تھا۔ اکثر جلسے ہوتے رہتے تھے جب کوئی ہری گُن گاتا تھا۔ تو انکی بڑی بڑی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہوتا تھا۔ وہ ہر روز بلاناغہ بہت صبح اٹھکر ضروریات وغیرہ سے فارغ ہوکر گورنگ مہا پربھو کی زندگی کے حالات کا مطالعہ کیا کرتے تھے اور مالا لیکر کرشن کا نام جپا کرتے تھے۔ مگر ان سب کاموں سے فارغ ہوئے بغیر کسی نے انکو پانی تک پیتے نہیں دیکھا۔ بیچ بیچ میں شاستر ارتھ بھی ہوتا رہتا تھا۔ غرضیکہ زندگی بڑی دھرم پراین تھی۔ اور اس سے انہیں کوئی تل بھر بھی نہ ہٹا سکتا تھا۔ وہ ویدانتی پنڈتوں سے بہت چڑھتے تھے۔ کیونکہ یہ آتما اور پرماتما کو الگ الگ نہیں مانتے تھے۔ انکی رائے میں مکتی ہے وہ بودھوں کے نِروان کے برابر ہے۔ ہری بلبھ بابو کا اعتقاد تھا کہ ویدانت شاستر میں شرک کا اظہار کرنے سے ایشور کی بےعزتی ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے وہ کبھی انکے ساتھ بحث مباحثہ نہیں کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ دراصل یہ تمام ناستک ہیں۔ اور ناستک ہوکر دھرم کی آڑ میں اسم سے کہیں زیادہ نقصان پہنچا دیتے ہیں۔ اسلئے ان لوگوں کی صحبت کو ترک کرنا ہی انسب ہے مگر رادھا رانی نے اپنی طفلانہ محبت کا جال بچھا کر انکے کرم دھرم کو بے ترتیب کر دیا تھا۔

ہری بلبھ کے بیٹے رما بلبھ بابو کچھ اور ہی ڈھنگ کے آدمی تھے۔ جب ہری بلبھ بابو اپنی پوتی کی شادی کے لئے لڑکا تلاش کرنے لگے۔ تو باپ بیٹوں کے درمیان کسی قدر ملال آگیا۔ پہلے تو وہ اپنے ایک کسی رشتہ کے لڑکے مرگانک موہن کے ساتھ شادی طے کیجے پر رما بلبھ نے یہ رکاوٹ پیش کی۔ کہ جب وہ لڑکا اسی عمر میں بہت شوقین ہے بال بنا

سگرٹ پیتا ہے سیٹی بجاکر طرح طرح کے گانے گاتا ہے۔ تو اُس کا مستقبل ––– ہری بلبھ
نے یہ بات مان لی۔ اس کے بعد ہی ایک شخص ۔ ایک عالی نسب خاندانی کلین کا لڑکا
تلاش کرکے راج نگر میں آیا۔ خاندان کے لحاظ سے تو کوئی نقص نہیں تھا۔ مگر وہ باپ
دادوں سے وشنو تھے۔ ہری بلبھ نے لڑکے کو بُلاکر تمام باتیں کہیں اور اپنی رائے بھی
دی اور کہا۔ کہ لڑکا تو بہت اچھا ہے آئندہ پھاگن میں ہولیوں کے بعد شادی کی کوئی
تاریخ مقرر کرلینی چاہیئے۔ میں اب بُوڑھا ہُؤا۔ آفتاب لب بام ہوُں خبر نہیں۔ کب فرشتۂ
موت آکر گلا دبائے۔ اچھے کام میں کبھی دیر نہ کرنی چاہیئے۔ مگر رما بلبھ نے اُن کی اس
تجویز پر کچھ اظہارِ مسّرت نہ کیا۔ اُس نے غمگین لہجہ میں کہا۔ آپ اسقدر جلدی سے کیوں کام
لے رہے ہیں۔ لڑکی تو ابھی چھوٹی ہے۔

ہری بلبھ نے متحیّر ہوکر آنکھیں کھولیں۔ اور بولے "ابھی چھوٹی ہے۔ تم کیا کہتے ہو!
دسویں سال میں قدم رکھتا ہے۔ تمہیں کچھ خبر بھی ہے۔

رما بلبھ کا منہ چھوٹا ہوگیا۔ مگر تاہم حوصلہ آمیز لہجہ میں بولے "آج کل سب لوگ لڑکی
بالغ ہونے پر شادی کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم تو کلین ہیں۔ کلین کے گھر میں تو بیس
پچیس سال تک لڑکیاں کنواری رہتی ہیں۔ بیفائدہ جلدی کرنے سے سوت کے گلے منڈھنے
سے فائدہ ہی کیا ہے۔ سُنا ہے کہ اُس لڑکے کی ایک بیوی پہلے سے ہی موجود ہے۔ یہ سُنکر
ہری بلبھ کی آنکھیں سُرخ ہوگئیں۔ مگر اپنے آپ کو سنبھال کر نفرت آمیز لہجہ میں بولے "تم
کہتے ہو۔ کہ سوت موجود ہے۔ کسی بڑے کلین کے گھر میں تمہاری طرح ایک شادی کرنیوالا
لڑکا کہاں ملیگا؟ شکر کرو ابھی تو اُس کی ایک ہی شادی ہوئی ہے۔ خبر نہیں کچھ عرصہ میں
اُس کی کتنی ہی شادیاں ہوجائینگی۔ یہ بہانہ فضول اور محض لغو ہے۔ ہمارے یہاں جس کی شادی
ہوگی۔ اُس کے خواہ کتنی ہی بیویاں ہوں۔ ہمیں اس سے کیا نقصان ہے؟ اس کی فکر تمہیں کرنے
کی ضرورت نہیں۔ یہ سب میں ٹھیک کرلوں گا۔ اُس کی پہلی بیوی دائم المریض ہے۔ اگر اُس
کے گذارہ کے لئے کوئی معمولی سی رقم بھی دیدی جائے گی۔ تو وہ خوش ہوکر باپ کے گھر ہمیشہ کے
لئے پڑی رہیگی۔ یہ لڑکا بہت اچھا ہے۔ عمر بھی تھوڑی ہے۔ اور حسن وجمال میں بھی خوب ہے

پڑھا لکھا ہے۔ رما بلبھ کی آنکھوں کے سامنے ہی اُن کے گھونگھر والے بالوں میں جیسے چاندی کی روشنی تھرتھرا اُٹھی۔ وہ یکایک کسیقدر جوش میں آکر بول اُٹھے "بالی کی شادی میں کسی شادی شدہ لڑکے سے کبھی نہ کروں گا۔ خواہ وہ کنواری ہی رہ جائے۔ سُنا ہے۔ کہ آپ کی چھوٹی بوا کنواری ہی رہ گئی تھیں"۔

ہری بلبھ بابو جانتے تھے۔ کہ لڑکا بڑا ضدی ہے۔ اسوجہ سے اُنہیں کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔ صرف "ہاں" کہکر غصہ سے اُٹھ کر چلے گئے۔ باہر کی نسبت اندر جاکر اُن کے غصہ کی آگ اور بھی بھڑک اُٹھی۔ رادھا رانی کے پاس آتے ہی اُنہوں نے منہ پھیر کر کہا "جا جا! تو اپنے ماں باپ کے پاس جا۔ میں تیرا باپ نہیں ہوں۔ کہ تو چوبیس گھنٹہ میرے پاس ہی رہیگی۔ بالی اگرچہ ابھی کمسن تھی مگر نہایت زود فہم لڑکی تھی۔ بچپن سے ہی وہ اپنے بابا کے پاس رہ کر اُس کے مزاج سے بخوبی واقف ہو گئی تھی۔ اُن کی اس جھڑکی کا کوئی جواب نہ دے کر آہستہ آہستہ الماری کے پاس جاکر "ہری کتھا امرت" نامی گرنتھ لاکر اُن کے پاؤں کے پاس بیٹھ کر پڑھنے لگی۔

ہری بلبھ بابو نے متحیر ہو کر منہ پھیر لیا۔ وہ سوچنے لگے۔ لڑکی کتنی سادہ لوح ہے۔ میں نے اُس کے اُوپر غصہ کیا ہے۔ ایسے انسان بھی دُنیا میں ہیں؟ آہا! بعد دن کی زندگی ہے ہنستے کھیلتے اسے گذار دینا چاہیئے۔ اس کا باپ اگر کوئی اچھا سا لڑکا اس کے لئے تلاش کرلائے تو اس میں میرا نقصان ہی کیا ہے؟

رفتہ رفتہ لڑکی تیرہ برس کی ہوئی۔ کوئی لڑکا نہیں ملا۔ ہری بلبھ بابو یکرُخے شخص تھے جن اختیارات سے اُن کے لڑکے نے اُنہیں دستکش کر دیا تھا۔ اُنہوں نے اُس میں دست اندازی مناسب نہیں سمجھی۔ اور اسی وجہ سے اُنہوں نے پوتی کی شادی کے متعلق کبھی کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ صرف کبھی کبھی بالی سے یہ کہدیتے تھے۔ کہ "یہ لوگ تیری شادی نہیں کرینگے۔ حالات کچھ ایسے ہی نظر آرہے ہیں"۔ بالی یہ سُن کر اپنا سر جھکا لیتی تھی اور کسیقدر مسکرا دیتی تھی اسی وجہ سے یہ تذکرہ جہاں کا تہاں رہ جاتا تھا۔

ایک دن بیوی کے بہت کچھ کہنے سُننے پر رما بلبھ بابو بہت چونکے۔ وہ سوچنے لگے شادی ضرور کر دینی چاہیئے۔ لوگ بُرا بھلا کہہ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ لڑکی بھی سیانی ہو چکی ہے۔

دل میں یہ خیال پختہ تھا۔ کہ بنگال میں اُن کی مرضی کے مطابق کوئی نہ کوئی ضرور ہی ملجائیگا صرف تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ مگر انسان کی پسند اور مرضی کے عین مطابق دُنیا میں کتنی چیزیں ملتی ہیں؟ لڑکے تو کتنے ہی تلاش کئے گئے۔ مگر رما بلبھ اور کرشن پریا کی نگاہوں میں ایک بھی نہ جنچا۔ جن میں کسی قسم کا نقص نہیں تھا۔ وہ تو بہت دُور کے اور گاؤں کے رہنے والے تھے۔ یا بالکل جاہل اور خردماغ تھے بابو کے لئے ایسے لڑکے وہ پسند نہیں کرتے تھے۔ اس قسم کی دقتوں کا سامنا اُنھیں آئے دن کرنا پڑتا تھا۔ رما بلبھ نے باپ کے رُوبرُو عہد کیا تھا۔ کہ خواہ لڑکی کنواری رہجائے۔ مگر تاوقتیکہ کوئی اچھا سا لڑکا نہ ملے۔ شادی نہیں کرینگے۔ اسی وجہ سے وہ اکثر متفکر رہتے تھے ؛

ہری بلبھ بابو یہ سب دیکھتے تھے۔ سُنتے تھے اور دل ہی دل میں ایک خاص قسم کی تفریح محسوس کرتے تھے۔ کچھ دنوں بعد ہی وہ بیمار پڑے۔ مرض بڑھتا گیا۔ اور آخرکار ایک دن پیمانہ عمر لبریز ہوگیا۔ مرنے سے پیشتر جو اُنہوں نے وصیّت کی تھی۔ اُس میں رادھا رانی کے متعلق صرف اسقدر تھا۔ کہ پندرہ سال کی عمر میں اگر کسی کُلین لڑکے کے ساتھ رادھا رانی کی شادی ہوجائے۔ تو اُس تمام دولت کا وارث وہی ہوگا۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو اور کسی معمولی لڑکے سے شادی ہو تو رادھا رانی کی عمر پندرہ برس ہونے کے بعد دوسرے ہی دن اُس کے دور کا رشتہ دار مرگانک موہن اس تمام دولت کا وارث ہوگا۔ رما بلبھ کو صرف اُن کے گذارہ کے متعلق تھوڑی جائیداد ملیگی۔ اس سے اُن کا کوئی تعلق نہ ہوگا

بیدردانہ وصیت! رما بلبھ پریشان دل سے لڑکی کی طرف دیکھتے رہے۔ اس چھوٹی سی سونے کی پُتلی کو کیا بالآخر کسی ناقابل لڑکے کے گلے ہی منڈھنا پڑیگا؟ کوئی تدبیر نہیں۔ وہ اُسے اپنی جان سے زیادہ پیار کرتے تھے۔ پھر اس بیدردی سے کیونکر اُس کے گلے پر چھُری پھیر سکینگے۔ اُن کا تمام مستقبل تاریک ہوگیا دل میں جیسے کوئی نشتر چبھونے لگا۔ محبت کیا محبت کرنے والوں کے دُکھ سُکھ کی نسبت زیادہ قابل توجہ ہے۔ اس کے سامنے کیا دُنیا کی تمام چیزیں ہیچ و پوچ ہیں۔ اور ان سب سے چشم پوشی کرنی پڑیگی؟ کرشن پریا نے یہ تمام باتیں سُنیں مگر وہ بہت متفکر نہ ہوئی۔ سسُرجی نے کچھ بے انصافی

سے کام نہیں لینا [illegible] عمر تک اگر شریف خاندان کی لڑکی کنواری رہ جائے - تو لوگ اپنی نفرت و حقارت کا اظہار کرتے ہیں؟ کیا کبھی ایسا ہو سکتا ہے؟ شادی کر دینے [illegible] سچ ہی کیا ہے؟ رما بلبھ نے چڑھ کر کہا - تم تو ہمیشہ سے یہی کہتی آئی ہو - مگر جب تک کوئی اچھا سا [illegible] شادی کیسے کر دوں - اور کس کے ساتھ؟ وہ لڑکا اچھا نہیں تھا اس کا چال چلن خراب تھا - اس لئے میں نے اُسے چھوڑ دیا - مگر بابا کا خیال ہمیشہ اسی طرف رہا - مرتے مرتے بھی اُس کا پلہ بھاری کر گئے - دیکھتی ہو نہ؟ اُس کی قسمت اور کیا؟

کرشن پریا نے مسکرا کر کہا - "کیا کہتے ہو؟ دو سال کے اندر رادھا رانی کیلئے کیا کوئی اچھا سا لڑکا نہ ملیگا؟ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے؟ بہت وقت باقی ہے معصوم لڑکی ہے - اس کی قسمت کبھی پھوٹ نہیں سکتی - ٹھاکر جی کا آشیرباد ہے - اُس کا ہر حال میں بھلا ہو گا - چاہے تم دیکھ لینا -

رفتہ رفتہ دو سال بھی گذر گئے - دن جاتے دیر نہیں لگتی - مگر ان دو سالوں کے ۷۳۰ دنوں میں باوجود ماں باپ کی سر توڑ کوشش کے شریمتی بانی دیوی کے لئے کوئی بر نہیں ملا - آج کل کے زمانہ میں تعلیمیافتہ گھروں میں بھی عموماً کوئی نہ کوئی نقص دیکھا جاتا ہے - اسی وجہ سے رما بلبھ کو ہر جگہ کوئی نہ کوئی نقص نظر آیا - تلاش کرنے پر بھی اُن کے انتخاب کے مطابق لڑکا نہ ملا - اُسوقت اُن کا خیال ہوا - کہ کسی غریب گھر کے لڑکے سے خواہ وہ پڑھا لکھا ہو یا جاہل مطلق - رادھا رانی کے ہاتھ پیلے کر دیئے جائیں مگر دل اندر ہی اندر چٹکیاں لیتا تھا - اور آنکھوں میں آنسو بھر بھر آتے تھے - روحانی تکالیف ہمیشہ دل کو چھیدتی رہتی ہیں - ایسے خوشنما موتی کے ہار کو کس بندر کے گلے میں پہنانا پڑیگا - جو اس ہار کی قیمت سے بے بہرہ ہے - اسقدر لکھا پڑھا کر اور انسانیت کے بہترین اوصاف سے آراستہ کر کے کیا کسی جاہل مطلق کے ہی سپرد کرنا پڑیگا - ہائے بانی! تیری قسمت پھوٹ گئی!

مگر بانی کو بھول بھی کبھی کوئی فکر پریشان نہیں کرتی تھی - ہندو لڑکیوں کو کنوارپن میں جو سکھ اور حظ حاصل ہوتا ہے - بانی بھی اسی سکھ اور تقدیس کا احساس کرتی تھی جس بزرگ کی محبت میں پناہ پا کر اُسکا غنچہ دل کھلنے کی تیاری کر رہا تھا - اور

جسکی خوشبو سے مکان معطر ہو گیا تھا۔ اُسی پھولوں سے لدے اور مطمئن دل میں غم و الم ہو بے اطمینانی اپنا اثر کب دکھا سکتی تھی۔ کیا یکم شکم تھا؟ اگرچہ ہری بلبھ چلے گئے تھے مگر اس لڑکی پر کوئی ظلم نہیں کر گئے تھے۔ بانی کو بچپن سے ہی دھرم پرائن ہونیکی تعلیم دیگئی تھی۔ مندر کی سیوا اُسکا خاص معینہ فرض تھا۔ اور اسمیں وہ بہت زیادہ خوش رہتی تھی۔ کھیلنے کے مکان میں اُسنے کبھی شہو کو سجایا نہیں وہ وہاں بھی برابر ٹھاکر ٹھاکر کی رٹ لگایا کرتی تھی۔ بس ابھی ایکنام تھا جسکی وہ رٹ لگاتی رہتی تھی بچپن سے عالم شباب تک اُسنے روحانی تعلیم پائی یہی اُسکی زندگی کی شان تھی۔ ہری بلبھ یہ سوچ کر بار بار مگر اسانس لیتے تھے اور سوچتے تھے۔ کہ کسطرح اِسکو اسی طرح سکھ کا خواب دیکھنے دُوں۔ ایسی وہ لوح اور بھولی بھالی لڑکی! وہ ہنسی سے بھرپور چہرہ! — ہائے! کیا ہوگا؟

پانچواں باب

نئے پروہت جی نے پہلے جسدن پوجا کا آسن لیا۔ اُس دن پوجا گھر میں جیسے ایک نئی جان آگئی۔ رادھا رانی نے اپنی سنجیدہ نگاہوں سے دیکھ کر سب سے پہلے پروہت کے متعلق یہ اندازہ لگا لیا۔ کہ وہ بالکل نوعمر ہے۔ اور ناتجربہ کار۔ اسوجہ سے وہ پروہت کے کام کے قابل نہیں۔ پوجا ختم ہونے کے بعد جب پروہت جی رخصت ہونے لگے۔ تو اُس کی ابرؤں میں بل پڑ گئے کچھ دیر تک خاموشی کے ساتھ وہ دروازے کی طرف دیکھتی رہی۔ اسکے بعد پوجا کی چیزیں وہاں سے ہٹا کر سب قرینہ سے اپنی اپنی جگہ رکھدیں۔ اور چلدی حتے کہ پیچھے پھر کر دیکھا تک نہیں۔ اس گھر میں ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا۔ کہ جو زمیندار کی لڑکی کے قواعد اور بندشوں میں رخنہ انداز ہو۔ وہ برابر اپنے کام میں مصروف رہتی تھی۔

مندر کے باہر پھولوں سے بھرا ہُوا ایک زبردست باغ تھا بسنت کا موسم تھا۔ رنجن کی سُرخ سُرخ پنکھڑیاں ہواہیں اُڑ اُڑ کر راستہ میں اُڑ رہی تھیں۔ اُسی سُرخ سُرخ پنکھڑیوں کو پاؤں سے کچلتی ہوئی رادھا رانی کچھ دیر تک باغیچہ کے چاروں طرف گھومتی پھرتی رہی۔ اُس کے دل کے نازک ترین حصوں میں یکایک آج نہ معلوم کہاں سے بے اطمینانی کی آگ سی جل اُٹھی۔ یہ کیا ہُوا؟ یکایک ... ایسی حالت کیوں؟ دیوتاؤں کے ساتھ

انسان کا یہ تسخر کیوں؟ اس مندر کے یہی پروہت ہیں! شام کے جھٹپٹے میں آسمان پر غروب ہوتے ہوئے آفتاب کی حسین ترین شعاعیں سنہری آمیز سرخی کی طرح اس کے دونوں رخساروں پر تھرک تھرک کر نمایاں ہو گئیں باپا کے اتنے پیار و محبت کی شے آج دنیا میں کیا ایسی قیمت سے خالی ہو گئی۔ تمام دنیا چھان ڈالی مگر کوئی بر نہیں ملا۔ خبر نہیں میری پھوٹی قسمت میں کیا لکھا ہے؟ اس میں میرا کیا قصور ہے؟

مغموم۔ مایوس۔ تشویش میں آئی ہوئی بانی نازک پھولوں کو پاؤں سے مسلتی ہوئی مکان واپس ہوئی۔ کیا اندر ناتھ پر اس کے دل میں کچھ کدورت آئی۔ یہ بات نہیں تھی مگر پھر بھی انسان کبھی کبھی کسی پر خوش ہوتا ہے۔ اور کبھی ناراض! اس کا کوئی مقررہ قانون تو نہیں ہے۔ اس کا کوئی خاص سبب تھا۔ یا نہیں بانی اس نوجوان کی طرف دیکھ کر پہلے ہی اس سے کسی قدر برانگیختہ ہوئی تھی۔ پھر کیا اسی وجہ سے اس پر ناراض ہو کر مکان گئی تھی۔

کرشن پریا ایک صاف شفاف ساڑی پہنے ہوئے تلک لگائے یکسوئی سے مالا پھیر رہی تھیں۔ اتنے میں ایک داسی آئی۔ اسے ترکاری بنانے کا حکم دیا۔ عین اسی وقت بانی آموجود ہوئی۔ اور چوکی پر بیٹھ گئی۔ داسی نے بانی کی طرف دیکھ کر حیرت انگیز لہجہ میں کہا:۔ "دیدی! کیا ہوا؟ چہرہ کیوں اترا ہوا ہے؟

داسی کی بات سنکر کرشن پریا کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے بانی کے چہرہ پر اپنی مشوش نگاہیں ڈالیں۔ مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ داسی سے بولیں۔ "تو کہتی کیا ہے۔ بانی کا چہرہ متفکر کیوں ہونے لگا۔ تیا پردہت کیسی پوجا کرتا ہے؟

رادھا رانی نے ہونٹ پھلا کر جلدی سے جواب دیا "خاک! وہ پروہت!" یہ کہہ کر وہ ماں کے پاس سے ہوتی ہوئی کمرے میں چلی گئی ـــ وہ تو لڑکا ہے ـــ پروہت!

کرشن پریا اپنی حیرت کا اظہار کر کے بول اٹھیں۔ "اوہاں! اس وجہ سے کہا؟ اچھی لڑکا ہے۔ جبھی تو سنا ہی نہیں، عمر تقریباً اتنی ہوگی؟ "میں اب جاتی ہوں۔ اب باتیں ہو" کرتے کرتے پوجا کے وقت تک جا سکی جو یہاں نہ رہ سکا۔ اسے دنیا میں کہیں ٹھکانا نہ ملیگا!"

بانی نے بے پروائی سے کہا۔"میں کہاں دیکھنے گئی تھی۔ کہ اُس کی عُمر کتنی ہے۔ پھر کیونکر بتاؤں۔ دیکھنے سے تو صاف معلُوم ہوتا ہے۔ کہ وہ لڑکا ہے۔ زیادہ سے زیادہ بیس سال کی عمر ہوگی!

کرشن پریا نے کسی قدر تحیّر کا اظہار کر کے کہا۔" او ماں! کیا اسی وجہ سے!"

شام کے وقت آرتی کی تیاری ہونے لگی۔ تقریباً بیس سونے کے چراغوں میں روشنی ہوئی۔ تمام مندر جگمگا اُٹھا۔ اُس روشنی میں تمام جھاڑ فانوس اور مندر کے جواہرات جگمگا اُٹھے۔ دور سے ایسا معلُوم ہوتا تھا۔ جیسے ستارے زمین پر اُتر آئے ہیں۔ گھنٹے سنکھ۔ اور گھڑیال کی آواز سے تمام مندر اور مندر کا کنارہ گونج اُٹھا۔ دیوتا کے گلے میں پھُولوں کی مالا نہایت زیب دیتی تھی۔ اُن پھُولوں کی خوشبو میں تمام مندر بسا ہُوا تھا۔ انبر ناتھ نے پنچ پردیپ اُٹھا کر آرتی شروع کی۔

اس وقت بھی انبر ناتھ کے اُوپر بانی کی نگاہیں پڑیں۔ مگر بانی نے کسی خوشی کا احساس نہیں کیا۔ وہ بیقرارانہ نگاہوں سے اُن کے بعض بعض کاموں میں غفلت دیکھنے لگی۔ اُس کی نگاہوں میں دھوکا و فریب چھپانا بڑا مشکل ہوگیا۔ دل ہی دل میں سخت ہو کر انبر ناتھ کی طرف دیکھ کر بولی۔"جاہل! قطعی جاہل!! ایسا اناڑی شخص لے کر میں ایک دن بھی اُس کو نہ پال سکوں گی"

اُسی دن آرتی کے خاتمہ پر گھر واپس آتے ہی بانی نے اپنے باپ سے کہا۔" بابا! نئے پروہت کو کب رخصت کرو گے؟" رما بلبھ نے اس سے پہلے ہی کرشن پریا سے اُس کے متعلق بہت کچھ سُن لیا تھا۔ بولے۔ کیوں! اُسے یکایک رخصت کرنے کی فکر کیوں ہوئی؟"

بانی نے اپنے لطیف ہونٹوں کو حرکت دی۔" بابا! تم کیا کہتے ہو؟ کیا دیکھتے نہیں کہ وہ کیسا پروہت ہے ــــ بالکل الھڑ ــــ"

رما بلبھ بھی اس نقص کو سمجھتے تھے۔ مگر اُنھوں نے اپنا خیال ظاہر نہیں کیا۔ لڑکی کی بات سُنکر صرف زور سے ہنسنے لگے۔ ہنستے ہنستے بولے۔" بچے ہی بوڑھے ہوتے ہیں۔ لڑکے ہونے میں ہرج ہی کیا ہے!

"اتنی عمر نہیں۔ شاید پچیس چھبیس برس کی عمر ہو گی۔"

باپ کی یہ بات سُنکر بالی کا غصّہ اور بھی بڑھ گیا۔ اُس نے کہا۔ اگر آج پایا زندہ ہوتے تو کبھی اُس کو نہ رکھتے وہ پوجا کے کام کا نہیں یہ تو میں ابھی کہئے دیتی ہوں۔ بلکہ قطعی جاہل ہے۔ یہ کہکر اُس نے غرور سے اپنا منہ پھیر لیا۔ اُس کے چھوٹے چھوٹے سُرخ ہونٹ کسی قدر کانپ اُٹھے۔ اُسوقت رابلیھ اُس کو دکھی دیکھ کر بہت پریشان ہوئے۔ انہیں ناتھ پر اُس کی ہمدردی نہیں۔ جس کے ذریعہ وہ اُس کے دُنیا وی سُکھ کی فکر میں تھے۔ اُس کے متعلق آج ــ وہ فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور سر پر ہات پھیرتے ہوئے بولے۔ "رادھا رانی! بالی نے کسیقدر منہ پھیر لیا۔

"بیٹی! دکھی نہ ہو۔ ذرا اُسے سکھا پڑھا لو۔ اب تیاگ کرنے کا موقع نہیں بالی وصیت نامہ کے متعلق کچھ نہیں جانتی تھی۔ حیرت سے سر اُٹھا کر باپ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"بابوجی! بات کیا ہے۔ موقع کیوں نہیں؟"

رابلیھ نے وصیت نامہ کا تذکرہ کر کے کہا۔ "دیکھتی تو ہو۔ پروہت کے سوا میرے ہات میں اور کوئی نہیں اسوقت عوام کی رائے پر ہی اُس کا رہنا نہ رہنا منحصر ہے مگر بیٹی! میرے خیال میں تو یہ ہے۔ کہ اُس نے پہلے پہل یہ کام شروع کیا ہے۔ اسی وجہ سے کسیقدر ناتجربہ کاری کا اظہار ہو رہا ہے۔ تمہارے ہات میں پڑتے ہی وہ ہر کام کے قابل ہو جائے گا۔ میں جانتا ہوں۔ کہ میری رادھا رانی نہایت پارسا اور زود فہم ہے۔"

بالی نے باپ کی محبت آمیز گفتگو سُنکر اپنا سُرخ مُنھ نیچا کر لیا۔ "بابوجی! اچھا کیا ہے ہیں۔ میں تو سب جانتی ہوں۔ اسی وجہ سے اُسے سکھاؤں گی۔ یہ کہکر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی مگر دل ہی دل میں وہ [illegible] اعزاز کی بات سُنکر بہت خوش ہوئی۔ اُس کا اظہار اُس کے [illegible] پہ ہنسی مسکراہٹ نے کر دیا۔ ہونٹ تھے۔ یا شبنم پڑی ہوئی گلاب کی طراوت بھری کلی رابلیھ نے غیر آسودہ نگاہوں سے اُس کے پھول جیسے چہرے کی طرف دیکھتے دیکھتے گہرا سانس لیا۔ لڑکی کی طرف دیکھتے ہی آج کل اُن کے کلیجہ میں جیسے چھری سی اُتر جاتی تھی۔ ہائے! اس نازو نعمت سے پلی ہوئی قابل لڑکی کو کسی ناقابل شخص کے ہاتھوں میں سونپ

دینا ہوگا۔ اسے کون جانتا ہے؟ ہائے انسانی قسمت! معلوم ہوتا ہے۔ انسان میں اس کا کوئی دخل نہیں۔ جو سرنوشت میں ہے وہی ہو کر رہتا ہے۔ ورنہ اس معصوم حقیر لڑکی کے اوپر یہ بیرحمی اور بیدردی کا تجربہ کیوں؟

اندر کی روزانہ پوجا وقت مقررہ پر ختم ہوتی تھی۔ مگر پجاری یا اندر کی سیوکا دونوں میں کوئی بھی مطمئن نہ ہو سکا۔ امرناتھ کا دل اس بار سے بہت کچھ کبیدہ خاطر ہو گیا تھا۔ وہ ہر چہار طرف شور و شر سنکر کچھ گھبرا اٹھا۔ ہر وقت مغموم و متفکر رہنے لگا۔ باہر آکر وہ ایکبار مغموم و مایوسانہ نگاہوں سے اندر نظر میں ڈالتا ہوا چلا جاتا تھا۔ اس کے دل ہی دل میں نہ معلوم کون رہ رہ کر کہہ اٹھتا تھا: "ابتک تو کھیل کرتے رہے۔ پوجا نہیں کی" وہ اپنے آپ پر ہی غصہ کا اظہار کرتا تھا۔ اور کہتا تھا۔ کیا یہ میری ناقابلیت ہے؟ میں کیوں اپنے دل کو شانتی سے مطمئن نہیں رکھ سکتا۔ اس شور و شر سے کیوں گھبراتا ہوں۔ پھر آواز آتی تھی تجھے لیکر میں کیا کروں گی۔ بتا تو سہی!"

اس کے بعد آزردہ دل سے وہ ٹہلنے لگا۔ راستہ کے کنارے کالی پد کے مکان کے سامنے کھڑا ہو کر اس کے بیمار لڑکے کو پیار کرنے لگا۔ اس پیار و محبت میں وہ تھوڑی دیر کے لئے اپنا تمام درد و غم بھول گیا۔ اس کے بعد وہ پھر لڑکوں کو اکٹھا کر کے اور انہیں سبق دیکر کھانا پکانے کے لئے گیا۔ چاول پک رہے تھے۔ اور وہ اپنے اشٹ دیوتا کے دھیان میں مستغرق تھا۔ اسوقت اسے جیسے کوئی فکر ہی نہ تھی۔

بانی روزانہ بیٹھی ہوئی اس کی پوجا دیکھا کرتی تھی۔ اور دل ہی دل میں اس کے روزانہ کام پر تنقید کرتی تھی۔ مگر کچھ کہہ نہ سکتی تھی۔ کہنے کے موقع پر اس کے منہ پر جیسے کوئی طاقت قفل سکوت لگا دیتی تھی۔ نقص تو اسے بہت سے نظر آتے تھے۔ مگر جب وہ ان پر کچھ کہنا چاہتی تھی۔ تو اظہار خیالات میں ناکامیاب رہتی تھی۔ اور بالآخر اپنی گردن جھکا کر خاموش ہو جاتی تھی۔ وہ سوچتی۔ اگر اس سے زیادہ کوئی نقص دیکھوں گی تو خوب خبر لونگی۔ مگر عیب یہ کہ صرف دل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان پر کچھ کہنا سننا بہت مشکل تھا۔ اسلئے اگر خاموش رہتی تھی۔ تو دل میں ایک ناقابل بیان درد محسوس ہوتا تھا۔ اور وہ

پریشان ہوجاتی تھی۔ غرض وہ بڑی کشمکش کی حالت میں پڑی ہوئی تھی۔ نہ کچھ کہہ سکتی تھی اور نہ ضبط کر سکتی تھی۔ دل ہی دل میں سوچتی تھی۔ کہ میں اسے سکھاؤں پڑھاؤں گی مگر موقع پر اُس سے کچھ نہ بن آتا تھا۔ منہ دیکھتی رہ جاتی تھی وہ صرف پریشان خاطر ہو کر دیکھتی رہتی تھی۔ کہ دیوتا کو یہ لیلا کا کھیل کر رہا ہے۔ سکھا پڑھا تو نہ سکی۔ صرف پریشانیوں میں ہی اضافہ کرتی رہتی تھی +

چھٹا باب

اُس دن ابھی شام ہونے میں دیر تھی۔ آفتاب پردۂ ابر میں مُنہ چھپانے کے لئے سرگرمی دکھا رہا تھا۔ آسمان کے نصف حصّہ میں سرخ سرخ بادل منڈلاتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ اس سرخ روشنی میں ڈوبی ہوئی قدرت کی مورتی پر ایک عجیب و غریب حسن کا غازہ نظر آ رہا تھا۔ گھر کی تیز نگیاں اُس کی نگاہوں میں پھیکی و بے رس نظر آ رہی تھیں اُس دن مندر میں بڑی دھوم تھی کیونکہ "سنان یاترا" کا دن تھا۔ سُنہری پالکی میں ٹھاکر جی بیٹھی ہوئی ندی کے کنارے جا رہی تھیں نہانے کے بعد دیوتا کی پوجا ہوگی۔ اسی وجہ سے باؤلی نے نہایت نفاست اور سلیقہ شعاری سے ریشمی ساڑھی زری کے گل بوٹے بنائے تھے۔ سری کرشن مہاراج کیلئے اس سے پیشتر ہی لباس تیار ہو چکا تھا۔ مندر خوب سجایا گیا تھا۔ زری کے گل بوٹوں نے اُس پر وہ حیرت انگیز کام کیا تھا۔ کہ شام کے جھٹپٹے میں فانوس اور قندیل کی روشنی اُس پر پڑ کر مسکراتی ہوئی نظر آتی تھی۔ باؤلی کے دلفریب لبوں پر ایک خاص عقیدت آمیز مسکراہٹ کی شعاعیں نظر آتی تھیں۔ شاید اُس ہنسی کا مطلب یہ تھا۔ کہ میں جسے پیار کرتی ہوں۔ اس کے جسم پر میری یہ کوششوں کا دن اپنا پھل ضرور لائیگا۔ رائگاں نہ جائیگا +

باہر پچھلے پہر کی ہوا میں ایک خاص اثر کشش و دلکشی آ گئی تھی۔ آسمان پر سرخ بادلوں کی دوڑ بھاگ ندی کے پانی میں ایک نہایت دلکش نظارہ دکھا رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے ہر چہار طرف رنگ کی پچکاری چل رہی ہے۔ پیچھے سے معلوم نہیں کس نے آ کر

آکر اُس کی آنکھیں بند کرلیں اور پھر چھوڑ کر کھلکھلا کر ہنستے ہوئے اُس کے پاس بیٹھ گیا۔

بانی نے ہنستے ہوئے کہا۔ گویا میں جانتی ہی نہیں۔

"وہ کیوں نہ جانو گی؟ ایک کے سوا دوسرا اور کون ہو سکتا ہے۔ ایسی روشنی میں بھی تو کونے میں دبکی دبکائی بیٹھی ہوئی ہے۔ تیرے دل کی ساخت بدھاتا نے جیسے پتھر سے کی ہے۔ آ! چھت پر چلیں۔ یہ کہکر اُس نے بانی کو پکڑ لیا اور جس کام میں وہ مصروف تھی۔ وہ جوں کا توں رہ گیا۔

بات ہٹا کر بانی نے کسی قدر مسکراتے ہوئے کہا۔ "بھائی! تو اس میں بات نہ لگا۔ یہ ٹھاکر جی کا کام ہے۔ چھت پر جا کر کیا ہوگا؟ یہیں بیٹھ نہ باتیں کرتے کرتے کام کو بھی ختم کرلیں۔

تُلسی منجری بانی کی سکھی تھی۔ وہ اُسے چھت پر لیجانا چاہتی تھی۔ اس نے ہنسکر کہا۔

"میں بھی صاف اور پاک کپڑے پہن آئی ہوں۔ بھٹاچاریہ مہاشئے! یہ کیا ہو رہا ہے؟

بانی نے اپنی سکھی کو وہ بیش قیمت لباس دکھا کر پوچھا۔ سکھی! ذرا بتا تو سہی کیسا ہے؟

منجری نے بزرگوں کی طرح سر ہلا کر اپنی رائے کا اظہار کیا۔ "بہت اچھا ہے۔ مگر اس کے اچھے ہونے سے کیا حاصل ہے؟ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ جو پھول جنگل میں کھلا ہی مرجھا جائیگا۔ اُس سے ــــــ

بانی کے دل کو جیسے دھکا سا لگا۔ اُس نے منہ پھیر کر شکوک لہجہ میں کہا۔ "کیوں؟"

منجری ہنسنے لگی۔ بولی۔ "جو پروہت ملا ہے۔ اُسی کی نسبت کہتی ہوں۔ ہاں یہ تو کہو بھلا وہ پوجا کیسے کرتا ہے؟ منتر تنتر کچھ جانتا ہے؟ یا صرف یوں ہی سب کام کرا دیتا ہے۔" تلسی منجری یہ بات کہکر مضحکہ خیز ہنسی ہنسنے لگی

اس ہنسی سے بانی کا چہرہ یکایک بے عزتی سے سُرخ ہو گیا۔ اُسنے جیسے اس سے اپنی حقارت کا احساس کیا۔

منجری نے سکھی کے منہ کی طرف نہیں دیکھا۔ وہ اپنے ہی دل میں کہنے لگی "تمام دنیا کے لوگ اس کام کے لئے کیا کیا کہتے ہیں۔ مرنے کے وقت جیسے لوگ بدحواس ہو جاتے ہیں

ہی حالت اُس کی ہوئی۔ پُوجا پاٹ کی نسبت وہ کیا جانے! پہلے دیور کے مُنہ سے سُنا تھا کہ وہ صرف
اول اُبال تارہتا ہے۔ رسوئیا برہمن ہے یکایک پروہت بن گیا۔ جو ہو۔ رادھا رانی! تیرے
ل کو تو اُس نے موہ لیا ہے۔ اب سب کچھ ڈوب جائیگا۔
بانی نے پہلے سوچا تھا کہ نئے پروہت کے متعلق وہ منجری سے کوئی تذکرہ نہیں کریگی
یوں نہیں۔ امبر ناتھ کو رخصت کرنے کے لئے جب کوئی راستہ نہیں۔ تو پھر سب کچھ
رداشت کرنے اور راستہ پر چلانے کی تدبیر کرنی پڑے گی۔ بالخصوص اس کی نااہلیت
رف اُس کے نظر انداز کرنے کی وجہ سے ہے ۔۔۔ مگر جیسے لکڑی کے ڈھیر میں پڑی ہوئی
گ اپنے آپ کو چھپا نہیں سکتی طرح سُکھی کی آمد دی اور طعن خیز باتوں سے وہ اپنے جذبات کو
پوشیدہ نہ رکھ سکی۔ یکایک بے اطمینانی سے جھنجھلا کر بول اُٹھی۔ "اس کی نسبت تو تمہارے
یورجی ہزار درجہ بہتر ہیں"
منجری دل ہی دل میں آدیا ناتھ کو اُس کی چالبازیوں کی وجہ سے پسند نہیں کرتی تھی۔
ور اس لئے امبر ناتھ کے اوپر بھی جھنجھلاہٹ کا کوئی سبب نہیں تھا۔ مگر خواہ کچھ ہی ہو
دیا ناتھ اُس کا اپنا تھا۔ دس آدمی اُس کے حق میں تھے شوہر و بیوی کے وقت کا کثیر حصہ
سی ہلچل میں ہی گذرتا تھا۔ اگرچہ آدیا ناتھ کے اخراجات کا تمام بار انہیں دونوں پر تھا
ور بسا اوقات وہ ناگوارِ خاطر بھی ہوتا تھا۔ مگر کیا کرتے مجبوراً سب کچھ برداشت کرنا
پڑتا تھا۔ صرف یہی ایک تدبیر تھی۔ کہ نئے پروہت کی جگہ پر کسی طرح یہ مقرر کر دیا جائے
ور اسی وجہ سے وہ اس فکر میں سرگرم تھی۔ آج اُس نے بانی سے اپنی یہ رائے ظاہر
ردی اور نہایت حسن و سلیقہ سے۔ اُس نے دل ہی دل میں سوچا۔ میں امبر ناتھ پر
جھوٹ موٹ بھی کوئی الزام عائد نہیں کر سکتی۔ جو سُنا ہے اُس کے کہنے میں ہرج
ی کیا ہے۔ اس میں میرا کیا قصور ہے؟ ورنہ اگر میرے بوڑھے شوہر کی کمزور گردن
وٹ جائے ۔۔۔ تو؟
اُس دن منجری نے ایکبار بھی اس بات کا تذکرہ نہیں کیا۔ سُکھی کی بات وہ اچھی
طرح سمجھ گئی تھی۔ کہ امبر ناتھ اب اپنی جگہ پر نہیں ٹھہر سکتا اور اُس کے جانے سے میرے

گھر میں شانتی کا راج پھر ہونے کی اُمید ہے ـــــ صرف یہی سوچ کر وہ خوش ہوتی تھی۔ مگر دل ہی دل میں کسی قدر ناراض بھی ہوتی تھی ایسی بات بھی صاف طور پر کہی نہیں جا سکتی تھی اُف! غریب انبرناتھ کی تو میں نے کبھی کوئی شکایت نہیں سُنی۔ وہ تو بالکل بے قصور اور سادہ لوح شخص ہے ـــ میں نے یہ کیا اَنرتھ کیا۔ خرابی مچا دی؟

جب دل میں اس قسم کے خیالات آتے اور طبیعت پریشان ہوتی تو اس ناخوشگوار تذکرہ کو وہ دبانے کے لئے بھگوان شری کرشن کا وہ لباس اُٹھا لیتی۔ اور کہتی کہ اس قسم کی پوشاک پہن کر ہمارے رادھارانی کے سری کرشن آئینگے۔ سکھی! پیاری سکھی! دیکھ تو سہی! میں تو سوچتے ہی کیسی از خود رفتہ ہو گئی ہوں!

"دو تو کیا کہتی ہے۔ جس کی شادی اُسے کوئی خیال ہی نہیں۔ مگر پڑوسیوں کی آنکھوں میں نیند نہیں۔ تجھے اسقدر درد کیوں معلوم ہوتا ہے بتا تو سہی! میرے کرشن تو رات دن میرے پاس رہتے ہیں۔ پھر آئینگے کہاں؟ میں کیا دم بھر کے لئے بھی کرشن سے کبھی جدا ہوتی ہوں؟ یہ دیکھ! اُن کے لئے یہ بیش بہا لباس تیار کیا ہے۔ نئی ہنسی بنوائی ہے۔ چادر مالا سب کچھ اپنے ہاتھ سے ہی بنائی ہے۔ میں اُن کی کتنی سیوا کرتی ہوں دل و جان انہیں سونپ کر صرف اُنھیں کی ہو گئی ہوں اور رات دن اُنہیں کے چرنوں میں پڑی رہتی ہوں۔ کیا تو اپنے شوہر کو اس طرح آراستہ پیراستہ نہیں کر سکتی۔ اس طرح پیار کر سکتی ہے؟ تو تو اُن کے پاس میں چونا زیادہ لگا کر اُن سے جھگڑا کرتی ہے۔ دو چار پریم رس میں ڈوبی ہوئی باتیں کرنے کی فرصت نہیں ملتی۔ دُنیا کتنی وسیع ہے۔ کیا تو نے کبھی اس پر غور کیا ہے؟ ایسے ہمیشہ روحانی سرور بخشنے والے جگت سوامی کو چھوڑ کر کیا تو انسان کی غلامی کرنا چاہتی ہے؟ میں اپنی ذات پر عاشق ہوئی ہوں۔ میں نے اپنی ذات کے ساتھ شادی کی ہے۔ دُنیا کے روگ سوگ سے مجھے کیا کام ہے؟"

رادھارانی نے یہ تقریر نہایت سنجیدگی سے کی۔ مگر اُس کی سکھی نے اتنی پُر اسرار اور سنجیدہ گفتگو کچھ شوق سے نہیں سُنی۔ وہ اِس کی تہ تک نہیں پہنچ سکی ہنستے ہنستے اُس پر گر پڑی۔ یکا یک گرنے سے رادھارانی کی اُنگلی میں سوئی چبھ گئی۔ وہ چونک اُٹھی

مگر منجری کی ہنسی میں کمی نہ ہوئی قہقہے پر قہقہے لگا رہی تھی۔ ہنستے ہنستے بولی "سویمبر ہونیکی آمد تو ہوئی تھی۔ تو مجھے کیوں نہیں بتایا۔ تیرا ایہ تو گھری میں تھا۔ گو سائیں جی بھی تو تلک اور سیوا وغیرہ کرتے میں۔ تم ہو تو کبھی چوڑ دہن لگتی ہو گی۔ بتا کیا ابتک نہیں ہوئی ہو تم انہیں یہ تاج پہنانے اور شوق بھی ہے۔ وہ کوئی رکاوٹ نہیں پیدا ہونے دینگے۔"

رادھا رانی نے غصہ کا اظہار کیا۔ دھکا دیکر خود اس سے ذرا فاصلہ پر بیٹھ گئی۔ بولی تو ہنسی مذاق سمجھتی ہے۔ فی الحقیقت میں نے اپنا سب کچھ سری کرشن بھگوان کے چرنوں میں ارپن کر دیا ہے اب اس جسم پر کسی کا دعوے نہیں ہو سکتا۔ میرا خود اس پر کوئی اختیار نہیں۔ دیکھ لینا۔

تاہم منجری کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ اس نے ہنستے ہنستے کہا۔ "دیکھا جائیگا۔ ابھی تو میں مرتی نہیں۔

ساتواں باب

پہلے جسدن امبر ناتھ پوجا کرنے گیا تھا۔ اس نے ایک دیوی وہاں دیکھی تھی اس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ اس کے بعد وہ روزانہ صبح شام پوجا۔ اور آرتی کے وقت وہ اسی جگہ پر وہ لاامثال مورتی دیکھتا تھا۔ کون ہے؟ کہاں سے آئی؟ یہ وہ نہیں جانتا تھا۔ جاننے کی خواہش بھی اس کے دل میں نہیں ہوئی۔ وہ مندر میں داخل ہوتے ہی روزانہ اس دیوی کا درشن کیا کرتا تھا۔ پوجا کے خاتمہ پر بھی وہ اسے وہاں ہی دیکھ کر چلا آتا تھا۔ مندروں میں رہنے والی دیگر دیوی دیوتاؤں کی طرح وہ اس مورتی کو بھی انھیں میں سے ایک سمجھکر اس کی دل ہی دل میں تعظیم کرتا تھا۔ وہ دیکھتا۔ اس مورتی کے زیوروں میں جھنجھناہٹ اور حرکت کا نام نہیں۔ کبھی اس کے منھ سے کوئی بات سننے میں نہیں آئی۔ گویا فی الحقیقت ہی یہ زندگی سے محروم پتھر کی مورتی ہے۔ مگر امبر ناتھ عمداً نہیں۔ بلکہ حسن اتفاق اگر اس کی نگاہ کبھی اس طرف چلی جاتی۔ تو دیکھتا تھا کہ وہی زندگی سے محروم بے حس و حرکت مورتی اپنی سیاہ اور سفید آنکھوں سے جلالت نگاہوں کے ذریعہ صرف نور برساتی ہوئی نہیں معلوم ہوئی بلکہ وہ نگاہیں بھی جیسے بالکل نئی تھیں

اُن میں بجید نوعیت تھی۔ اور ایک غیر معمولی بات! اُس کے ملائم ملائم سیاہ بالوں کی لٹیں ٹیڑھی ترچھی ہو کر پشت اور سینہ پر لہرا رہی تھیں۔ اُن لبِ لعلیں ہونٹوں کے آگے لعل و مرجان شرمارہے تھے۔ اُس جذبات سے بھرپور چہرے میں بجلی کی طرح چمکتی ہوئی مگر ساکن نگاہیں نہایت دقیقہ رس معلوم ہوتی تھیں۔ خواہ کچھ ہو۔ مگر وہ اس پجارنی کو دیکھ کر دل ہی دل میں اُس کی پرستش کرتا تھا۔ حسنِ عقیدت سے اُس کا سر جھک جاتا تھا۔ اس عمر میں حسنِ جانسوز کی یہ حدت اثر شعاعیں! **شیلجا** اور **اُما** کی طرح ریاضت میں محو ہو کر بلاس اور خواہشاتِ انسانی سے نفور یہ تمام باتیں واقعی حیرت و استعجاب میں ڈال دیتی تھیں۔ مگر یہ پُراسرار نگاہ اُس کی نگاہوں سے دو ایکبار مل کر اپنا مطلب ظاہر کر گئی۔ اُس دن انبرناتھ نے آنکھیں اُٹھا کر دیکھا۔ اُس کی وہ زبردست نگاہیں اُسی پر پڑ رہی تھیں۔ اُس نے شرما کر اپنی آنکھیں نیچی کرلیں۔ دیر تک آنکھیں نہ ملا سکا۔ مگر پوجا کے وقت نوَن تحیّر آمیز نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ سوچتے سوچتے اُس کے بحرِ دل میں ایک بے اطمینانی کی سی لہر دوڑ گئی۔ خیال آیا۔ اسی لئے پوجا کے اوقات میں کسی کے آنے یا ملنے جلانے کی ممانعت کی گئی ہے۔ اُس دن اُن خیالات نے اُسے بہت پریشان کیا۔ رفتہ رفتہ اس کی بےچینی بڑھتی گئی۔ اس کے بعد پھر وہ نظارہ اُس کے لئے دن بدن معمولی ہوتا گیا۔ مندر میں وہ تحیّر آمیز سامان جو اُس نے دیکھا تھا۔ اور اُسے کسی قدر افسوس معلوم ہوا تھا۔ اسوقت اُن تمام ساز و سامان نے اس کو رنج نہیں پہنچایا۔ اسوقت انبرناتھ اُسی دیوی سروپ پر عقیدت آمیز نگاہیں جمائے رہا۔ اُس کے دل پر ایک خاص اثر پڑا۔ روحانی سرور کا سمندر موجیں مارنے لگا۔ اس سے پہلے اُس نے کبھی مورتی پوجا نہیں کی تھی۔ اس کی بھکتی دیکھ کر جیسے اُس نے اپنے دل میں بھکتی اور شردھا کا احساس کیا۔

انبرناتھ کے اس روحانی سرور میں کوئی نفسانیت پوشیدہ نہیں تھی۔ اُس کے حسن سلیقہ اور ناز و ادا کی طرف شاید اُس کی توجہ بھی نہیں گئی تھی۔ اُس نے صرف یہی دیکھا کہ اُس سنجیدگی سے بھرپور چہرے میں بھکتی کی لہر جوش زن ہے۔ یہ دیکھ کر اُس کے بحرِ دل میں بھی عقیدت و احترام کی ترنگیں موج زن ہوتی تھیں — بعد میں شاید اُس کے اعتقاد

کسی قسم کا دھکا پہنچے۔ اسی خوف سے وہ حتی المقدور کسی اور خیال کو اپنے پاس نہیں آنے دیتا تھا۔ مگر کب کیا ظہور پذیر ہوگا؟ وہ خود بھی یہ ٹھیک طور سے نہیں جان سکا تھا۔ بدستور اپنے کام میں اُسی تندھی وجانفشانی سے سرگرم تھا۔ ہاں بعض اوقات آلام وافکار کے پُرپیچ بادل آسمانِ دل پر چھا جاتے تھے +

اسی طرح دن گذرتے رہے۔ اور "سنان یاترا" کا دن آیا۔ خوب دھوم دھام ہوئی چہار طرف "ہری بول ہری" اور جے جے کار کا نعرہ سُنائی دینے لگا۔ ایک مہینہ تک منو ترما کرتن ہوتی رہی۔ ہزاروں آدمی آنے لگے۔ عورتیں چق کے اندر بیٹھی ہوئی سُنتی تھیں۔ چڑھاوے دل کھول کر چڑھائے گئے۔ دوسری طرف کتھک لوگوں کا ناچ ہو رہا تھا۔ پروہت جی شرم سے جیسے زمین میں گڑے جاتے تھے۔ عرصۂ دراز کی مشق تو تھی ہی نہیں۔ کام بھی بہت مشکل تھا۔ جو اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے ہمیشہ خاموشی سے ہی پاٹ کرتا تھا۔ وہ آج اتنے بڑے مجمع میں لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کیونکر کھینچ سکیگا؟ مگر لوگ تو یہ سب نہیں سمجھتے +

چق کے اندر عورتوں کا گروہ بیٹھا ہوا کتھا سُن رہا تھا۔ سب پان چبارہی تھیں۔ تمباکو مانگ رہی تھیں۔ اور گھر گرہستی کی باتیں ہورہی تھیں نوخیز لڑکیاں قہقہہ لگارہی تھیں کتھا کی طرف تو کسی کے کان بھی نہیں تھے۔ صرف بانی ہی اس تمام مجمع میں جیسے سب کے پاپیوں کا پرائشچت کرنے بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ یکسوئی سے ایک ایک لفظ سُن رہی تھی۔ تمام توجہ اُسی طرف تھی۔ اُس کے لئے یہ یکسوئی کوئی نئی نہیں تھی۔ عموماً اُس کی یہی حالت رہتی تھی۔ تمام سال میں یہی ایک مہینہ اُس کے کانوں میں جیسے آبحیات برساتا تھا آج بھی اُس کا تشنۂ کام دل اس سے سیرابی حاصل کر رہا تھا۔ پروہت کتھا کہتے کہتے جہاں رُک جاتے تھے۔ اسی وقت بانی کی آنکھیں چڑھ جاتی تھیں۔ کئی بار اُس کی خواہش ہوئی کہ وہ اُٹھکر چلی جائے +

دوسرے دن جب پروہت جی پوجا کرنے آئے۔ تو وہ اُس دیوی کیطرف اچھی طرح آنکھ اُٹھا کر دیکھ بھی نہ سکے۔ وہ شرم سے جیسے پانی پانی ہو گئے تھے۔ رات کو نیند آ

نیلفٹ نے اُنھیں بلا کر کہا تھا کہ کل آپ کی تقریر کچھ مؤثر نہیں ثابت ہوئی۔ اور نہ اُس نے لوگوں کو اپنی طرف کھینچا۔ رادھا رانی اس سے بہت ناراض ہے۔ اس بات نے شرمسار انبرناتھ کو اور بھی ندامت کے بخالت میں غرق کر دیا۔ ایک تو اُسے نا قابل بتایا گیا۔ سب سے بڑی بات تو یہ تھی۔ اس کے علاوہ ——

ہاں! اگر اس کے سوا اور بھی کوئی بات ہو۔ تو ہرج کیا ہے۔ رادھا رانی کا جوش! یہ تو تعجب کی بات نہیں۔ وہ جدیوی کی طرح اسی مندر میں تھی۔ جس نے اپنی زندگی دیوی دیوتا کی سیوا کے لئے وقف کر دی۔ وہی رادھا رانی آج اُسے تحقیر آمیز نگاہوں سے دیکھ رہی ہے۔ ایسی بیدردہستی بھی کیا اس دنیا میں ہے؟ اسی شرم سے وہ جیسے مر گیا۔ چھی! وہ کیوں اسقدر بددل ہوا۔ کتنے لوگ کتنے ہی بڑے بڑے کام کرتے ہیں۔ اور بہت معمولی کام بھی اُس کے ذریعہ انجام نہیں پاتا۔ اسی قسم کے کتنے ہی خیالات کی بارش اُسے برداشت کرنی پڑی۔

مگر بابی نے کوئی بات اُس سے نہیں کہی۔ پروہت سے بات چیت کرنے کی اُسے چنداں ضرورت بھی نہیں تھی۔ وہ فطرتاً کم سخن تھی۔ پجاری جی کی بھی یہی حالت تھی روزانہ خاموشی سے پوجا کی جاتی تھی۔ تمام کام بدستور جاری تھے۔ پروہت جی پوجا کے خاتمہ پر چلے جاتے۔ بابی مایوسانہ نگاہوں سے اُن کے منھ کی طرف دیکھتی رہ جاتی تھی۔ آج بھی ایسا ہی ہوا باہر آکر انبرناتھ نے زور سے ایک گہرا سانس لیا۔ اور چلا گیا۔ اُس کے دل نے جیسے کہا —— اُف! بچ گیا۔

اس کے بعد پھر تیسرے پہر کتھا شروع ہوئی۔ اسدن بھی کتھا کا رنگ اچھی طرح نہیں جما۔ اگرچہ اُسدن پروہت جی نے نہایت کوشش و مستعدی سے کام لیا۔ مگر تاہم وہ عوام کا دل اپنی طرف نہ کھینچ سکے۔ لوگوں کی آنکھوں سے نہ تو آنسو نکلے اور نہ کسی کی زبان سے واہ واکا نعرہ نکلا۔ صرف سب سر نیچا کئے ہوئے مستعدی سے بیٹھے رہے۔ متانت آمیز لہجہ اور سنجیدہ تقریر نے دل کے اندرونی حصوں میں نہ معلوم ایک کیسا لا معلوم تحیر بیدار کر دیا۔ مجمع منتشر ہو گیا۔ سب شور مچانے لگے۔ "یہ کیا بات" ایسی کتھا تو ہم لوگ بھی کہہ سکتے

ہیں۔ مگر جبتک کہنے والے کی بات پُوری نہ ہو۔ اسوقت تک دل کے جذبات دل ہی میں رہنے چاہئیں۔ یہ بات سچ ہے ورنہ رادھا رانی اتنے دنوں تک کبھی کا سب کچھ موقوف کرا دیتی۔ اُس نے صرف یہی سوچا تھا۔ اس کتھا میں سُکھ دُکھ کی جھنکار نہ موجود ہو۔ یہاں رہ رہ کر دل میں ہلچل نہیں ہوتی۔ خواہ کچھ نہ ہو۔ سُنکر آنکھوں میں آنسو نہ آنے پر بھی دل میں ایک طرح کی شانتی آتی ہے اُس نے بارہا ایسا احساس کیا ہے۔ اسی وجہ سے جب رما بلبھ بابو کچھ پوچھتے تھے۔ کہ آج کتھا کیسی ہوئی۔ تو وہ مغموم دل سے صرف یہی کہتی تھی "کل پھر چلینگے"

اس طرح پندرہ دن گذر رے۔ پروہت جی نے نارد کی کتھا۔ شری کرشن کی بات ستیہ بھاما کا ابھمان رُکمنی کا سکھیوں کے ساتھ رُوٹھنا۔ یہ سب وہ نظر انداز کر گئے۔ اس وجہ سے باں بھی بہت ناراض ہوئی۔ اس کے بعد جب انبر ناتھ نے پُوجا ختم کی۔ تو اُس نے دیکھا کہ وہاں رکت جوا کا پھُول رکھا ہے۔ بانی کے غصّہ کا پارہ اعتدال سے تجاوز کر گیا۔ "یہ کہاں سے آ گیا۔ دم بھر میں یہ کیا ہو گیا؟ بانی انبر ناتھ کے اُوپر بہت بگڑی۔ اُس نے پھُول اُٹھا کر منڈپ کے باہر پھینک دیا۔ مگر یہ کیا؟ دیوی دیوتاؤں کے اُوپر اس قدر غصّہ! کس پھُول سے کس دیوتا کی پوجا کیجاتی ہے۔ یہ وہ نہیں جانتا تھا۔ پھر وہ پروہتائی کرنے کیوں آیا؟ ہری بلبھ بابو نے مجھے کیوں موقع دیا؟ غصّہ اور ندامت سے وہ بیچین ہو گیا۔ دل ہی دل میں کہنے لگا بھگوان! تمھاری یہ کیسی لیلا ہے؟ تمہیں تو لوگ پریم کا اوتار کہتے ہیں۔ تم میں تو ہنسا کا نام نہیں یہاں نے پریم نے۔ تو تمہارا ہی نام ہے۔ یہ سب پاپ میرا ہی ہے۔ ناتھ! میں کس طرح اس پاپ کا پرائشچت کروں گا ــــ مجھے بتا دو ــ ہے بھگوان! دیا کر کے مجھے بتا دو۔

بُلانے پر اوتیا ناتھ آیا۔ اس نے دل کھول کر انبر ناتھ کی شکایت کرنے میں کسر نہیں رکھی۔

آٹھواں باب

دوپہر کو زمیندار کے بُلانے پر انبر ناتھ نے وہاں حاضر ہو کر نمسکار کیا۔ رما بلبھ نے بھی نمسکار کر کے کہا سُنا ہے آپ پوجا اچھی طرح نہیں کر سکتے۔ شکایت سُنتے سُنتے میرے تو کان پک گئے ... انبر ناتھ ... ہم ... آ گیا ... کرتا ہے؟ وہ کون ہے؟

چُپ چاپ سر جھکائے کھڑا رہا۔ نوکر آسن دیگیا تھا۔ مگر بیٹھنے کی ہمّت نہ ہُوئی کیا غلطی ہوُئی کِس غلطی کی وجہ سے یہ شکایت پیدا ہوُئی۔ کیا وہ صاف صاف بتائینگے؟

رَملیچھ بابُو بہت دنوں سے یہ سُنتے آرہے تھے۔ اور نہایت جہاندیدہ و تجربہ کار شخص تھے انبر ناتھ کی یہ حالت دیکھ کر اُنہیں بہت تعجب ہُوا۔ اور اُن کا جو غصّہ تھا۔ وہ انبر ناتھ کی خاموشی سے رفتہ رفتہ جاتا رہا۔ اسوقت وہ بُولے۔ آپ پہلے ذرا کتاب کو غور سے مطالعہ کر لیا کیجئے۔ رادھا رانی کو بچپن سے ہی پُوجا پاٹ کا بڑا شوق ہے۔ وہ سب جانتی ہے۔ پُوجا کی کسی غلطی کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔ اور یہ مناسب بھی نہیں ہے۔ اچھّا اسوقت جاؤ۔ تمہیں کام ہوگا۔ اب مجھے ایسی شکایت سُننے کا موقع نہ ملے۔ بس یہی خیال رکھنا۔ نمسکار"۔

انبر ناتھ کہنا چاہتا تھا کہ کیا غلطی کی؟ اگر آپ غلطی بتا دیں۔ تو بہتر ہے۔ مگر اُن کے مُنھ سے کوئی بات نہیں نکلی۔ نہ ہی اُس نے کچھ کہنا مناسب سمجھا۔ صرف نمسکار کر کے اسقدر کہا۔ "دو کہ میں اچھی طرح کتاب دیکھ لیا کروں گا"۔

انبر ناتھ کے جانے پر زمیندار بابُو کچھ دیر تک اُسی طرف دیکھتے رہے۔ اس کے بعد اُنہوں نے اپنے دل ہی دل میں کہا "لڑکا تو اچھّا معلوُم ہوتا ہے۔ بُرا نہیں ہے۔ ہاں! یہ بات ضرور ہے۔ کہ کسیقدر شرمیلا ہے۔ بانی کی نگاہوں کا سراسر قصوُر ہے اگر میں اسے اس کام سے ہٹا لوں۔ تو ہی اچھّا ہے۔ مگر یہ میرے اختیار کی بات نہیں کیا کرُوں۔ کسی کے لئے میں اپنی رادھا رانی کے دل کو ذرا بھی تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔ وہی تو میری سب کچھ ہے"۔

اُسدن تیسرے پہر انبر ناتھ نے مندر میں جا کر دیکھا۔ کہ اُس کی جگہ اور شخص نے لی ہے خوش خوش ہر سنگار کے پھوُلوں کا ہار زیب گلو کئے۔ کبھی پنچم کبھی سپتم۔ کبھی بھیروی کبھی بہاگ اور کبھی کسی اور دلکش راگنی کے سُروں میں سر ہلا ہلا کر ہنستے روتے ندی کی لہر کی طرح گاتا ہُوا نظر آیا۔ یہ آدیا ناتھ تھا۔ اُسدن منڈپ میں بہت آگ کا امتحان ہو رہا تھا اس کے بعد پھر اُس کی تقریر شرُوع ہوُئی۔ رنگ بہت ہلکا۔ اور خیالات بالکل معمولی تھے رقّت کا دریا پتھر دل کو پگھلاتا ہُوا رواں تھا۔ زبان بے شک میٹھی تھی۔ مگر آواز نہ بالکل معمولی۔ بڑھ لڑکے کا لاثانی حوصلہ سامعین کو جیسے جوش دلا کر میدانِ جنگ میں کھینچے لا رہا تھا۔ اس کے بعد

وہ جوش وخروش کہاں گیا؟ سانس جیسے گلے میں اٹک گیا سپت رتھی نے آکر اکیلے بیکس وبے مددگار لڑکے کو یکدم گھیر لیا۔ کیا پشاچ! کیا اس سے کسی طرح بدلا نہیں لیا جا سکتا۔ لعنت ہے! اگر اس ظلم پسند دشمن کی فوج کو لپا کر کے اس سونے کے ہرن کو بچا لیا جائے۔ تو اس زندگی پر ہزار ہزار لعنت ونفرین ہے۔ مگر افسوس کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ بے انصافی کے میدان میں بھارت کے مستقبل کا آفتاب بیوقت غروب ہو گیا۔ بھگوان شری کرشن جس کے ماما ہیں اور بھیم جیسے دلاور جسکے مددگار ہیں۔ وہ آج بیکس وبے بس اور یتیم ہو کر سپت رتھی کے خون سے بھرے ہوئے خنجر سے ہم آغوش ہو رہا ہے۔ ہائے! جننی سوبھدرا آج کہاں ہے؟ آج تیرے پاک قدموں سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہونے کی تیاری ہے۔ تو نے ایک بار بھی نہیں جانا او ماں! ہمیشہ سے راحت ومسرت کی بہار لوٹنے والی لڑکی کسنی میں ہی آج تیرے تمام سکھوں کا خاتمہ کرکے جا رہی ہے۔ دیکھا جائیگا۔

دیکھنے والے خاموشی سے آنسو پونچھتے جا رہے تھے۔ بعض بعض بچوں کے دکھ سے دکھی ماں بہنیں دل کے جوش اور روانی کو روک نہ سکیں۔ وہ رہ رہ کر جیسے چلانے لگیں باانی نے خاموشی سے آنسو پونچھتے ہوئے کہنے والے کے چہرے پر نظر ڈالی۔ اس کے چہرے پر کوئی تبدیلی کے آثار نظر نہ آئے۔ مصور کی تمام جیسے اپنی تصویر ربتی ہے۔ اور وہ زبان حال سے اس تصویر سے ہمکلام ہوتا رہتا ہے۔ مگر خود اس جذبہ کو نہیں بیان کر سکتا۔ اسی طرح بانی بھی بہت متحیر ہوئی۔ مگر کہنے والے کی کتھا نے شاستروں میں دیگر عام "شکتی درشن" وغیرہ میلا کی شردھا پیدا کر دی۔ شاید وہ اتنی دیر تک خود رو کر دوسروں کی ہنسی کا دروازہ کھول رہا تھا

اس دن کتھا کے خاتمہ پر گانا بجانا ختم ہوتے ہی مجمع منتشر ہو گیا۔ اس میٹھے سر اور گلے کے لوچ نے بانی کو ابتک جیسے منتر کے بس میں رکھا۔ وہ گیت بھگتی رس میں شرابور تھا۔ جانی کے روپ میں خیالی شری بھگوان کے تصور میں محو سوبھدرا کا گیت تھا۔ اس کا مفہوم یہ تھا۔ "تم مجھے دکھ کے بحر بیکراں میں غوطے دے دے کر کیا میری حالت دیکھنا چاہتے ہو؟ تمہاری سوبھدرا اس لامحدود درد کی لیپٹ کی شعلہ زنی آگ کی جلن برداشت کریگی مگر تمہیں کس طرح نہیں بھولیگی۔ ہے کرشن! ہے جدو ناتھ! استیا۔ راوھا۔ ان سب کیلئے

تو تم نے اس آرادھنا کا اگنی کنڈ مشتعل کر دیا تھا۔ پھر جان بوجھ کر آج اس کمزور۔ اور حقیر ہستی کے لئے یہ سب کیوں؟ سنو! اے انتریامی!! تمہارا ہی دیا ہوا سب کچھ ہے۔ اگر تمہاری ہی بخشی ہوئی روشنی آج گل ہو جائے پھر بھی اسکی ایک ایک شعاع میرے رگ و پے میں کہیں نہ کہیں پوشیدہ رہیگی۔ وہی شعل طریقت بنکر مجھے صحیح راستہ دکھائے گی۔ اور میں اسی کے نور سے منور ہو کر تم میں تنمے ہو جاؤں گی۔ تم ہی میرے اکچھیتو ہو۔ تمہیں میرے ارچن ہو۔ تمہیں میرے باسدیو اور تمہیں میرے اہم گیان ہو۔ تم ہی میرے سب کچھ ہو میرے پربھو! تمہارے سوا اس دنیا میں اور کون ہے۔ ذرّے ذرّے میں تمہارا نور نظر آ رہا ہے۔"

کیسا رقت پذیر حسن! امانی کی دونوں آنکھوں سے شبنم کی طرح صاف شفاف آنسوؤں کی بوندیں نکلکر اس کے نرم و نازک رخساروں سے گر کر سینہ کو تر کرنے لگیں — یہ سچے موتی تھے۔ میں کیا تمہیں اپنے لئے پیار کرتی ہوں؟ تمہارے لئے تمہیں پیار نہیں کرتی؟ خود نمائی کے جوش اور غرور سے کیوں تمہارے دروازے پر کھڑی ہوں؟ تمہیں پانے میں کیوں دیر ہو رہی ہے؟ پائی ہوئی شے کھو جانے سے تمہارے اوپر بد اعتقادی کا اظہار کیوں؟ ہے ناتھ! ہے پران ناتھ!! ایسا زبردست اعتقاد۔ اور ایسی بھکتی پریم مجھے دو اور میں کچھ نہیں چاہتی۔ گانا ختم ہونے سے پیشتر ہی وہ جیسے مدہوش ہو گئی۔ اس کے بعد بہت دیر تک اس کے منہ سے کوئی بات نہیں نکلی۔ سب کے سب جیسے پریم رس میں شرابور ہو گئے۔ چندن و مالا وغیرہ سے مزین کنٹھک نے عورتوں کے مجمع میں داخل ہو کر کہا۔ ماتا! شانتی جل لو۔ وشنو! وشنو!!"

دوسرے دن "شانتی جل" دینے کے لئے کنٹھک ٹھاکر کی ناک بھی نہیں نظر آتی تھی۔ آج اس نئے پجاری کی باقاعدگی دیکھ کر عورتوں نے اپنے آنچل سے ان کے چرن پکڑ کر کہا "دو بابا! دو۔ میری اس نواسی کو اچھی طرح منتر بتا دو۔ لڑکی بڑی دکھی ہے۔ اگر اسے شانتی ملجائے۔ تو میں بہت سکھی ہونگی۔ پروہت جی منتر پڑھتے پڑھتے بالا کی طرف لطیف نگاہوں سے دیکھتے جاتے تھے۔ ان کے جھکے ہوئے چہرے پر امید و مسرت کا [illegible] ایک سنجیدہ بے حس و حرکت جذبہ کی شوخی کا اظہار کر رہا تھا۔ وہ

یا اُسی خون کے دریا سے پیدا شدہ زبردست کورکشیتر تھا؟ یا بیکس و بے بس بہادر لڑکے کی
تکلیف کی یاد تھی؟ یا کسی پردہ نشین نازو نعم میں پلی ہوئی عصمت پرست بیوہ لڑکی کے دُکھ
سے بھرپور ہمدردی؟ —— ادّیا ناتھ نے کہا "ماں رادھا رانی اشانتی چلی ہو!!"

باؔنی نے متحیر ہو کر سر اُٹھایا۔ بات ختم ہو چکی تھی۔ وہ اتنی دیر تک جیسے کچھ سُن ہی نہ
رہی تھی۔ اب تک جیسے منتر کے بس میں آ کر سوبھدرا کی بات سوچ رہی تھی۔ کیسا زبردست
تھا وہ! کیسا لاثانی پریم!! میری یہ حالت کب ہوگی؟ سر اُٹھا کر دیکھا —— سامنے ادّیا ناتھ
بیٹھے جھجک کر بولی "دِن" ادّیا ناتھ نے کسقدر تامل سے کہا "آپ کی طرح بھگتی رس میں
ڈوبی ہوئی میں نے اور کسی کو نہیں دیکھا۔ مبارک ہیں آپ! اور آپ کا خاندان!!"

باؔنی کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ ادّیا ناتھ جیسے کوئی جادو جانتے ہیں۔ بھگتی اور خاندان،
دونوں بانی کے بڑے فخر کی دولت تھی۔ کسیقدر محجوب ہو کر بانی نے کہا "آپ بھی پریم
بھگتی میں کسی سے کم نہیں ہیں۔ آج کی باتیں کیسی میٹھی تھیں۔ کانوں میں جیسے امرت رس
کی بارش ہوتی رہی جیسے ایسی باتیں پہلے کبھی نہیں سُنی تھیں آجکا دن جیسے سوارتھ ہوا
کبھی اگر آپ کچھ کہنے کا وعدہ کریں۔ تو میں بہت خوش ہونگی۔ کہینگے نہ؟"

ادّیا ناتھ کا عضو عضو مسرت سے کانپ اُٹھا۔ آپنے آپ پر ضبط کر کے سنجیدہ لہجہ
میں بولنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر کامیاب نہ ہوا۔ یکایک ہنسکر کہا "ضرور کہوں گا
آپ خوش تو ہوئیں۔ میری تمام محنت ٹھکانے لگی۔ بھگتی! —— بھگتی کی نسبت میں کیا جانوں؟
ہاں! یہ بات ضرور مانتا ہوں۔ بڑ کا بیج حقیر ہونے پر بھی اس میں زبردست درخت پیدا
کرتا ہے۔ اور اُس کی تمام طاقتیں اُس چھوٹے سے بیج میں پنہاں رہتی ہیں اگر سچی بھگتی
کا ایک قطرہ بھی دل کے کسی کونے میں موجود ہے۔ تو وہ تمام پریم سمندر میں ہلچل مچا دیتا ہے
درحقیقت بھگتی بڑا اوڑیا ہے۔ اسی کے ذریعہ بھگوان کے چرنوں تک آپکو کسطرح پہنچایا جا
سکتا ہے۔ وہی دھیان۔ وہی گیان! سب کچھ اُس کی سیوا میں ارپن کرنا ضروری ہے۔ اگر
بھگوان کے متعلق ذرا بھی اس دل میں کدورت آئی۔ تو یہ جسم اور دل اسی وقت تیاگ
دینا ہوگا۔ اس قسم کی بھگتی کی ضرورت ہے۔ اُسکے ساتھ صرف کھیل کھیل کر خواہش پوری

رنے سے کام نہیں چلیگا۔ اسوقت آپ شانتی جل لیں۔ میں رخصت ہوتا ہوں۔

بانی نے خاموشی سے اپنا سر جھکا لیا۔ آدیا ناتھ کی باتوں میں جو کانٹے تھے۔ وہ بانی کے دل میں بغیر چبھے ہوئے نہ رہے۔ شرم و حیا سے اُس نے اپنے ہونٹ چبا لئے اُس کی خواہش ہوئی۔ کہ ان باتوں کے جواب میں وہ آدیا ناتھ کو دو چار گرم گرم سُنائے مگر پھر کچھ سوچ سمجھ کر خاموش ہو رہی +

نواں باب

انبر ناتھ نے ہر چند کوشش و تجسس سے کام لیا۔ مگر اُسے اپنی پوجا میں کسی قسم کا نقص نظر نہ آیا۔ شروع سے لے کر آخیر تک تمام منتر تو اُسے حفظ تھے۔ لفظ بہ لفظ۔ پھر! وہ نہایت مغموم و ہراساں ہو کر اپنی کتابوں کو ایک میلے کچیلے کپڑے میں باندھنے لگا۔ باندھ کر پھر وہ ندی کے کنارے گیا۔ بارش کی وجہ سے درخت کے پتوں میں ایک نظر فریب سبزی آ گئی تھی ندی کا صاف شفاف پانی کسیقدر میلا ہو گیا تھا۔ مگر اس کی طاقت و احترام میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اُسی جیتر ریکھا ندی کے پختہ گھاٹ کے کنارے آ کر وہ بیٹھا۔ گھاٹ پر آدمیوں کا نام و نشان نہیں تھا۔ ایسے پُرسکون اور سناٹے کے عالم میں ——— ندی کے پاس بیٹھنے میں اُسے ایک شاعرانہ حظ حاصل ہوتا تھا۔ اور وہ بہت خوش ہوتا تھا۔ مگر آج موسم برشگال کی ابتدائی بارش بادلوں کا ہجوم۔ اُس پار کے لہراتے ہوئے درخت اور کدمب کے درختوں کی زینت۔ غرض اُسے کچھ بھی اچھا نہ معلوم ہوا۔ جیسے ہر چیز سے دلکشی جاتی رہی تھی دل ہو رہ رہ کر صرف یہی خیال آتا تھا۔ "کہ میں نے کیا غلطی کی؟ یہ کون بتائے گا؟"

دوسرے دن پوجا کرنے کی غرض سے جاتے وقت بہتیں کی آواز پھر سُنائی دی۔ اُس نے کہا۔ "دادا ٹھاکر! اچھوُل نہ لیجائینگے کیا؟"

"اچھا دے جا" انبر ناتھ کھڑا ہو گیا۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ بہتیں سے کیلے کا پتہ اور جوا وغیرہ کے پھوُل لیکر چلا۔

اس دن مندر میں ایک خاص تبدیلی آ گئی تھی۔ بانی آج اپنی پہلی جگہ پر نہیں تھی۔ کمرے

میں داخل ہوتے ہی یہ بات امبرناتھ کے دل میں آئی تھی۔ صرف اُسی کے دِل میں نہیں۔ بلکہ مندر کی داسیوں نے بھی تمام سامان وغیرہ مہیا کرنے میں غفلت سے کام لیا تھا۔ مگر نہیں یہ اُنکی غلطی تھی۔ بانی مُورتی کے پاس نہیں تھی۔ اُس نے مندر نہیں چھوڑا تھا۔ آج وہ آسن کے پیچھے کھڑی تھی۔

امبرناتھ کے کمرے میں داخل ہوتے ہی بانی یکایک اُس کی طرف مُنہ کرکے کھڑی ہوگئی اس کی فراخ اور پُرنور پیشانی پر جیسے گنگا کی ترنگیں موجزن ہو رہی تھیں۔ امبرناتھ کے ہات میں پتہ دیکھ کر سخت لہجہ میں پُوچھا۔ "اُس میں کیا ہے؟"

امبرناتھ نے جھجکتے ہُوئے کہا۔ "پھُول"

"پھُول! کیسے پھُول! آپ کو اِدھر اُدھر سے پھول لانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ تھال میں جو پھُول ہیں؟ کیا وہ کافی نہیں ہیں۔ اور یوں ہی پڑے رہینگے" بانی کے ہونٹوں پر جذبات آمیز مُسکراہٹ دکھائی دی۔ اُس مُسکراہٹ کو نہ دیکھ کر اُس لہجہ کو سُنکر امبرناتھ کسیقدر بددِل ہوگیا۔ گردن جھکا کر کِسی طرح اُس نے کہا۔ "اس لئے نہیں۔ ایک شخص نے نہایت پریم و بھگتی سے یہ پھُول دئے تھے میں واپس نہ کر سکا۔ اگر ـــــ"

بات کاٹ کر اُسی لہجہ میں بانی نے پُوچھا۔ "کِس نے دیئے ہیں؟"

"مہیش نے"

"مجھے کیا! تب تو پھر اُنہوں نے کوئی چھوٹی بات نہیں کہی۔ شودر کے پھُول! کیسے پھُول ہیں۔ ذرا دیکھوں تو؟"

امبر نے پتے سے پھُول نکالے۔ یہ شگفتہ رنگت جوا کے پھُولوں نے اپنے عکس سے جیسے تمام کمرے میں عبیر و گلال چھڑک دیا۔ دو قدم پیچھے ہٹ کر بانی نے کہا۔ "پروہت جی! امبرناتھ فرطِ حیرت سے بُت بہ دیوار بن گیا۔ اُس نے صرف اسقدر اپنی نگاہیں اُونچی کیں۔ بانی نے کہا۔ "پروہت جی! تم بالکل جاہلِ مُطلق ہو۔ یہ سمجھ کر بھی میں کسی نہ کسی طرح برابر کام چلائے جا رہی ہوں۔ مگر اب نہیں۔ حد ہو چکی۔ جاؤ۔ تم اِس مندر سے اسی وقت باہر چلے جاؤ۔ کل بابُو جی نے [illegible] کتنا اچھا [illegible] جو [illegible] کیا [illegible] نے وہی کام کیا۔ بڑے جو چلے [illegible]

بس اب تم جاؤ۔ شبھو ہوگا۔ تو میرے ٹھاکر جی۔ تو یونہی رہینگے۔ یہ بھی منظور ہے۔ مگر تمھاری پوجا منظور نہیں۔

لاجواب اور بے حس وحرکت انبرناتھ کچھ دیر تک اسی حالت میں کھڑا رہا۔ اُس کا کیا قصور ہے؟ اسوقت وہ یہ سمجھ گیا تھا۔ کہ شوُدر سے پھوُل لانے کے لئے کل اُسے منع کیا گیا تھا۔ آج بھوُل کر پھر شوُدر سے ہی پھوُل لایا ہے۔ ہائے موُرکھ! تیرا قصوُر کون معاف کر سکتا ہے؟ تجھے عقل کب آئیگی؟

بانی اسوقت غصہ میں بھری ہوُئی تھی۔ انبرناتھ کو اُس نے خاموش دیکھ کر سوچا کہ شاید یہ جاہل پروہت اپنی غلطی کا اعتراف کرکے مجھ سے معافی مانگیگا۔ خواہ کچھ ہو۔ اب اس سے کام نہیں چلیگا۔ کسی نہ کسی طرح اسے رخصت کرنا ہی ہوگا۔ بالخصوص کل وہ شوبھدرا کا گیت بھی اُس کے کانوں میں، دل اور اُس کے نازک ترین حصوں میں۔ رم جھم رم جھم بج رہا تھا آدتیا ناتھ کے مقابلہ میں انبرناتھ — چاند کے سامنے چراغ کی کیا حیثیت ہے! وہ فوراً باہر آئی۔ اور داسی کو بلا کر کہا — آدتیا ناتھ جی کو فوراً بلا لا۔ اُن سے کہنا کہ نہا دھوکر پوجا کرنے کے لئے تیار ہوکر آجائیں۔

خالی مندر میں سنگ مرمر کے فرش پر پڑے ہوُئے قدیم پروہت نے نئے پروہت کے لئے جگہ خالی کر دی تھی۔ اسی طرح وہ اس سے سبکدوش ہوُا۔

قید خانہ سے نکلنے کیلئے قیدی کی بیچینی کی انتہا نہیں رہتی۔ مگر بسا اوقات یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ آزادی کا حکم آتے ہی اُسی دُکھ درد سے بھرپوُر جگہ کو چھوڑتے ہوُئے کچھ درد سا محسوُس ہوتا ہے۔ مندر سے نکالے ہوُئے انبرناتھ کے بحرِ دل میں بھی آج وہی دُکھ کی لہریں موجزن ہونے لگیں۔ دُکھ؟ نہیں اسے دُکھ نہیں کہا جا سکتا۔ جہاں انسان کا سُکھ رہتا ہے۔ وہیں دُکھ کو سُکھ کی عدم موجُودگی کا نام ہی دُکھ ہے۔ تو کیا وہاں اُس کے سُکھ کا کوئی سبب موجود تھا۔ سونے خانہ میں آکر گال پر ہاتھ رکھے ہوُئے بہت دیر تک فکر میں ڈوبا رہا۔ سُکھ! معلوم ہوتا ہے۔ کچھ بھی نہیں تھا۔ کہاں؟ اس دیوتا کے گھر میں اقبال وعظمت کی زیادتی میں اس شوبھدرا نے کتنا دُکھ برداشت کیا تھا۔ اس میں سُکھ کہاں تھا؟ پھر کیا وہ اپنے

اپنے اس اعزاز کو کھو دینے پر دُکھی ہُوا۔ بھگوان! رکھشا کرو۔ بڑے لوگوں کے پروہت ہونیکی خواہش و اُمید تو اس کے دل میں کبھی نہیں ہوئی۔ گھر کا چھوٹا سا کمرہ پوجا کیلئے بہت کافی تھا! اتنا زبردست اور عظیم الشان مندر جو محلوں کو بھی مات کرتا ہے۔ اس میں پوجا کرنے کی تو اسے کبھی خواہش بھی نہیں ہوئی پھر کیا دُکھ درد کیوں؟ میں دوسروں کے دلوں میں کیوں خار زار کی طرح کھٹکا۔ گورو کے حکم کی تعمیل نہیں ہو سکی۔ اس وجہ سے اُس کے دل میں پریشانی اور لعنت ملامت نے جیسے ایک عظیم الشان گھر بنالیا۔

پُوجا شروع ہُوئی۔ لوگوں کے چہرے پر کسی قسم کا بَل نہ دکھائی دیا۔ انبرناتھ بھی خوش تھا۔ اپنے کام میں مصروف ہُوا۔

دسواں باب

پہلے ہی کہا جا چکا ہے۔ کہ چند لڑکے لکھنا پڑھنا چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ مگر انبرناتھ نے کچھ محسوس نہیں کیا۔ اس کے علاوہ عمر رسیدہ لوگ انبرناتھ جیسے کمسن لڑکے کو پروہت کی حیثیت میں دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اور اُسے یہ درجہ دینا کسی طرح گوارا نہیں کرتے تھے۔ جو لوگ خدا بے پروا تھے۔ اُنہوں نے کسی نہ کسی طرح اتنے دن گذارے۔ آدتیا ناتھ کی سرگرمیوں کا بازار خوب گرم تھا۔ اُن کی مجلس میں ہنسی مذاق اور چہل دل لگی کی کمی نہ تھی ان باتوں سے بہت سے لوگ دُکھی تھے۔ صرف چند لڑکے بےفکری سے کھاتے پیتے اور موجیں اڑاتے نظر آتے تھے۔

اُس دن دوپہر کو انبرناتھ اپنی ایک پُرانی کتاب کھولے ہُوئے نہ معلوم کیا تلاش کر رہا تھا۔ اُسی وقت ایک لڑکا ایک بوسیدہ سی کتاب لیکر کمرے میں داخل ہُوا لڑکے کا نام سدھاکر تھا۔ یہ لڑکا نہایت زود فہم اور ذکی تھا۔ انبرناتھ اور اس کے درمیان پہلے سے ہی بہت ربط ضبط تھا۔ سدھاکر نے آکر کہا۔ "آپ بہت مصروف ہیں۔ مجھے کچھ دریافت کرنا تھا۔"

"بہت اچھا۔ سوال کرو۔ میں یہ کام بعد میں کر لوں گا۔"

سدھاکر نے اوراقِ پریشاں نکالے۔ اور پوچھنا شروع کیا۔

امبرناتھ نے سمجھانا شروع کیا۔ اور نہایت قابلیت سے توضیح و تشریح کی۔ باتوں باتوں میں ایک۔ بحث چھڑ گئی۔ آتما گن پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ نہیں؟ "نیائے کہتا ہے — آتما اچیتن اور آکاش کی طرح گن وششٹ دربیہ روپ ہے۔ اچیتن ہوتے پر چیتن۔ اور گن کی ستّا کی وجہ سے آتما کو چیتن کہا جاتا ہے۔ مگر آتما دھرم کا کرتا اور دنیاوی سکھوں کا بھوگنے والا ہے

نیائے کی یوکتی کی خلاف باتیں سنکر امبرناتھ کو ہنسی آگئی +

اس قسم کے کتنے ہی سوالات سدھاکر نے کئے اور امبرناتھ نے معقول جواب دیئے۔ سدھاکر کی تشفی بھی ہوگئی۔ رتنا ناتھ بھی چپ چاپ یہ مکالمہ سن رہا تھا۔ باتوں باتوں میں امبرناتھ نے یہ خیال ظاہر کیا۔ کہ آتما و پرماتما ایک ہے +

غضب ہوگیا۔ شکایت کی گئی۔ اسی دن رنا ملیچھ نے امبرناتھ کو بلا کر کہا۔ "تمہیں بہت ذکی سمجھا ہوا کل مجھ سے اقرار کر گئے تھے۔ اور آج ہی سب بھول گئے۔ ذرا صدارانی تو کسی طرح تم سے پورا کر لیتے پر تیار نہیں۔ پاٹ شالا کے لڑکے پڑھنے پر راضی نہیں۔ میں اکیلے کس کس کے ساتھ لڑائی کروں۔ بولو؟ اس سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ وصیت نامہ کے مطابق اب کسی اور شخص کو تلاش کرنا چاہئے۔ تم کیا کہتے ہو؟

سر جھکا کر امبرناتھ نے کہا۔ جو حکم ہو۔

رنا ملیچھ نے نالش وغیرہ کی دھمکی دیکر اسی آگ میں جلتے ہوئے اتنے ٹھہرے ہوئے امبرناتھ نے اتنی بڑی عزت کو چھوڑنے میں کسی قسم کے پس و پیش یا ہچکچاہٹ سے کام نہیں لیا۔ یہ دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے۔ نہایت تحیر آمیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے محبت آمیز لہجہ میں بولے "تمہارا قصور نہیں۔ کیونکہ تم نے اپنی ناقابلیت کا اظہار پیشتر ہی کر دیا تھا۔ اور اس وجہ سے اس کے لئے تمہیں کوئی رنج نہ ہونا چاہئے۔"

امبرناتھ نے سر جھکا کر نمسکار کیا۔ اور کہا جو آپ فرمائیں۔ بجا ہے +

گیارہواں باب

باغیچہ کے عین وسط میں ایک دو منزلہ کوٹھی نہایت قیمتی اور دلفریب سامان سے آراستہ تھی۔ دوسری منزل پر کھلی کھڑکی سے چراغوں کی صاف شفاف روشنی تاریکی پر حاوی ہوتی ہوئی بے زبان چاندی کی طرح تھرک تھرک کرناچتی ہوئی نظر آرہی تھی۔ اسی روشنی میں جا بجا پھولوں سے لدے ہوئے درخت تھے۔ کہیں بعض بعض درختوں کے سُرخی مائل پتّے اس روشنی سے ٹکرا کر عجیب وغریب رنگینی دکھا رہے تھے۔ اور بیچ بیچ میں کمرے میں لوگوں کا اُٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا سایہ کیطرح اس روشنی میں نمودار ہو جاتا تھا۔ گویا تاریکی سے بھرے ہوئے آسمان میں بجلی کھیل رہی تھی۔

کمرے میں ایک گدگدا بستر ہوتا تکیہ۔ جھاڑ فانوس کی روشنی اور پنکھا غرض کسی چیز کی کمی نہ معلوم ہوتی تھی۔ ایک طرف ایک میز رکھی ہوئی تھی۔ اس کے دونوں جانب دو بڑی بڑی آرام کرسیاں رکھی تھیں۔ دیواروں پر خوبصورت اور دلکش تصاویر آویزاں تھیں۔ تمام کمرا پھولوں کی بُوئے خوش سے معطر و معنبر ہو رہا تھا۔ بیلا اور سارنگی کے دلکش آوازوں سے تمام مکان تھا۔ اُسی سُر کے ساتھ سُر ملاتی ہوئی زہرہ بائی گا رہی تھیں۔

کمرے کے بیچوں بیچ گاؤ تکیہ کے سہارے صاحب خانہ مرگانگ موہن بابو اپنے دوستوں کے یکسوئی سے گانا سن رہے تھے۔ دوستوں میں بعض تالیاں بجاتے تھے کوئی پاؤں سے تال دے رہا تھا بعض نکتہ رس حضرت سر ہلاتے جا رہے تھے۔ سب کے سب فرطِ سرور سے بیخود ہو رہے تھے۔

بہت رات گذرنے پر ناچ گانا برخاست ہوا۔ لوگوں نے آرام کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ احباب وغیرہ اپنے اپنے مکان واپس گئے۔ ندرانہ لیکر بائی جی بھی استاد جی کے ساتھ ساتھ واپس ہوئیں۔ اسوقت مرگانک بابو بھی ایک دلفریب راگنی میں کچھ گنگناتے محل کے اندر داخل ہوئے۔

مگر باہر جو رونق اور چہل پہل تھی۔ اندر اُس سے کہیں زیادہ بے رونقی اور تاریکی تھی

یکایک دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے اس مکان میں کوئی رہتا ہی نہیں۔ مرگانک بابو سامنے والے برآمدے میں کھڑے ہو کر پکارنے لگے۔ "ویدی! ارے" کسی نے کوئی جواب نہیں دیا ایک چڑیا اس آواز سے خائف ہو کر مکان سے باہر اڑ گئی باہر درخت پر الو کرخت لہجہ میں چلا اٹھا جیسے وہ دونوں ایک ساتھ ہی بولنا چاہتے تھے۔ رات کو اس موقعہ پر صرف میرے لئے تم یہاں کیوں؟ مگر دنیا میں انسان ایک عجیب الخلقت ہستی لے کر آیا ہے۔ اس کا اقتدار سب پر ہے وہ زور زور سے چلا اٹھا۔ ویدی! ویدی! اسن

اس بار بھی کسی نے جواب نہیں دیا۔ ویدی تو خوب نیند میں چور تھیں مگر ذرا دیر بعد ہی کسی کے دروازہ کھولنے کی آواز سنائی دی۔ اور ساتھ ساتھ کسیقدر کھلے ہوئے دروازے سے تاریک کمرے کے اندر چراغ کی مدھم روشنی تیز دھار والی چھری کی طرح دم بھر کے لئے دکھائی دی۔ مرگانک موہن نے دم بھر کے لئے اس طرف نگاہ پھیری دروازہ کی طرف دیکھتے ہی ان کی خوشی فکر سے تبدیل ہو گئی۔ وہ سوچنے لگے جاؤں یا نہ جاؤں۔ مگر کچھ دیر بعد ہی چلے معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت ان کے دل میں شرم اور خود غرضی دونوں ساتھ ساتھ ہی آ گئی تھی تھی۔

کمرہ بہت چھوٹا نہیں تھا۔ اسباب سے مفلسی کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ پلنگ پر ایک بالکل نیا اور صاف ستھرا بستر بچھا ہوا تھا۔ نیچے کے فرش پر ایک کتاب کھلی ہوئی پڑی تھی۔ اس کے پاس ہی فتیل سوز پر ایک چراغ تیل کی کمی کی وجہ سے ٹمٹما رہا تھا۔ مرگانک موہن دروازے کے پاس کھڑے ہوئے چاروں جانب نگاہ ڈالتے رہے۔ بالآخر دیکھا۔ کہ ایک طرف کسیقدر گھونگٹ نکالے ہوئے ایک عورت کھڑی ہے۔ مرگانک موہن نے پوچھا۔ ویدی کیا سو گئیں؟ جواب نہ پاکر پھر بولے۔ ان سے کہدینا۔ میں صبح کی گاڑی سے چلا جاؤں گا۔ شاید ملاقات نہ ہو سکے۔ اس لئے ان سے کہدینا۔ کہ ناراض نہ ہوں۔

کمرے میں جو عورت کھڑی ہوئی تھی۔ وہ کمسن تھی۔ عمر سترہ اٹھارہ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ دیکھنے میں نہایت حسین اور خوش ادا۔ ایسا دلاویز حسن ذرا کم ہی دیکھنے میں آتا ہے۔ مرگانک موہن کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ یہ بھی نہ معلوم ہوا۔ کہ اس نے سنایا

نہیں۔ شرم سے پانی پانی بھی نہ ہوئی جوں کی توں کھڑی رہی۔ اُس کے چہرے پر خوشی کے آثار بھی نہ دکھائی دیئے۔ مرگانک کے ساتھ اُس کا کیا رشتہ تھا؟ یہ بھی معلوم نہ ہو سکا۔ جاننا بھی نہایت مشکل ہے۔ دل کی دھڑکن زیادتی پر تھی۔ کاش وہ سر ہلا کر اشارہ کر دیتی۔ تو مرگانک موہن کو تسلی ہو جاتی۔ مگر عورت کی یہ بے حس و حرکت مورتی دیکھ کر وہ کسیقدر پریشان سا ہو گیا۔ اصل بات تو یہ تھی۔ کہ مرگانک موہن اپنی بہن سے کسی قدر ڈرتا تھا۔ بغیر بتائے چلے جانے سے بعد میں اُس کی کیا حالت ہوگی؟ یہ وہ خوب جانتا تھا۔ لڑکی کی یہ حالت دیکھ کر مرگانک موہن کو کسیقدر طیش آگیا۔ جھنجھلا کر بولا "سُننی ہو یا نہیں؟ ویدی سے ضرور کہدینا بھول نہ جانا۔ میں ایک خاص مگر ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ واپس آنے پر ان سے میں تمام باتیں بتاؤں گا۔ شام کو اطلاع ملی ہے۔ اسی وجہ سے میں ابتک اُن سے نہ مل سکا۔ بتاؤ۔ کہدو گی؟

اس مرتبہ عورت نے زبان کھولی۔ اپنے کھلے ہوئے مگر خشک بالوں کو پیشانی سے ہٹا کر پوچھا۔ کہاں جاؤ گے؟

اس سوال کو سُنکر مرگانک موہن حیران رہ گیا۔ اُس نے بھول کر بھی یہ نہ سوچا تھا کہ اُس کی نسبت اس عورت کے دل میں کوئی شک ہوگا۔ اپنی حیرانی چھپا کر اُسی مدھم روشنی میں مرگانک موہن نے دیکھا۔ کہ گھونگر والے گنجان بالوں کے درمیان اُس کا چاند جیسا چہرہ کسیقدر جھلک دکھا رہا ہے۔ آنکھوں سے پُر سکون نور کی شعاعیں نکل رہی ہیں۔ وہ نگاہ دُنیا کی تمام سوز اور جلن میں طراوت بخش اثر بخشتی تھی شاید اس خوف سے کہ اُس کی موہنی شکتی میں مرگانک موہن کہیں دیوانہ نہ ہو جائے۔ اس خیال سے اُس نے اپنی نگاہ اُسطرف سے ہٹالی۔ کچھ سوچکر آہستہ سے مرگانک موہن نے کہا۔ ایک ضرورت کی وجہ سے جا رہا ہوں +

"کہاں"؟

"ایک جگہ"

"کس جگہ؟"

اُس آواز میں تیزی نہیں تھی۔ نہ جانے کی بیقراری تھی۔ مگر سختی بہت تھی۔ سُننے والا

بڑی مشکل میں پڑ گیا۔ ناراض ہو کر بولا "کیا تم دنیا کے ہر حصّے کی خبر رکھتی ہو؟ مجھے مجبوراً تمہیں اپنے کام کا تمام حساب کتاب دینا ہوگا؟"

اُس عورت کے لطیف مگر نازک ہونٹوں پر ہنسی کی شعاع نمودار ہوئی۔ کچھ بھی نہ بولی۔

مرگا تنگ موہن نے کہا: "اچھا یہی بات! مجبوراً تمہارے ساتھ مجھے شادی کرنی پڑی اُس نقطۂ خیال سے تو میرے اُوپر تمہیں تمام اختیارات حاصل ہیں۔ اسی خوف سے تو میں نے سہاگ رات میں تم سے کہہ دیا تھا۔ اور تم نے بھی خوشی سے منظور کر لیا تھا۔ کہ کبھی بیوی کے حقوق کا دعوے نہیں کروگی۔ آج پھر تم اُس بات کو کیوں بھول گئیں؟"

یکایک جیسے چراغ ہوا کے جھونکے سے بھبھک اُٹھتا ہے۔ اور دم بھر میں تمام کمرے میں اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اُسی طرح مرگا تنگ موہن کی ان باتوں نے بیوی کے چہرہ پر اُمّید کی جھلک ڈال کر سیاہی کا پردہ گرا دیا۔ اُس تاریکی میں شرم۔ ایمان اور غصّہ تمام یکجائی طور پر شامل تھے — غصّہ تھا۔ وہ صرف اپنے اُوپر تھا۔ وہ کچھ نہ کہہ کر بجھنے والے چراغ کی بتی بڑھا کر اُسی پر غور و خوض کرنے لگی مگر اُس کے کانپتے ہوئے ہونٹوں کی تھرتھراہٹ اور آنکھوں کا یکایک بند ہو جانا مرگا تنگ کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہا۔ وہ کچھ دیر تک خاموش رہا۔ جیسے کوئی ایک مشکوک جذبہ دم بھر کے لئے اُس کے دل میں بھی پیدا ہو گیا تھا۔ مگر تھوڑی دیر بعد اپنی بھرپور طاقت سے اُسے دُور کر کے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کیوں اچھا؟ کیا کچھ ناراض ہو گئی ہو۔ میرا اور تمہارا تعلق تو ایسا نہیں جس میں غرور یا غصّے کا دخل ہو۔ یاد ہے جب سہاگ رات کو میں نے تم سے تمام باتیں کہہ دی تھیں۔ کیا تم سے نہیں کہا؟ کہ ماں باپ کی وفات کے بعد دیدی نے ہی مجھے آدمی بنایا ہے۔ دُنیا میں میں صرف اُنہی کو پیار کرتا ہوں۔ اُن کی دلی خواہش تھی۔ کہ میری شادی ہو جائے۔ اُنہیں پختہ یقین تھا۔ کہ شادی کا بندھن مجھے آوارہ گردی سے باز رکھیگا۔ مگر مجھے شادی کی خواہش اور ضرورت کبھی محسوس نہیں ہوئی۔ ایک حقیر لڑکی کو اپنے گلے کا ہار بنا کر تمام زندگی اُسی کے ساتھ جکڑے رہ کر ہر قسم کے سکھوں کو تلانجلی دینا میرا کام نہیں۔ تمہارے باپ کی ضد کی وجہ سے مجھے شادی کرنی پڑی۔ اُسوقت میں نے یہ سوچا۔ کہ بس اُسی قدر کافی ہے۔ دیدی بہو چاہتی ہیں۔ اُنہیں

بھلادی۔ تمہارے باپ کے اوپر رحم کھاکر میں نے بغیر کسی حیلی و حجت کے تمہیں قبول کرلیا۔ اب اور کیا چاہتی ہو۔ میں اگر آزادی سے زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔ تو اسمیں کیسا کیا ہرج ہے تم کھاؤ۔ پہنو۔ گھر دیکھو میں تمہارے ساتھ کوئی بُرا سلوک تو نہیں کرتا۔ بتاؤ تمہیں کچھ شکایت ہے۔ ؟ ہم دو دوست کی طرح آپس میں ملجاتے ہیں۔ مگر ایکدوسرے کے حقوق کے دعویدار نہیں ہوتے۔ ہم دونوں نہایت آرام سے رہتے ہیں۔ اچھا۔ ویدی سے تم تمام باتیں سمجھا کر کہدینا۔ "۔۔۔ اور تم ـــــ اگر کچھ سُنا چاہتی ہو۔ کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ تو پھر سنو۔ تم میرے دوست ہو۔ تمہیں کیا میں تکلیف پہنچا سکتا ہوں۔ جو تم نے سوچا ہے۔ وہ بات نہیں ہے پہلے جیسے میں دوستوں کے ساتھ رنگ رلیاں منانے کی غرض سے کلکتہ جایا کرتا تھا۔ اب نہیں جاتا۔ راج نگر میں ماں کے ماما کے گھر جاؤں گا۔ اُنہوں نے لکھا ہے۔ کہ خط پاتے ہی آجانا۔ اسی وجہ سے سوچ رہا ہوں۔ کہ کیا بات ہے۔ دیر کرنا مناسب نہیں۔

بات ختم ہونے کے بعد ہی مرگانک موہن سیٹی بجاتے خوش خوش چلا گیا۔ بہت دیر تک مغموم و متفکر رہنا اس کی عادت کے خلاف تھا۔ اُس کے چلے جانے کے بعد اُسکی بیوی یا دوست اپجا نے چراغ سے اپنی توجہ ہٹالی۔ اُس کی چوڑی پیشانی نفرت اور شرم سے اُسوقت بھی سرخ ہو رہی تھی۔ ایک درد آلود سانس کو نئی بےعزتی کی آگ سے جلا کر اُسنے دروازہ بند کرلیا۔ اپنے دل کو لعنت و ملامت کرتی ہوئی جھنجھلا کر دل ہی دل میں بولی "چھی! میں ایسی ہوں۔ مجھ میں ذرا بھی تمیز نہیں کیوں ایسے فضول توہمات اور شکوک کو میں نے اپنے دل میں جگہ دی۔ اب بہت محتاط رہنا پڑیگا۔ باپ ماں کے سر سے بار تو اُتر ہی چکا ہے۔ اب میں کنواری بھی نہیں رہی یہی میرے لئے بہت ہے۔ اس سے زیادہ انسان کیا چاہتا ہے؟

ان منی سی ہوکر وہ بستر پر آبیٹھی۔ چراغ گل ہونے کی تیاریاں کہہ رہا تھا۔ کمرے کے نصف حصہ پر تاریکی کا اقتدار ہوچکا تھا۔ اُسی سنسان آدھی رات کو ٹمٹماتی ہوئی چراغ کی روشنی میں بستر کے نیچے بیٹھی ہوئی جوبن و جوانی سے بادآور نازنین دل ہی دلمیں سوچنے لگی "دُنیا میں عورت کے لئے بدصورت ہونا ہی سب سے زبردست دُکھ ہے۔ مگر میری نسبت

کس بدھوا کا دُکھ درد زیادہ ہے؟ اُسے تو گذشتہ سکھ کی یاد سے ہی آنکھوں میں آنسو جاتے ہیں۔ مگر میرا کیا ہے؟ کچھ نہیں۔ نہیں۔ نہیں! اچھی! میں یہ کیا سوچ رہی ہوں؟ خواہ مجھ پر کتنا ہی دُکھ کیوں نہ آئے۔ مگر میں پھر بھی سدھوا ہوں۔ انھیں کبھی نہ کبھی تو دیکھنے پاتی ہوں۔ غریب بیوہ عورت تو ہر چیز سے محروم رہتی ہے شاید یہی اس کے لئے سب سے زبردست دُکھ ہے!"

مرگانک موہن عرصۂ دراز سے اپنی مرضی کے مُطابق کام کرتا تھا۔ اُس کی بہن بھی کسی طرح اُس کے کام میں خلل انداز نہ ہو سکتی تھی۔ وہ پڑھا لکھا ضرور تھا۔ مگر کام کچھ نہیں کرتا تھا۔ خوش تقریر بہت تھا۔ پہلے اُسے انگریزی رسالوں میں مضامین دینے کا بہت شوق تھا۔ مگر اسوقت وہ تمام شوق جاتا رہا۔ اس کے علاوہ اُس کو کسی اچھے کام میں حصّہ لیتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ ہمیشہ ناچ رنگ تان ترنگ میں ہی رہتا تھا۔ کبھی اپنے گھر پر کبھی کسی دوست کے گھر۔ دن کو دن اور رات کو رات نہیں سمجھتا تھا۔ بہن نے بڑی سر دردی اور تکلیف سے بھائی کو اتنا بڑا کیا تھا۔ اس کے بعد شادی کی فکر ہوئی۔ لڑکی تلاش کرنے لگیں۔ جو ہر طور اچھی ہو۔ ایک غریب شخص کو مصیبت میں گرفتار دیکھ کر اُن کے رحم و کرم کا چشمہ اُبل پڑا۔ اور اچھی ساعت میں ابجا کے ساتھ مرگانک موہن کی شادی کردی۔ مگر اپنی عادت کے بموجب وہ گھر پر نہ ٹھہر سکا۔ بہن کو بہت غصّہ معلوم ہوا۔ اور اسی وجہ سے اُنھوں نے بہو کو گھر بلا لیا۔ سہاگ رات کے دن بیوی کو اُونچ نیچ سمجھا کر اُس نے کہا۔ زیور۔ کپڑے کی تمہیں کمی نہیں۔ ہر چیز موجود ہے۔ سُکھ سے زندگی بسر کرو مگر میرے خاص معاملہ کسی قسم کی دست اندازی نہ کرنا۔ جو میرے جی میں آئیگا۔ کروں گا کیوں تم راضی ہو نہ؟"

نئی بہو بالکل لڑکی نہ تھی۔ شوہر کی یہ بات سُنکر وہ بہت چکرائی۔ مگر عورتوں کی فطرتی خصلت کے بموجب اُس نے اطمینان سے اپنی گردن جھکا کر یہ اظہار کیا۔ کہ اُسے سب کچھ منظور ہے۔ مرگانک نے سوچا۔ "بہت اچھا۔ بچ گیا۔ شادی تو ہو گئی۔ مگر آزادی ہاتھ سے نہ گئی۔

نئی بہو بدستور اپنا سر جھکائے رہی۔ اُس کے دل ہی دل میں اتنے بڑے درد نے ایک تلاطم خیز ہلچل مچا دی۔ عضو عضو میں جیسے سُوئیاں سی چبھنے لگیں۔ مگر زبان سے اُس

تکلیف و درد کا اظہار نہ کر سکی۔ اسی دن سے یہ دونوں شوہر و بیوی دوست کے رشتہ میں تبدیل ہوئے مگر بدھاتما نے اس دولت سے عام انسان کو اچھی طرح مالا مال نہیں کیا۔ رفتہ رفتہ اس بندھن کی زنجیریں ڈھیلی ہونے لگیں۔ مرگانک اپنے رنگ میں تھا۔ اجا گھر گرہستی کے کاروبار میں مصروف رہتی تھی۔ اس کے علاوہ اس کی نند بھی خاص طور پر نگاہ رکھتی تھی۔ اس خوف سے کہ کہیں مرگانک بالکل بیوی کی مٹھی میں نہ آجائے۔ اور وہ بھائی سے ہات دھو بیٹھے۔ اسی وجہ سے وہ ہر وقت محتاط رہتی تھی۔ اور اس میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔ عام عورتوں کا یہی حال ہے۔ جب انھوں نے دیکھا۔ کہ نئی بہو لاثانی حسن و جمال کا نذرانہ لیکر شوہر کے پاس گئی۔ اور اس نے قبول نہیں کیا۔ اسوقت اس نے بہو کو دو چار جلی کٹی باتیں بھی سنائیں مگر دل ہی دل میں بہت خوش ہوئیں۔ بولیں "یہ دیکھ ایسے لڑکے ہوتے ہیں۔ میرا بھائی کتنا اچھا ہے۔ بعد میں شاید میری محبت میں کمی آجائے۔ اس خیال سے بہو کی جانب آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ بڑا لائق لڑکا ہے۔" اور یہ بات بھی بالکل سچ ہے۔ کہ اس دنیا میں جس کی ایک جگہ عزت ہوتی ہے۔ اس کی ہر جگہ تعظیم کیجاتی ہے۔ یہ چیز اصل دولت ہے۔ اس کا سود ہمیشہ بڑھتا رہتا ہے۔ جس کے پاس یہ نہیں۔ اس کے پاس کچھ نہیں۔ شوہر کی محبت سے محروم اجا نند اور دیگر عورتوں کی جھاڑ سننے کی چیز ہو گئی۔ گھر میں لکشمی کا درجہ وہ نئی بہو نہ پا سکی اسی لئے شوہر کو کھو کر رتی نے کہا تھا۔"

ایک طرف شوہر کا یہ عجیب و غریب خیال۔ دوسری طرف بیوی کا یہ حال! وہ تو شوہر کی رفاقت اور بھگتی کا دم بھرتی تھی۔ وہ غریب تو سال بھر سے اس مکان میں اس بے عزتی سے زندگی کے دن کاٹ رہی تھی۔ اور صرف اس زور پر! کہ اس میں قوت برداشت اور صبر کا مادہ غیر معمولی تھا۔ ورنہ کسی دن رو دھو کر بے کھائے پیئے باپ کو اپنی موت کا خوف دکھا کر اس گھر سے جنم بھر کے لئے کہیں باہر ہو جاتی۔ اور باہر کا تمام شور و شر۔ لعن طعن کی آواز اس کے مطمئن دل کو ہلچل سے بھرپور کر دیتی اور بار ہا رات کے آخری حصے میں بھائی کو غیر موجود دیکھ کر اس کی بہن مہابھارت مچا دیتی۔ تلاش میں ادھر ادھر کتنے ہی اشخاص دوڑتے شکایت سنتے سنتے اجا کے کان پک جاتے۔ بہو ہو کر وہ شوہر کو اپنی محبت کی زنجیر سے جکڑ کر

ہیں رکھ سکتی، وغیرہ وغیرہ..........

بارہواں باب

مندر میں اب کسی قسم کی بے چینی یا لڑائی جھگڑے کا نام نہیں تھا۔ اب وہاں شانتی دیوی کا راج تھا۔ پہلے کی طرح پرانی جگہ پر نئی طاقت نے اپنا اقتدار جمایا۔ برہم لوک سے نرلوک تک تبدیلی کا یہی قانون ہے۔ کائنات اپنے کروڑوں سورج۔ چاند اور تاروں کو ساتھ لئے ہوئے لگاتار رقص کناں قدرت کے ساتھ تال دیتی ہوئی بنتی اور بگڑتی رہتی ہے۔ اسی بننے اور بگڑنے کی صورتیں جو وقت کے سینہ پر سوار ہو کر کائنات کی نیرنگیوں کا تماشہ دکھاتی رہتی ہیں۔ انھیں کا نام جگ اور جگانتر ہے۔ اسی جگ میں طلوع و غروب کا کھیل ہوتا ہے کال کے سمندر کی لہریں۔ سال۔ مہینے۔ پاکھ اور دن رات کی صورت میں منقسم ہیں۔ یہ تمام متحرک ہیں۔ سب تباہ ہو جاتے ہیں۔ اور اس کی جگہ کوئی اور نئی شے آ کر لے لیتی ہے۔ جو شے کال کے سمندر میں جا کر مل جاتی ہے۔ وہ پھر واپس نہیں آتی۔ صرف اس کی ہنسی اور رونے کی یادگار انسان کے دل میں اپنی ہستی کا نقش بنا دیتی ہے۔ مگر اس میں ایک خصوصیت ہے اور وہ یہ کہ یا تو وہ یاد نہایت دکھ پہنچاتی ہے۔ یا سکھ کے اتھاہ ساگر میں غوطہ دیتی ہے یعنی حالت بہت اطمینان بخش ہے۔ دیگر چھوٹی چھوٹی تمام یادگاریں موسم سرما میں قطرات شبنم کی طرح آفتاب کی پہلی شعاعوں سے ٹکرا کر اپنی ہستی کا نام و نشان مٹا دیتی ہیں:۔

انیرادھ کے مختصر اختیارات کے دنوں میں اس قسم کا کوئی خاص واقعہ ظہور پذیر نہیں ہوا۔ بالی اب بے فکری سے ٹھاکر کے لئے پھولوں کی مالا بناتی تھی۔ نئے پروہت جی اس کے خاص ہاتھ سے تیار شدہ مالا اور پھول وغیرہ دیوتا پر چڑھا کر اور بھی خوش ہوتے تھے لڑکی کو خوش دیکھ کر ماں باپ بھی خوش ہوتے تھے۔ پروہت جی بھی پھولے نہ سماتے تھے۔ یہ کیا کم خوشی کی بات تھی۔ پرانے پروہت کو انہوں نے اپنی حکمت عملی سے نکلوا دیا تھا اگر کسی کو کوئی رنج تھا۔ تو وہ سدھاکر کو۔ بالخصوص جب سے کھانا پکانا پڑتا تھا۔ تو وہ تنہا بیٹھا ہوا انیرادھ کی یاد کرتا رہتا تھا۔ اور اس کی [illegible]

یہ بھی اُسی طرح ایک خوفناک حالت! اُس کے اس دیوتا کے چرنوں میں نذر کئے ہوئے جان و
دل کو کسی ایک حقیر انسان کے پیش کرنا ہوگا۔ سری کرشن کے چرنوں میں نیوچھاور کی۔
ہوئی یہ زندگی اور جوبن جوانی دیگر ایک انسان کے لئے بچپن کی تمام جائداد خریدنی ہوگی
کا تمام جسم جیسے ایک تحیّر آمیز خوف سے کانپ اُٹھا۔ دل ہی دل میں اس حالت کو وہ اچھی طرح
محسوس کرنے کی کوشش کرکے اپنے آپ کو سمجھاتی ہوئی کہنے لگی۔ میری یہ کیسی خوفناک حالت
ہے! میرے پشتینی مکان میں مجھے خود کیوں — بلکہ اپنے باپ کے کھڑے ہونے کے لئے بھی اپنی
ہستی بیچکر خریدنا ہوگا؟ ورنہ تمام خاندانی اعزاز جاتا رہیگا۔ میرے باپو جی میرے لئے ہی محروم
ہونگے۔ دادا باپو[1] تمہاری اِس زبردست محبّت نے کیا اس طرح بدلہ لیا؟ میں تو یہ سمجھتی تھی
دنیا سے جانے پر انسان کے تمام تعلقات ٹوٹ جاتے ہیں مگر جانے سے پیشتر ہی کیا تمہاری
محبّت کا خاتمہ ہوگیا تھا! حیران ہوکر وہ سوچنے لگی یکایک اُس کی زندگی میں یہ کیا بحر
ناپیدا کنار نظر آگیا۔! بے فکری سے سہارا لئے ہوئے جو سکھ کی زندگی وہ اتنے دنوں تک
مزے مزے سے بسر کر رہی تھی۔ یکایک آج کس منتر کے زور سے وہ تمام سکھ نظروں سے
اُوجھل ہوگیا؟

بہت دیر تک زمین و آسمان کے قلابے ملاتی ہوئی اُس نے یہ فیصلہ کیا۔ اتنا خوف کس لئے
ہے؟ اس شان و شوکت کو وہ اُس تار تار اور بوسیدہ لباس کے ٹکڑے کی طرح پھینک دیگی
یہ بھی بہت اچھا ہوگا ✚

پھر بھی یہ جسم کسی کو دان نہیں کر سکیگی۔ یہ اہم کام انجام پانا اُس کے لئے سراسر غیر
ممکن ہے۔ کہاں کا کون ایک شخص — شری دشنو! وہ اُس کا مالک اور مختار ہوگا۔ اُس کے
ماں باپ اور وہی ایک شخص جو آج سورگ میں ہے۔ اِن کئی شخصوں کے درمیان کھڑے ہونے
لئے کیا اس تختۂ زمین پر کہیں بھی جگہ نہیں۔ وہ کسی حالت میں بھی اپنے آپ کو کسی کے رُوبرو
زیر نہ ہونے دیگی ✚

مگر یہ زبردست اور جادو اثر منتر وہ دیر تک جاپ نہ کر سکی۔ مندر کا نظارہ خیال میں آتے

---

[1] بنگالیوں میں باپ کے باپ کو پیار سے دادا باپو کہتے ہیں۔ م

ہی دل کی نہ معلوم کیا حالت ہو نیلگی۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی ایک اور بات بھی اُس کے دل میں آئی ـــــ وہ اتنی دیر تک صرف اپنے ہی متعلق سوچتی تھی باپ کی تکالیف اور مصیبتوں کا اندازہ اس نے بھول کر بھی نہ کیا۔ اُس کے داوا با بو اور بزرگوں کے پاک گھر میں ایک [illegible] نہ معلوم کہاں سے کون ایک شخص ـــــ اُس کا نام بھی نہیں سُنا ـــــ [illegible] اور وہ لوگ؟ کسی لامعلوم شہر کے ایک کونے میں کرایہ کے مکان [illegible] زندگی درد والم اور رنج وغم میں گذارتے کسی بے جا [illegible] تمام بار سونپ دینگے۔ چپتر [illegible]

بستر اجو اس خاندان کے بچوں کے لئے ہمیشہ [illegible]

یہ سوچتے سوچتے اُس کی آنکھیں آگئیں [illegible] اپنے آپ [illegible]
بھی پتا اتنی مصیبتیں تو میری آنکھیں نہیں دیکھ سکینگی۔ کیا کروں؟"

مرگا [illegible] وہ بہت دن [illegible] دوا [illegible]

وہ سب [illegible] اُسے بھی [illegible]

اس مرتبہ جب وہ آیا۔ تو بانی کو دیکھ کر متحیر ہو گیا۔ [illegible]
وادھا رانی کی شادی کب کر رہی؟ وہ اب [illegible] لڑکی [illegible] رکھ کر جر
ہمیں تمہارے [illegible] سے پانی [illegible]؟"

کرشن پریا نے ایک گہرا سانس لیکر کہا [illegible] یہی [illegible]
تمہیں اسی لئے بلایا ہے۔ کہ تم سے مشورہ کرونگی۔

"اچھا اسی لئے مجھے بلایا ہے۔ تو میں تمہیں [illegible] جلد [illegible]
کی شادی کر دو۔ کرشن پریا اس کی بات سُنکر ہنستے ہوئے [illegible] قسم کا مشورہ تو سب دے سکتے ہیں۔ اس کے لئے تمہیں نہیں بلایا!"

بانی بھی شادی کے متعلق اور [illegible]
[illegible] کرشن پریا نے [illegible]
[illegible] ان کی دیوں [illegible]

جائداد ہاتھ سے جاتی رہیگی۔ یہ بات بھی انہوں نے چھپانی مناسب نہ سمجھی۔ مگر اتنی بڑی بات سُنکر بھی سُننے والے نے کسی ہچکچاہٹ یا فکر کا اظہار نہیں کیا۔ اُس نے اُسی بے پروائی سے کہا
وصیت نامہ کی بات کس کس کو معلوم ہے۔ میں جاننا چاہتا ہوں؟

"سنتی ہوں کہ بہت لوگوں کو علم نہیں ــــ صرف وکیل صاحب ہی جانتے ہیں"۔

پھر کوئی فکر کی بات نہیں۔ روپئے سے ان کا منہ بند کردو۔ کسیکو کانوں کان خبر بھی نہ ہوگی۔

کرشن پریا یہ فضول بات سُنکر کسیقدر چونک اٹھی۔ بولیں اس سے کیا ہوگا؟ یہ دھرم کا سنسار ہے۔ اتنے بڑے ادھرم کا کام کیسے کرسکونگی؟

مرگانگ نے کہا۔ دھرم کی کیا بات ہے؟ ناناجی کی عقل پر ضعیف العقلی کا پردہ پڑ گیا تھا ورنہ ایسی وصیت کیوں کرتے؟

کرشن پریا کچھ دیر تک خاموش رہ کر بولی "نہیں بیٹے! انہوں نے جو مناسب سمجھا کیا۔ ہمیں اس پر رائے زنی کرنے کا کوئی استحقاق نہیں۔ اسوقت بھی ایک تدبیر ہے۔ اور وہ تمہارے ہاتھ ہے"۔ ماجی جی! جو ہو۔ صاف صاف کہو۔ میں حتے الوسع تمہاری مدد کرونگا پندرہ دن کے اندر اندر ہی شادی کی لگن ہے۔ تمہیں ایک اچھا خاندانی لڑکا چاہئے۔ صرف خاندانی ہونے سے ہی تو کام نہیں چلیگا۔ سب باتیں ملنی چاہئیں۔ آج کل کے بازار میں تو ڈگری یافتہ لوگوں کی قدر ہے۔ خاندان کی طرف کون ۔۔ دیتا ہے۔ تمہارا حکم پاتے ہی میں کتنے بی۔ اے ایم۔ اے لا سکتا ہوں۔ مگر خاندانی لڑکے آج کل ملنے بہت مشکل ہیں۔

کرشن پریا کسی قدر خاموش رہ کر یکایک بول اٹھیں۔ کیوں بیٹا؟ تم تو موجود ہی ہو میں! مرگانگ اس مرتبہ فی الحقیقت چونک اٹھا۔ تحیر آمیز لہجہ میں بولا "مامی ماں! تم کیا کہتی ہو؟ میں موجود ہوں۔ بار ہا مضائقہ ہی کیا ہے۔ مگر میں تو نہایت بدنصیب اور غریب ہوں! مجھے لیکر تم لوگ کیا کروگی؟ تم نے کس دکھ سے دکھی ہوکر یہ بات زبان سے نکالی ہیں۔

کرشن پریا کے چہرے پر بڑے دکھ کی ہنسی دکھائی دی۔ بولیں "سنو مرگانک! دنیا میں بعض چیزیں ایسی ہیں جسکی کچھ قیمت نہیں ہے۔ اور وہ پڑی رہ جاتی ہیں اور بعض گراں قیمت ہونیکی وجہ سے بکنے سے رہ جاتی ہیں۔ ہم اس وقت ان میں سے ہیں جنکی کوئی قیمت نہیں۔ ایسی لڑکا جسکی کوئی قیمت نہیں

میں اُن کے ماں باپ سے بھی بدتر اور گئی گذری ہوں۔ تم کیوں انکار کرتے ہو؟ جب میں خود ہی تمہیں لڑکی دینے پر تیار ہوں۔ تو کیا بغیر سوچے سمجھے کہہ رہی ہوں؟

مرگانک ہنس اُٹھا۔ "مجھے انکار کیوں؟ ہری! ہری!! اقرار ہی کس بات کا؟ میں تمہارا بھانجا ہوں۔ اب داماد ہوں گا؟ تم کہتی کیا ہو؟ ــــ یہ کیا انگریزوں کا گھر ہے؟ بھائی بہن کی شادی؟ ــ ارے رام! ــــ"

"اس میں ہرج ہی کیا ہے؟ کلین کے گھروں میں تو ایسے رشتے آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔ میں نے کتنے ہی دیکھے ہیں۔ وہ اس سے بھی کہیں زیادہ قریبی ہیں۔ صرف یہی کیوں؟ بوا اور موسی کی لڑکی کے ساتھ بھی کلین کے لڑکوں کی شادیاں ہوتی ہیں۔"

کرشن پریا دل ہی دل میں کچھ بےچین سی ہو رہی تھیں۔ بیتابانہ انداز سے پھر بولیں تم اگر اسقدر انکار کروگے۔ تو ہم لوگ راستہ کے بھکاری ہو جائینگے۔ یہ بات تو میں تم سے پہلے ہی کہہ چکی ہوں۔ اسوقت تمہاری سمجھ میں جو مناسب معلوم ہو۔ وہی کرو جانتے تو ہو۔ کہ میرے سسر اس شادی سے پہلے ہی راضی تھے۔

یہ تو جانتا ہوں۔ اُسوقت مجھ میں آوارہ گردی کے کچھ نشانات نظر آئے تھے۔ وجہ سے وہ محتاط ہو گئے تھے۔ اور شادی نہیں کی۔ اس بات کو جانے دو۔ اب یہ دیکھئے میں بہت بُرا معلوم ہوگا۔ لوگ تمسخر اڑائینگے۔ تم جسوقت مجھے شادی کے موقع پر اپنے ہاتھوں سے کھڑا کروگی۔ اُسوقت مجھے ضرور ہنسی آجائیگی اور ہائی! جسے میں بچپن میں کتنی ہی بار اپنی گود میں لے چکا ہوں۔ اُسوقت وہی گھونگٹ نکال کر اندر ہی اندر میرے ساتھ چار آنکھیں کرے گی۔ کہو تو سہی۔ یہ کتنی بڑی اور ہنسی کی بات ہے۔ یہ تو تھیٹر کے سب سے بھی زیادہ دلکش ہوگی

کرشن پریا اپنی ہنسی نہ ضبط کر سکی۔ مُنہ پھیر کر ہنستے ہوئے کہا۔ ہنسو۔ ہنسو۔ خوب ہنسو۔ اس میں کوئی بُرائی نہیں۔ پھر میں اُن سے کہہ آتی ہوں۔ کہ تم شادی کرنے کیلئے راضی ہو۔ سوچ اور فکر میں اُن کی کیا حالت ہو رہی ہے؟ یہ کیسی ہنسنے والی بات ہے

یہ کہکر کرشن پریا اُٹھ گئیں مرگانک نے اُن سے کچھ نہیں کہا۔ وہ اس وقت نہ معلوم کیا

رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ خود بخود ہنسنے لگا۔

اُسی دن تلسی منجری داسی کے منہ سے نہ معلوم کیا سُنکر زمیندار کے گھر آئی تھی۔ اُس نے چاروں طرف تلاش کی مگر بانی کہیں نظر نہ آئی۔ اُسے آج کل جیسے کچھ اچھا ہی نہ معلوم ہوتا تھا وہ ٹھاکر پوجا کے علاوہ اور کسی وقت کمرے سے باہر ہی نہ نکلتی تھی۔ سینے پرونے کا تمام کام چھوڑ کر یا تو صرف بستر پر پڑی رہتی تھی۔ اور یا کھڑکی کے پاس بیٹھی ہوئی نہ معلوم کن خیالات میں مستغرق رہتی تھی۔ کسی طرح زندگی کے دن پورے کر رہی تھی۔ سب کہتے تھے۔ کہ یہ آج کل بہت مغموم و ہراساں رہتی ہے۔ مگر وہ خود اپنے منھ سے ایک لفظ بھی نہ نکالتی تھی۔ اور اگر کبھی کوئی کچھ پوچھتا تھا۔ تو بھویں چڑھا کر کہتی تھی "اب پھر کہاں کیا ہو رہا ہے؟" گویا لوگوں کی نگاہوں میں ہی تمام قصور تھا۔ دل ہی دل میں کہتی۔ لوگ میرے اوپر کیوں نظر رکھتے ہیں؟ کیا انہیں دنیا میں کوئی کام نہیں ہے؟"

آج منجری نے آکر اُسے بستر پر گرفتار کیا۔ اور ہنستی ہوئی طعن آمیز لہجہ میں بولی۔ ہاں جی رادھا رانی! آج یہ کیا سن رہی ہوں منھ کیوں پھیرے ہوئے ہو سکھی ایک گانا گاتی ہوں۔ سن!

آنکھیں تو نے کیوں پھیری ہیں   کیا ہے کیوں ابھمان؟
منھ لپیٹ کر پڑی ہوئی ہے   کیوں بیاکل ہے پران؟

بانی نے اُٹھ کر جلدی سے اُس کا منھ دبا دیا۔ گرجتی ہوئی بولی۔ ٹھہر ٹھہر۔ مجھے گانا بجانا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ تو تو ہمیشہ رنگ رس میں متوالی رہتی ہے۔ میں تو مر رہی ہوں اور تجھے راگ رنگ کی سوجھتی ہے۔

سکھی! تو کہتی کیا ہے۔ ایسی فرحت افزا اور دل خوش کن خبر سُنکر بھی راگ رنگ کی نہ سوجھیگی؟ اچھا یہ تو بتا کہ دن کون سا مقرر ہوا ہے؟ معلوم ہوتا ہے۔ ابھی دن نہیں مقرر ہوا بانی نے کہا۔ "نہیں مقرر ہوا۔ یہ تجھ سے کس نے کہا۔ ہو گیا۔ تو ہرج ہی کیا ہے؟ ۲۴ پھاگن کو آخری تزن۔

"بھی!"

"آخری دن کا مطلب کیا کچھ اور ہوگا؟"

منجری کی سمجھ میں پھر بھی کچھ نہ آیا۔ "ہاں" کہکر وہ کچھ دیر تک اُس کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔ اُسے ہنستے دیکھ کر سوچا کہ وہ مذاق کر رہی ہے۔ اسی وجہ سے اُس نے چڑھ کر کہا: "تیری یہ راز و نیاز کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں جاتی ہوں۔ تیری ماں سے پوچھوں گی۔"

"جا کسی طرح جا بھی مجھے چھٹی تو ملے۔" یہ کہکر بانی پھر بستر پہ لیٹنے لگی۔ اتنے میں مرگانک موہن نے "رادھا رانی" کہکر آواز دی منجری نے اُسے دیکھکر گھونگھٹ نکال لیا۔ اور ہٹ گئی۔ بانی نے لیٹے لیٹے جواب دیا "کیا؟" اتنے میں آنے والے کے قدموں کی آہٹ نے اُس کے دل کو کسی قدر پریشان سا کر دیا۔

"معلوم ہوتا ہے۔ آج کسی کی دعوت ہے۔ بہت بھیڑ بھاڑ ہے"

بانی بآسانی اُٹھ بیٹھی تھی۔ اور اپنی دلی تکلیف و شوخی کو دبانے کی کوشش کر رہی تھی۔ تمام جسم میں خون کا دورہ ہو رہا تھا۔ اُسی کے عکس سے جیسے خشک ہونٹوں پر بھی دلآویز سُرخی کی جھلک آگئی تھی۔ اُس نے ہنستے ہوئے جواب دیا: "آج نہیں دس دن بعد!"

"دس دن! بہت دیر——"

مرگانک اُس کمرے میں آگیا۔

باہر سے ہر چند دبانے اور کوشش کرنے پر بھی بانی کے دل کے اندر جو ایک زبردست ہلچل مچ رہی تھی۔ کم نہیں ہوئی۔ وہ مرگانک کی اس بے تکلفی سے کسی قدر ناخوش ہوئی تھی۔ مگر آج کل اُس کے دل کی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ کسی بات پر ہر کس و ناکس سے اُلجھ پڑے اپنے غصہ اور پریشانی کو دبانے کے لئے اُس نے آنچل میں اپنا منہ چھپا لیا۔ مرگانک ایک آسن کھینچ کر اُس پر بیٹھ گیا۔ اور کمرے کے چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ واہ! مکان تو خوب آراستہ کیا ہے۔ کھڑکی کے پاس جو بیلیں چڑھی ہوئی ہیں۔ اُن میں تو شگفتہ پھول اور کلیاں دیکھکر بہت طبیعت خوش ہوتی ہے۔ جب تو سُسرال جائیگی۔ پھر ان کی کیا حالت ہوگی؟

راج نگر کے زمیندار رہناتھ کی لڑکی سُسرال جائیگی؟ بانی یہ بات نہ برداشت کر سکی جلدی

سے سر اُٹھاکر بولی۔" میں کہیں بھی نہ جاؤں گی۔" اُسوقت سر سے پیر تک اس کا عضو عضو عبیر کی طرح سرخ ہو اُٹھا تھا۔ مرگانک متعجب ہو کر پرشوق نگاہوں سے اُس کیطرف دیکھتا ہوا ہنس رہا تھا۔ اُس کا یہ جواب سُنکر وہ نہایت تعجب کا اظہار کرکے بول اُٹھا۔" جب شادی ہو جائیگی تو وہ تجھے لیجائیگا ہی۔ چھوڑیگا کیوں؟"

"تو شادی نہ ہو گی"۔ اس جواب میں کچھ دیر نہیں لگی۔

"ماما مامی سنینگے؟"

"سُنینگے۔ اس میں ہرج ہی کیا ہے؟ اس جواب کے ساتھ ساتھ ہی بانی کے ہونٹوں پر ایک تحکمانہ مسکراہٹ کی جھلک دکھائی دی۔ اُس ہنسی کا مطلب تھا: کہ تم مجھے نہیں پہچانتے اسی وجہ سے شک کا اظہار کر رہے ہو۔ اس کے بعد دونوں کچھ دیر تک خاموش رہ کر یکایک ساتھ ہی ہنس پڑے۔ بانی نے اپنے دلی غصہ کو دبانے کے لئے مرگانک کی ہنسی دیکھکر ہنسی تھی۔ اُس کے دل میں اور ہونٹوں پر ہنسی کا نام بھی نہیں۔ آگ کے بیچ میں پتھر کی طرح گئی و ں تک پڑی ہوئی صرف اسکا دھواں سہ رہی تھی!

یکایک مرگانک بول اُٹھا۔ بانی! پھر کیا تیری شادی نہیں ہو گی؟ لوگ شادی کرتے ہیں۔ بیوی کو گھر لانے کے لئے۔ شادی کرکے بیوی کو گھر نہیں لیجائیگا۔ دُنیا میں اس قسم کا جاہلِ مطلق کون ہے؟ جو میرے جیسا شخص بھی کرنے پر آمادہ نہیں۔ پھر اور کون کریگا۔ ذرا بتا تو سہی؟"

نہایت بد اعتقادی کا اظہار کرکے بانی ہنس اُٹھی۔" ایسے جاہل مطلق بھی دُنیا میں بکثرت ہیں۔ اپنی بہت بڑائی نہ کرو۔ مرگانک دادا! تمہاری شادی ہوئی ہے؟"

"شادی! کیوں؟ میرے جیسے شخص کی شادی ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"اور لڑکی کی ہو گی؟"

"یقیناً شاشتر کہتا ہے۔ عورت پہلے باپ۔ پھر شوہر۔ ازاں بعد بیٹے کے زیرِ حکومت رہے۔ اس کی آزادی کے متعلق تو شاستروں میں کچھ نہیں لکھا۔

"خوب۔ شاستر کی بات خوب کہی۔ عورت اور مرد میں اس قدر فرق! کیا اسی وجہ سے

شاستروں کا یہ حکم ہے کہ مرد بغیر شادی کے رہیگا۔ اور عورتیں شادی شدہ ہوکر رہینگی۔"
وہ ٹھیک ہے مگر یہ کیوں نہیں ہوگا۔ سوچو۔ اگر میں کسی سے شادی کروں اور اُس کیساتھ
بیوی کا رشتہ چھوڑکر دوست کا رشتہ قائم کروں۔ تو وہ میری بیوی نہیں ہوگی دوست
ہوگی؟ اس کی شادی ہوگئی ہے۔ یہ کون کہیگا؟"
سمندر میں ڈوبتے ہوئے شخص پر رحم کھاکر جیسے کسی نے ایک بہت بڑی لکڑی کا ٹکڑا
پھینکدیا چونک کر بائی نے دونوں آنکھیں پھاڑکر اس کی طرف دیکھ کر کہا "مرگانک دادا
یہ کیا بات؟ کیا کوئی ایسا شخص بھی دنیا میں ہے؟"
مرگانک نے ہنسکر کہا "کیوں؟ وہ شخص میں ہی ہوں۔"
"تو تمہاری شادی کیا نہیں ہوئی؟"
"ہوگئی۔ تو ہرج ہی کیا ہے؟ لڑکیوں کا بار تو تقریباً ہر شخص پر رہتا ہے۔ اس بار کو کہاں
پھینکا جائے۔ یہ سوچنے سے کام نہیں چلتا۔ جہاں موقع دیکھا۔ سبکدوش ہوگئے۔ میرے جیسے
ناقدردان شخص سے بھی گریز نہیں کیا۔ وہ رتن بہرے حوالہ کیا۔
آخری بات بائی نے دل لگاکر توجہ سے نہیں سُنی۔ وہ اسوقت سوچ رہی تھی۔ اگر شادی
کرنا ضروری ہے تو اسی شرط پر کروں گی۔ ورنہ اس زندگی میں کسی کی داسی ہوکر نہ رہ سکونگی۔
مرگانک نے اُس کی اُن مٹی صورت پر توجہ نہیں دی۔ وہ اپنی جھونک میں بکتا رہا۔ عورتوں
کی شادی اگر نہ کیجائے۔ تو کام کیونکر چلے۔ تمہیں بتاؤ۔ ایک بزرگ کا قول ہے "عورتیں آتما
سے محروم ہیں۔ اسواسطے مردوں کے گلے سے انہیں باندھ دیا جاتا ہے۔ اور وہ خدمت کرکے
اُنہی کے پھل کے سورگ تک پہنچ سکتی ہے۔ ورنہ اس دُنیا میں تو اُن کی قیمت ایک چھوٹی
کوڑی بھی نہیں۔"
بائی کی آنکھوں میں غصّہ کا سایہ پڑا۔ اُس نے غضبناک لہجہ میں کہا۔ اسی لئے یہ شادی
کا پیچ رچا گیا ہے۔ شادی کا نام ہی غلامی ہے۔

تیرھواں باب (۱۳)

وہ خواہ غلامی ہو یا کچھ بھی ہو۔ مگر اس مرتبہ بانی دل ہی دل میں خوب سمجھ گئی تھی کہ اس بندھن کا سلسلہ توڑنے کے علاوہ اور کوئی تدبیر نہیں ہے۔ کرشن پریا اسکو مرگانک موہن کیساتھ بیاہ آسانی سے چلتے نہ دیکھ کر متحیر ہوئی۔ وہ طرح طرح کے خیالات میں غوطے کھا رہی تھی۔ اتنے میں بانی نے خود کہا "اگر بیاہ نہیں اس گھر سے قدم نہیں نکالونگی۔ یہ تمہیں ابھی سے بتائے دیتی ہوں۔" لڑکی کے خیالات نہیں دیکھ کر کرشن پریا نے مسرت آمیز لہجہ میں کہا "کون کہتا ہے کہ تو یہاں سے باہر قدم نکال؟

اور کوئی بھی یہاں رہیگا۔ یہ بھی کسی طرح نہیں ہوگا"

"اچھا یہ تیری بات کیسی؟"

"یہ ہو۔ تو شادی بھی نہیں ہو سکتی؟"

کرشن پریا نے ذرا غصہ کا اظہار کر کے کہا "تو یہ سب کیا کہہ رہی ہے۔ تیری اول جلول باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ مرگانک بیاہ کے یہاں ہی رہیگا۔ اس کا اپنی بہن کے گھر رہنا مناسب تو نہیں معلوم ہوتا۔ ایسی حالت میں تو یہاں ہی رہیگی۔ اور کہاں جائیگی؟"

ماں نے جس مقصد کو مدنظر رکھ کر یہ بات کہی تھی۔ بیٹی نے بھی اسی بات کو لیکر ایک دوسرے انداز سے کہا "وہ یہاں رہ کر کیا کریگا؟"

کرشن پریا اس مرتبہ ذرا غصہ میں آ کر بولیں "مرگانک جب میرا داماد ہوگا۔ پھر وہ یہاں نہ رہیگا۔ تو کہاں رہیگا؟ بانی! تیری تمام باتیں اوٹ پٹانگ ہوتی ہیں۔"

بانی کچھ نہیں سمجھ سکی۔ اسی وجہ سے کچھ دیر تک ماں کے چہرے کی طرف بیتابانہ نگاہوں سے دیکھتی رہی۔ کچھ دیر کے بعد تیز لہجہ میں بولی "اب یہ کیا کہتی ہو۔ میں تو سمجھ ہی نہیں سکتی اُف! کیسی باتیں — مگر یہ کسی طرح نہیں ہو سکیگا۔"

"یہ کیوں؟"

"نہیں۔ نہیں نہیں ہوگا۔ میں تو مٹی کے پتلے کے ساتھ بھی شادی نہیں کروں گی — یہی تو کہتی ہوں۔ عورتوں پر اس کی شرط تھا نہیں! — نہیں کبھی نہیں"

کرشن پریا نے غضبناک لہجہ میں کہا۔ جو تم مناسب سمجھو۔ وہی کرو۔ میں کچھ نہیں جانتی۔

غصّہ سے کرشن پریا لڑکی کے پاس سے اُٹھ گئیں۔ دِل ہی دِل میں سوچا۔ اِس گھر کے سب کے سب ایسے ہی ہیں جیسے ضدی خاندان کی لڑکی ہے۔ اُسی کے مطابق تو کرےں۔ اپنے اُوپر اسقدر وشواس! عورتوں کے لئے یہ بڑی بات ہے۔ لڑکی اور اُس کے باپ جو مناسب سمجھیں کریں۔ میرا الگ رہنا ہی مناسب ہے۔

یہ سوچ کر وہ اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ ایکبار سوچا۔ شوہر کو بُلا کر تمام باتیں کہے۔ پھر بعد میں خیال آیا۔ بیفائدہ ہے۔ اُن کے تمام جسم میں جیسے غرور اور خودپسندی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ بولیں — دُور ہو — بھاڑ میں جائے — مجھے کیا؟

شادی کی تمام باتیں پختہ ہو گئیں۔ یہ سُن کر سکھی منجری آئی۔ اور مسرت آمیز لہجہ میں بولی۔ "بہت اچھا۔ اچھا سکھی! اسوقت تیرے دل کی کیا حالت ہے؟ بتا تو سہی۔ بولتی کیوں نہیں۔ ایک ہی مانگ میں تو سر دی نہیں بھاگ جائیگی"۔

بانی نے دل کی حالت چھپا کر اُسی وقت جواب دیا۔ "بہت اچھی! — جیسی تیری حالت ہوئی تھی۔ ہو بہو اُسی طرح"

"میری! یہ کہکر منجری نے ایک حجابانہ ہنسی کا جلوہ دکھایا۔ پھر بولی "یہ ٹھیک نہیں میں سچ کہتی ہوں۔ کہ شادی کی ایک بات بھی مجھے اچھی نہیں لگتی تھی"۔

"کیوں؟"

"کیوں؟ بھلا بتا تو سہی"

"کیا بوڑھا بر تھا۔ اِسوجہ سے؟"

"ہاں! اسی وجہ سے" منجری کے دونوں رخساروں پر خون کے نشان نظر آئے۔ بانی نے اُسے ذرا دھکا دیکر ہنستے ہوئے اور غصّہ دکھلاتے ہوئے کہا۔ "دُر پگلی! اگر میں بھی ایسا ایک بُوڑھا پاتی۔ تو میرے خوشیوں کی انتہا نہ رہتی۔"

منجری نے ہنسکر کہا۔ "ابھی کیا ہو گیا؟"

"نہیں بھائی۔ اب نہیں۔"

کیوں؟"
مجھے سوت رکھنے کا حکم نہیں"۔
"کس نے منع کیا؟"
باجی نے مایوسانہ لہجہ میں کہا۔ بڑھاتا مانے اچھا اسوقت تیرے دل میں کیا خیال آتا ہے۔ کہ بوڑھے
ساتھ شادی نہ ہوتی تو اچھا تھا"
"دیدی ایسا کیوں؟ اسوقت تو یہ خیال آتا ہے۔ کہ ان کے ساتھ میری شادی نہ ہوتی۔ تو
طرح نہ چلتا۔ سچ بہن! ___ ایسا سادہ لوح اور اچھا آدمی اور کہاں پاتی؟ اس طرح کون
اشت کرتا؟
باجی نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ نہ معلوم کیا سوچکر اس نے ایک گہرا سانس
اسے مغموم دیکھ کر تلسی نے بات بدل کر کہا۔ جو ہو۔ بھائی۔ آپ پرانی باتوں کو جانے دو
نئی باتیں کرو ___ کیسا ہے؟
___ تو بہت اچھا ہے"
منجری یہ بات سنکر بہت مطمئن اور خوش ہوئی۔ اس نے اصرار آمیز لہجہ میں کہا۔"
یا تو ہو گا ہی۔ اچھا نہ ہوتا۔ تو تیرے ماں باپ کیسے راضی ہوتے؟ اتنے دنوں بعد تیری شادی
ہوئی۔ بڑے گھرانے کا لڑکا ہے نہ؟ گھر کہاں ہے؟
"بڑے گھرانے کا لڑکا ہے۔ یا نہیں یہ تو نہیں جانتی۔ مگر خود بہت بڑا آدمی ہے ___
گھر؟ ایسی کوئی جگہ نہیں۔ جہاں اسکا گھر نہ ہو"
"اب تو اہلِ دل شخص ہے۔ نہایت خوش نصیب شخص ہے۔ ان کی قسمت میں
کمی تھی۔ تمہارے ملنے سے وہ پوری ہو گئی۔ ان کا نام کیا ہے۔ اب تو بتانے میں کوئی ہرج
نہیں۔ بتاؤ نہ بھائی۔ ذرا میں بھی سنوں"
"جم"
"جا ___ جو منھ میں آتا ہے۔ وہی بک ڈالتی ہے۔
تلسی منھ بنا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور ذرا دیر بعد بے شرمی سے واپس آکر بولی "تیرے ساتھ

بات کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ اچھا صرف ایک بات بتا ۔۔۔ آٹھ دس دن بعد تو شادی ہے۔ مگر گھر میں کوئی سامان نظر نہیں آتا؟ میں تیری ماں کے پاس جاتی ہوں۔ اُن سے سب باتیں معلوم کروں گی۔ تجھ سے تو کوئی بات دریافت کرنیکا راستہ نہیں۔ سب اپنے پیٹ میں ہی رکھتی ہے۔"

بانی نے ہنس کر کہا: "اب جانتے ہیں اور کیا باقی رہا ہے۔ سامان کی نسبت کیا فکر ہے؟ ہری کیرتن ۔۔۔ ٹھاکر جی مندر میں موجود ہیں۔ آنگن میں تلسی چبوترہ اور گھر میں تلسی منجری ۔۔" منجری واقعی ناراض ہو کر چلی گئی۔

دوسرے دن صبح بانی کی جب آنکھ کھلی تو اُس نے گھر میں شادی کے شور وغل شروع ہونے میں زیادہ دیر نہیں دیکھی۔ ٹوکروں میں بڑے کے لئے دال لیکر داسی وغیرہ دریا میں دھونے جارہی ہیں۔ سُپاریاں کاٹی جارہی ہیں۔ بانی کا سفید چہرہ لال ہو کر یکبارگی راکھ کی طرح ہو گیا۔ دانت سے ہونٹوں کو دبا کر کسی طرح اُس نے اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ اُلٹے پاؤں واپس آکر کمرے میں داخل ہو کر وہ کسی طرح بستر پر دراز ہو گئی۔ دُکھ اور غصّہ سے جو خون ابتک اُسی کی رگوں میں جم گیا تھا۔ اس کمرے میں وہ آندھی کے جھونکوں سے متلاطم سمندر کی لہروں کی طرح جوش و خروش سے بہنے لگا۔ انسان یا دیوتا غرض کسی نے اُس کی حفاظت نہ کی۔ فی الحقیقت اُسے شادی کرنی پڑے گی؟

مرگانک موہن کے بخوبی ذہن نشین ہو گیا۔ کہ شادی کا تمام انتظام ہو رہا ہے۔

بھنڈار گھر میں بیٹھی ہوئی کرشن پریا نے جب چیزوں کی فہرست بناتے بناتے یکسوئی سے لڑکی کی نافرمانی میں مددگار شخص کے تصور کی پیمائش کر رہی تھیں۔ اُسی وقت مرگانک موہن نے آکر کہا: "امی جو چاہتی تھیں وہ کام نہیں ہوا۔ مجھے معاف کرو۔

کرشن پریا نے تحیّر آمیز نگاہوں سے دیکھ کر کہا: "بیٹا کیا کام؟

"یہی کہ میں تمہارا داماد بنوں۔ نہیں امی جی! میں جس حالت میں ہوں۔ میرے لئے وہی بہتر ہے۔ میں زیادہ عزت اور پیار نہیں برداشت کر سکونگا۔ اس کے علاوہ تمہاری لڑکی کو چھوٹی بہن کی طرح دیکھنا۔ اور اس سے محبت کرتا رہوں گا۔ وہ خونخوار ناگن ہے اُسکو

بہت نزدیک جانا مناسب نہیں۔ اور کیا وہ سوت کے ساتھ رہنا پسند کریگی؟ میں اسے خواہ دوست کہوں۔ وہ تو دل میں یہی سمجھیگی۔ کہ یہ میری سوت ہے!"

یکایک چھت پر بجلی گرنے سے جیسے انسان خائف ہو جاتا ہے۔ اُسی طرح کرشن پریا کی بھی حالت ہوئی۔ بہت مشکل سے بولیں "یہ سوت! کیا تمہاری شادی ہو چکی ہے؟" مرگانک کے چہرے پہ ہنسی نظر آئی۔ اُس نے کہا۔ "لوگ تو یہی کہینگے۔ اگرچہ میں خود جانتا ہوں۔ کہ میں نے کس قدر مجبور ہو کر ایسا کیا ہے۔ اور ایک دوست اپنے گھر لایا ہوں۔"

بات کا لہجہ اور انداز دیکھ سُنکر کرشن پریا کے دل میں کسیقدر شک پیدا ہوا تھا۔ کچھ عرصہ پیشتر اُنہوں نے جو یہ ارادہ کیا تھا۔ کہ میں لڑکی کی شادی کے معاملہ دخل نہ دونگی وہ ارادہ یہ سخت بات سُنکر نہ معلوم کہاں غائب ہو گیا۔ مرگانک کو ہنستے ہوئے دیکھ کر انہیں کسیقدر امید ہوئی پوچھا "کیا سچ کہتے ہو؟"

اُس نے کہا۔ "جھوٹ کہنے سے مجھے کیا فائدہ؟ ایک بار چند منٹوں کیلئے میں نے ارادہ کیا تھا۔ کہ میں تم سے جھوٹ بولوں گا۔ اور اُس دوست کی تمام بات پوشیدہ رکھوں گا۔ مگر اس ارادہ پر قائم نہ رہ سکا۔ میں شریر تو ضرور ہوں۔ مگر پاجی پن مجھ میں نہیں ہے۔ میں یہ شادی نہیں کر سکوں گا لیکن میں اتنا کر سکتا ہوں۔ کہ میرے یہاں ایک لڑکا ایک چھوٹا سا مدرسہ کھولنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ نہایت نیک ہے۔ ـــــ مجھ جیسا بدنصیب نہیں۔ وہ واقعی شادی کرنے کے قابل ہے اور بخوبی جانتا ہوں کہ تمہارے ہی گوتر کا لڑکا ہے۔ اگر کہو۔ تو اُسی کو لاکر شادی کرا دوں۔ تمہاری جائداد میں مجھے ایک پائی کا بھی لالچ نہیں۔ وہ تمام جائداد تمہارے پاس ہی محفوظ رہے۔ یہی میری خواہش ہے۔ میرے لئے یہی بہت ہے۔ میں ایک امیر شخص کا بھانجا ہوں اور اسی لئے ہمراہ سر جگہ اُونچا رہتا ہے۔ خود امیر بننے میں بڑا پاپ ہے۔ اسے میں برداشت نہیں کر سکونگا۔ آپ مجھے بیفائدہ سب کچھ دے رہی ہیں۔ میں تو دو ہی دن میں سب کچھ اُڑا دونگا"

کرشن پریا کی آنکھوں کے سامنے جیسے ایک پردہ سا پڑ گیا۔ لجاجت آمیز لہجہ میں بولی۔ "بچاؤ بیٹا۔ مجھے بچاؤ۔ وہ لڑکا کون ہے؟"

مرگانک نے کہا۔ اُس کا نام انبر ناتھ ہے۔

پہلی بات سُنکر بہت دیر تک خاموش رہ کر بالآخر جب کسیطرح کرشن پریا نے شوہر کے پاس جا کر سب کہا۔ اُسوقت اُس کے دِل میں زبردست شک اور کسیقدر نا امیدی کی جھلک بھی نمُودار ہُوئی تھی۔ مگر شوہر کے چہرے پر پریشانی کے آثار دیکھ کر اُس کے دِل میں نہ معلُوم کہاں سے ایک طاقت آگئی وہ خود ہی اُنہیں سمجھانے بجھانے لگی۔ اس میں عیب کیا ہے؟ کلین کے گھروں میں تو عرصہ سے ایسا ہی ہوتا ہے۔ وکرم پور سے اُس کی بُوا کے لئے جو لڑکا آیا تھا۔ وہ انبر ناتھ کی نسبت کس بات میں اچھا تھا؟ لڑکی کے قابل لڑکا تو ملنا کبھی ممکن ہی نہیں۔ پھر کیا کیا جائیگا؟ پھر یہ بات بھی ہیں سو بار کہونگی۔ کہ مرگانک کی نسبت انبر ناتھ کہیں بہتر ہے۔ مانا کہ وہ غریب ہے۔ مگر اس سے کیا؟ لڑکی سُسرال تو جائیگی نہیں۔ دھن دولت کی کمی نہیں۔ خانہ داماد اگر بنانا ہے۔ تب تو پھر کوئی غریب لڑکا ہی ملیگا؟ انگریزی نہیں پڑھا ہے۔ نہ سہی سنسکرت تو بہت اچھی جانتا ہے۔ اگر یہ سوچو۔ کہ وہ پوجا وغیرہ کرنا اچھی طرح نہیں جانتا۔ تو تم بھی تو یہ سب نہیں جانتے۔ ہندو گھر کی لڑکی ہے۔ باپ ماں جسے سونپ دینگے۔ اُسی کی بھگتی کرے گی۔ سسُر جی بھی ہمیشہ یہ بات کہتے رہتے تھے۔ یہ ٹھیک بات ہے۔ اولاد کا لاڈ پیار اگر حد سے زیادہ بڑھا دیا جائے۔ اور اُس کی تمام باتوں پر توجہ دیجائے۔ تو پھر ستیاناس ہی ہوجاتا ہے۔ اب زیادہ جھگڑے میں پڑنا ٹھیک نہیں۔ لڑکی کہتی ہے۔ کہ وہ ہمیشہ کنواری رہیگی ـــ کیا تمہاری بھی یہی خواہش ہے۔ نہیں یہ اچھا نہیں۔ یہی تمام باتیں سوچکر سسُر جی ایسا کر گئے ہیں۔ اب اس وقت عیب دیکھنے کا وقت نہیں ہے۔ سب ٹھیک کر لو۔

کرشن پریا نے ہر چند سمجھایا بجھایا۔ مگر رما بلبھ کسیطرح اپنے دِل کو مطمئن نہ کر سکے۔ یکایک وہ اتنے بڑے معاملہ کا فیصلہ کیونکر کریں۔ کہاں یونیورسٹی کا پاس شدہ لڑکا ـــ اور کہاں نا قابل اور گھر سے نکالا ہُوا بیکس انبر ناتھ! کس حوصلہ سے یہ بات وہ بانی کے کانوں تک پہنچائینگے؟

مگر [illegible] انہیں بہت دیر تک نہیں رہنا پڑا بانی کو یہ خبر بہت جلد مل گئی

پہلے ہی وہ داسی کے منہ سے یہ خبر سُنکر اور دِل میں مسخر سمجھ کر آگ بگولا ہو چکی تھی - بعد میں جب اُسے معلوم ہُوا - کہ یہ لفظ بلفظ سچ ہے - تو دلی تکلیف اور رنج سے وہ یکایک غش کھا کر گر پڑی تھی — اپنے مندر کے ناقابل پروہت کو بیعزتی سے جس نے نکال دیا تھا اُسی شخص کا پاؤں پکڑ کر باپ اُس کا دان کریگا؟ — اور اُس کا دیوتا کے چرنوں میں اپنا ہُوا جسم — اُسی ناقابل اور بے عزت بھکاری کے چرنوں میں سمرپن کرنا ہوگا؟ بانی نے سوچا - یہ بات سُننے سے پیشتر ہی وہ کیوں نہ مر گئی؟

کرشن پریا اُسوقت کام کاج میں مصروف تھیں - بانی نے اُن کے پاس پہنچکر کہا: "ماں! تمہیں آگ میں جلتا دیکھ کر میں جنگل میں چلی جاؤں گی - اگر میں نہ رہوں گی - تو دادا بابو کی وصیت پر تمہیں کاربند ہونا پڑیگا؟

"کیوں؟ کیا ہُوا؟"

"یقیناً تم سب کچھ جانتی ہو — بچہ بابوجی کی صلاح نہیں معلوم ہوتی - یقیناً یہ تمہارا مشورہ ہے - جس جگہ جتنی ہڈیاں پڑی ہیں - تلاش کر کر کے تمہیں اُنھیں نکالتی ہو"

کرشن پریا نے اپنی دونوں آنکھیں پھاڑ کر کہا: "بانی! تُو نے مجھے متحیر بنا دیا - برہمن کو گالی دینے کا حوصلہ تجھے کیسے ہُوا؟ اتنے دنوں تک پوجا پاٹ اور جپ تپ کر کے تُو نے یہی سیکھا ہے؟"

بانی نے اپنے دونوں ہونٹ لال کر کے کہا: "بڑا برہمن — واہ — "آتما اور پرماتما ایک ہے" جو ایشور کی ہستی نہیں تسلیم کرتا - وہ تو ناستک ہے - اگر وہ ناستک نہ ہوتا تو خود اکے پھول مندر میں لاتا - آستک نے بھی کبھی ایسا کام کیا ہے - اُسی وقت مجھے شک ہُوا تھا - کہ وہ خاندانی برہمن نہیں - برہمن کے گھر چھوٹے چھوٹے بچوں میں بھی عقل ہوتی ہے چھوٹی لڑکی بھی تلسی سے شیو پُوجا - اور خود اُسے وشنو پُوجا نہیں کرتیں - اُس دن جب آدتیا ناتھ نے آکر میرو جی نئے ٹھاکر جی پاٹ شالا میں بیٹھے ہوئے - بودھ مت کا پرچار کر رہے ہیں - سی وقت سمجھ گئی تھی - کہ وہ کون ہیں - اُسکا آتما دماغ! — ایشور کے ساتھ وہ ایک ہونا چاہتا ہے - اور آزادی سے دادا بابو کے مندر میں بیٹھ کر اپنی ناستک مت کا پرچار کرنیکا حوصلہ

کرتا ہے۔ بہت مشکلوں سے اُسے رُخصت کیا ہے۔ رکھشا کرو۔ ماں! دوہائی تمہاری! جو پاپ رام رام کرکے کسی طرح دُور ہُوا ہے۔ اب اُسی پاپ کو پھر لانے کی کوشش نہ کرو۔

کرشن پریا بہت دیر تک خاموش رہی۔ اتنی بڑی مخالفت ہونے پر بھی اس شادی کے متعلق کچھ کرنا۔ کیا مناسب ہوگا؟ **بانی** ماں کو خاموش دیکھ کر غصّہ سے چلی گئی۔ دُکھ۔ اپمان اور بے عزتی سے جیسے اُسکی آنکھوں سے آگ برسنے لگی۔ جاتے وقت راستہ میں ایک داسی نے کہا "دیدی! اُسوقت یہ کہکر وہ ہنسنے لگی۔ بانی نے اُسوقت جو اُس کے مُنہ میں آیا۔ کہہ سُنایا۔ اور اس طرح اپنی آگ بجھائی۔ داسی نے بلاوجہ اپنے اُوپر لعنت ملامت کی بوچھاڑ دیکھ کر سوچا۔ "دیدی کی طبیعت ٹھکانے نہیں۔ جب غصّہ کسی قدر کم ہوگا۔ پھر کہوں گی۔ وہ یہی سوچکر انتظار کرنے لگی۔ لوگ اپنی غلطی کا خمیازہ دوسروں کو اُٹھانے کے لئے مجبور کرتے ہیں۔

جب وزن۔ قافیہ آپسمیں مِل کر رنگینی کے زیورات سے مُرصّع ہوتے ہیں۔ تو اُن کے ملاپ کا نام راگ ہوتا ہے۔ اور اگر وہ اس کے برعکس ہُوا تو اُس کا نام شوروشر ہے۔ اِن اوصاف کی محرومیت سے وہ کبیدگئیِ خاطر کی باعث ہوتی ہے۔ ابتدائے آفرینش سے آجتک جو کچھ ظہور پذیر ہے۔ وہ تمام وکمال اسی ملاپ سے۔ غرض نظم ہر شے کی جان ہے۔ اور سب کی رُوح و رواں ہے جہاں جہاں جس جس مقام پر وہ خاص وزن۔ بحر اور قوافی کی صُورت میں اپنی جلوہ گری کا تماشہ دکھاتا ہے۔ وہاں وہاں زندگی کے حُسن کا نُور برس جاتا ہے۔ زمین کا سکون۔ دُنیاوی تمام چیزوں کا الٹ پھیر۔ دریا کی روانی۔ ستاروں کی گردش۔ زندگی کے رگوں کی حِس و حرکت۔ غرض نظام کائنات کی مخلوقات کے تمام کاروبار سب نظم کی بندشوں کے عجیب و غریب تماشے ہیں۔ ہر جگہ اور ہر شے میں اِس کا جلوہ موجود ہے۔ نظم اور راگ دونوں کا درجہ مساوی ہے۔ نظم کی تجلی مخلوق ہے جو باقاعدگی کے وزن میں ناچتی ہوئی محو ناز رہتی ہے۔ اور جہاں جہاں یہ یکفرنگی ہوتی نظر آتی ہے۔ وہاں وہاں مسرت اور شادمانی کی انتہا نہیں رہتی۔ جس گھر میں سب لوگ نظم اور راگ کے زیور سے آراستہ ہیں۔ وہ گھر سورگ بن جاتا ہے۔ اور جہاں اس کی عدومیت ہے اور سب

رورش میں مصروف ہیں۔ وہاں سکھ کی امید لاحاصل ہے۔ رما بلبھ کے سنسار میں ان سب کی
ردری تھی۔ اسی وجہ سے وہاں سب کے سب دکھی تھے۔ باپ۔ بیٹی۔ ماں۔ سب کے سب پریشان
ہ۔ کرشن پریا کی شوہر کی نسبت اپنی اولاد کی طرف زیادہ نگاہ تھی۔ بانی عہد شکن ہونا
ہیں پسند کرتی تھی۔ رما بلبھ نہیں جانتے تھے۔ کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ مگر سب سے زیادہ مصیبت
ما بلبھ پر پڑی تھی۔ کرشن پریا دل کی بری نہیں تھی۔ وہ ہر بری بھلی حالت کا بخوبی مقابلہ
ر سکتی تھی۔ بابا مسانی دکھ کا شکار ہو جاتی تھی۔ مگر وہ اکیلے تمام دکھ اٹھانے کے لئے تیار
ہیں تھی۔ غصہ کر کے۔ رو کر۔ غرور سے بہانے بہانے سے بیٹی کو بھی اپنے دکھ درد میں شامل
رنے کی کوشش کرتی تھی۔ مگر رما بلبھ دونوں سے علیحدہ نہ رہ سکتے تھے۔ وہ کبھی اس طرف
دیکھ دیتے تھے۔ کبھی بیوی کا منہ دیکھنے لگتے۔ انہیں کس قدر اپنی زمینداری کا بھی زعم تھا۔
سی وجہ سے دنیا میں ان کا کوئی دوست نہیں تھا۔ بڑے آدمیوں کے دوست اکثر سکھ کی
حالت میں ہی ہوتے ہیں۔ دکھ درد اور پریشانی کے عالم میں کون کسے پوچھتا ہے۔ سچے دوست
تو دنیا میں عنقا صفت ہیں —— ان کے دکھ سکھ کی ساتھی صرف کرشن پریا تھی۔ مگر آج
کل اس لڑکی کی وجہ سے ان دونوں میں بھی موافقت و موانست نہ باقی رہی تھی۔ کرشن پریا
بیٹی کی محبت میں پگلی ہو رہی تھی۔ پہلے ان کی خواہش تھی کہ بیٹی کو گیان دھیان کی تعلیم
دیں۔ مگر اب وہ رہ رہ کر پچھتاتی ہیں۔ اور کیوں نہ پچھتائیں۔ آخر کہ عقل پست غم روزگار
بیش۔ جب اس کا خیال آتا تھا۔ تو اندر ہی اندر جیسے کلیجہ شق ہو جاتا تھا۔ رما بلبھ کا خیال
تھا کہ لڑکی کے لئے کوئی نہایت عمدہ اور قابل ترین لڑکا تلاش کرینگے۔ مگر ایسا لڑکا نہیں
ملا۔ اور کسی ایسے لڑکے کو وہ بانی کے لئے تجویز نہیں کر سکتے تھے۔ جج۔ بیرسٹر۔ یا پریم چند
جیسے سکالر وہ تلاش کرتے تھے۔ ایسا لڑکا کہاں ملے؟ اس سے کم کا لڑکا ان کی نگاہوں
میں ہی نہ جچتا تھا۔ لڑکی بھی باپ کا منہ دیکھ رہی تھی۔ اس نے دل ہی دل میں سوچ رکھا
تھا۔ کہ اس کے قابل لڑکا اس دنیا میں ہے ہی نہیں۔ صرف جگت بلبھ کے ہی وہ قابل ہے
سی وجہ سے وہ بالکل بے فکر تھی۔ ایک دن بڑے دھوم دھام اور تزک و احتشام سے اس
[illegible]

صرف ایک رکاوٹ کا خیال کر کے وہ بسا اوقات دل ہی دل میں ہنستی تھی۔ بابو جی نے کہا تھا کہ میں اسے سوت کے ہات میں نہ دوں گا۔ رادھا رانی پاس ہی کھڑی ہے۔ آج وہ اسپر بھی راضی نظر آتے ہیں۔ اُس نے سوچا تھا۔ کہ ایک بار اسکا تذکرہ ماں سے کروں مگر نہ معلوم کیسی ایک شرم بھی اُسے دامنگیر ہوتی تھی۔ عین اسی وقت انبر ناتھ کی پردہ ہٹائی کے متعلق احساس و حسرت کا ذکر شروع ہو گیا۔

اُسدن جب رمابلبھ بابو زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے تھے۔ عین اسی وقت آندھی کا جھونکا دروازہ کھولتا ہوا شعلہ زن آگ کی طرح لڑکی نے آ کر پکارا۔ "تاؤ جی! یہ کیسی باتیں سُنائی دے رہی ہیں۔ اس سے بہتر تو یہ ہوتا کہ تم مجھے چتر ریکھا ندی میں غرق کر دیتے۔ تمام جھگڑا مٹ جاتا۔"

اُس کا دل اسوقت آگ میں تپے ہوئے لوہے کی طرح سرخ ہو رہا تھا۔ رمابلبھ نے بیتابانہ نگاہوں سے دیکھکر کہا۔ "تاپی! میری بیٹی تو میری بہترین دولت ہے۔ یہ میرے سماج کے پرانے پنڈت تیری نسبت کیا میری بیعزتی نہیں ہوتی۔ میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ کنارہ ڈھونڈھتا ہوں پر کہیں نظر نہیں آتا۔ بتاؤ تو بیٹی! اب میں کیا کروں؟"

باپ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر تاپی اپنے آپ کو نہ روک سکی۔ جن آنکھوں کے اندر [illegible] میں بجلی کڑک رہی تھی۔ اُن سے قطرات شبنم ٹپکنے لگے۔ یکایک رنگ بدل کر وہ بولنے لگی "بابا! پھر جو مقتضائے وقت ہو۔ وہی کرو۔ مگر تم بھی عہد کرو۔ کہ وہ یہاں رہنے [illegible] میں جیسی تھی۔ ہو بہو ویسی ہی رہونگی ـــ جنم بھر کے لئے وہ [illegible]"

رمابلبھ نے یہ سنتے ہی جیسے ایک آسمان [illegible] پایا۔ بولے "بیٹی! [illegible] مجھے بچا [illegible] اچھا۔ [illegible] تو کہتی ہے۔ وہی ہو گا۔ یہی بات کہا [illegible] شورہ بہت [illegible]"

"بابو جی! کتنی تپسیا کرنے سے تمہارے جیسا باپ ملتا ہے۔ دیکھو بابو جی" [illegible] رمابلبھ۔ نہایت محبت سے اُس کے [illegible] ہوئے چہرے پر [illegible] روشنی دیکھ کر کسقدر [illegible] ہوئے مسکرا کر بولے "نہیں بیٹی! کیا یہ بھول جاتی ہو [illegible]"

چودھواں باب

پلاس کے بڑے بڑے پتّوں سے چھایا ہوا آنگن آج سُرخ مٹی سے لیپا گیا تھا۔ ہر چہار طرف چھوٹی چھوٹی جھونپڑیاں تھیں۔ اُس کے باہر مختلف پھولوں کے پودے تھے۔ ادھر اُدھر دو ایک بانس کے سر بفلک درخت ہوا سے سراسر رہے تھے۔ آنگن میں ہرسنگار درخت کی شاخیں ہوا سے ہلتی ہوئیں رہ رہ کر بوئے خوش سے تمام مکان معطّر کر رہی تھیں۔ اُس کی بعض شاخوں پر چند خوشنوا پرند بیٹھے ہوئے نغمہ سرائیاں کر رہے تھے۔ ایک کونے میں چند ملیریا سے ستائے ہوئے بچے تخت کے پائے میں رسّی باندھ کر گاڑی گاڑی کھیل رہے تھے۔ اُن کی ادھیڑ ماں کھانا پکانے میں مصروف تھیں۔ دوسرے کمرے کے آنگن میں ایک بوسیدہ کمبل پر ایک نہایت ہی خوبصورت۔ خوش قامت نوجوان اپنی بیٹھی پرانی کتابیں لئے ہوئے مطالعہ کر رہا تھا۔ کتابوں کی شکل سے ہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ دھرم کی کتابیں ہیں۔ وہ کتابیں غالباً مان دھاتا کے عہد کی تھیں۔ نہایت بوسیدہ اور تار تار اور نوعمر شخص نہایت غور سے اُن کا مطالعہ کر رہا تھا۔ رہ رہ کر پنسل سے بعض صفحات پر نشان لگا رہا تھا۔ وہ تمام الفاظ عوام کی سمجھ سے باہر تھے عموماً شاستر کی اصطلاحیں تھیں۔

رفتہ رفتہ موسم گرما کی ابتدائی شعاعیں آنگن کے کھیلنے والے بچوں پر پڑیں پہنچے یا تو اس نئے مہمان کا ناواقفیت کی وجہ سے خیر مقدم نہ کر سکے۔ اور یا تکان سے چور چور ہو جانے کی وجہ سے اُس نوجوان کے پاس چلے گئے۔ کھیل بند ہو گیا۔ کسی نے اُس کا گلا دبایا۔ کوئی کہنے لگا۔ کہانی بتاؤ اور کسی نے کتاب چھین کر دوسرے سے کہا۔ آؤ۔ تصویریں دیکھیں۔ مشغول نوجوان کی توجہ بچوں کی ان باتوں پر نہ گئی۔ وہ مشکل مسئلہ کی عقدہ کشائی میں سرگرم تھا۔ مگر کچھ دیر بعد جانی پہچانی آواز سنکر پھر اُس کے خیالات معین اُسی مرکز پر واپس آ گئے۔ جو سب سے چھوٹا لڑکا تھا۔ وہ ہاتوں سے یہی دوڑتا ہوا ایک کتاب پر حاوی ہو گیا۔ اور نہایت خوشی سے اُسے پھاڑنے میں محو تھا۔ " ارے! کیا کرتے ہو۔" یہ کہکر وہ نوجوان فوراً پھٹی ہوئی کتاب چھیننے لگا۔ مگر چوچلا گیا۔ وہ اب

کیسے ہاتھ آنے لگا۔ دل کے خون سے بھی زیادہ عزیز اور نہایت مشکل سے ہاتھ آئی ہوئی مہابھاشیہ ہمیشہ کے لئے چلی گئی۔ اتنا روپیہ کہاں سے آئیگا؟ دم بھر کے لئے وہ دردمند نگاہوں سے اُن پھٹے ہوئے صفحات پر نظر ڈالنے لگا۔ اور ایک گہرا سانس لے کر روتے ہوئے بچّہ کو گود میں اٹھا کر اُسے بہلانے کی کوشش کرنے لگا۔ دیگر بچوں نے بھائی کے اس کام کو دیکھ لیا تھا۔ اور وہ شور شر مچاتے ہوئے ماں کو خبر دینے کیلئے دوڑتے ہوئے پکار پکار کر کہنے لگے۔ "ماں! ماں!! اس نے انبر چاچا کی کتاب پھاڑ دی ہے۔ انبرا ---- اسی نوجوان کا نام انبر ناتھ تھا۔ اُس نے کہا نہیں جی نہیں تم خاموش رہو۔ اس بچّہ کو کیا خبر؟" انبر ناتھ سمجھتا تھا۔ کہ اُس کی بھاوج اس قصور سے بچّہ کی معصومیت نظر انداز نہیں کرے گی۔ عین اسی وقت یکایک تمام شور و شر بند ہو گیا۔ بچے جہاں کھڑے تھے۔ وہیں رہ گئے۔ اُن کا منھ خشک ہو گیا۔ مالکہ اُسی وقت کرچھی لئے ہوئے دروازے کے پاس آئی۔ اور "وہ کمبخت کہاں ہے" یہ کہکر زمین و آسمان سر پر اٹھانے لگیں اس کے بعد انہوں نے بھی بائیں ہاتھ سے گھونگھٹ نکال لیا۔ اور اندر چلی گئیں انبر ناتھ نے سمجھا۔ کہ مالک آگئے ہیں۔ وہ بھی تعظیم سے اُٹھ کھڑا ہوا روتا ہوا بچہ باپ کو دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

انبر ناتھ کا ایک رشتہ میں بھائی تھا۔ گنگا رام شرما نام۔ وہ گاؤں کے پروہت تھے ججمان کے گھر سے پوجا کرکے واپس آ رہے تھے۔ دوسرے دن اسوقت دکشنا اور پرساد کم ملنے کی وجہ سے اور گھر میں زیادہ بال بچے ہونیکے باعث عموماً اُن کا مزاج گرم رہتا تھا۔ اُس وقت اُن کی نظروں کے سامنے جو لڑکا بچہ آجاتا تھا۔ اُسی پر برس پڑتے تھے۔ اسی لئے باپ کو دیکھ کر مار پیٹ سے خائف بچے قصوروار قیدیوں کی طرح اُسی وقت چپ چاپ ہو جاتے تھے انبر ناتھ یہ تماشا روز دیکھتا تھا۔ اور دل میں بہت درد محسوس کرتا تھا۔ آج گنگا رام کے مزاج میں اسقدر حدت نہیں تھی۔ اور دوسرے دنوں کی نسبت آج وہ کسیقدر خوش تھا رسوئی خانہ کے دروازے کے پاس جاکر دکشنا وغیرہ کی تمام چیزیں رکھ کر مالکن سے بولے "سب چیزیں اپنے پاس رکھ لو۔ اور انبر ناتھ کی گود میں آبدیدہ بچے کو دیکھ کر بولے۔ کیوں بیٹے! چاچا کی گود میں کیوں بیٹھا ہے؟ انبر! تمہارے قدیم آقا راما بلبھ بابو نے تم کو ایک خط بھیجا ہے --- اس میں انہوں نے یہ اصرار کیا ہے۔ کہ تمہیں وہاں جلد بھیج دوں۔ اس جلدی پہنچانے کے

انعام میں مجھے کچھ ماہانہ ملتا رہیگا۔ کیا یہ بات کیا ہے۔ تباؤ تو سہی" انبر یہ بات سُنکر حیران رہ گیا۔ اُس کی طلبی ہوئی ہے۔ اُنکو ایسی کیا ضرورت پیش آئی؟ —— انبر ناتھ تو کبھی اُن کے کام میں نہیں آیا —— پھر آج یکایک کس کام کی ضرورت پڑی؟ —— وہ کیا کر سکتا تھا؟

انبر ناتھ کو خاموش دیکھ کر گنگا رام کے دل میں ایک کھٹکا پیدا ہوا۔ تو کیا وہ جانے پر تیار نہیں؟ ضرور ہی اس پردے میں کوئی راز ہے؟ ورنہ اتنا بڑا ذی حیثیت زمیندار ایک معمولی شخص کو اس لجاجت سے خط لکھے۔ اور انعام مقرر کرے۔ ایسی حالت میں اس کا بھیجنا بھی آسان کام نہیں۔ وہ بیتابانہ انداز سے پوچھنے لگے "تم جاؤگے تو؟"

انبر ناتھ نے بھائی کی بات نہیں سُنی۔ یکایک وہ جیسے فکر کے سمندر میں ڈوب گیا تھا —— کیوں بلایا ہے؟ —— کیا سچ مچ بلایا ہے؟ نہیں۔ یہ داد اکی غلطی ہے۔ وہ کچھ دیر بعد گنگارام کے چہرے کی طرف مشوش نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا "آپ نے غلطی تو نہیں کی؟"

گنگارام نے پوچھا —— "کیا؟"

"مجھے بلایا ہے؟"

"ہاں انہیں —— کیا تم نہیں جاؤگے؟ گنگارام جواب کا بے صبری سے انتظار کرنے لگے

انبر ناتھ نے ذرا پریشانی سے ایکبار باہر کی طرف نظر ڈالی۔ اُسوقت ہوا اپنے ساتھ ہر سنگار کے پھولوں کی بوئے خوش آرہی تھی۔ چاروں طرف سے بادلوں کے ٹکڑے دوڑ دوڑ کر آفتاب کو اپنی گود میں چھپانے کی کوشش میں مصروف نظر آرہے تھے۔ بجلی کی طرح تیز شعاعیں درختوں کے پتّہ پر ایک نئی رنگینی کا سماں پیدا کر رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے انھیں زرّیں زیورات سے آراستہ کردیا ہے۔ پھولوں کی خوشبو دل میں کسی ایک اور افسانہ کی یاد گر رہی تھی —— وہ جیسے ایک خواب کی دنیا تھی —— وہاں یاد کے دل پر تو اترچکے سے لگتے پھر بھی کشش اپنی طرف کھینچتی تھی۔ انبر ناتھ نے ایک گہرا سانس لیا۔ مضطرب دل کو تھام کر اُ جواب دیا "جانے میں ہرج ہی کیا ہے۔ وہ آقا ہیں۔ جب بلایا ہے۔ تو جانا ہی پڑیگا —— آپ کیا کہتے ہیں؟"

گنگارام نے دل سے آشیرباد دیا۔ کہا "ہاں جانا تو ضرور چاہئے۔ ورنہ محسن کشی کا پاپ سر

چڑھیگا۔ شاستروں نے اَن داتا کو باپ کے برابر درجہ دیا ہے۔

امبرناتھ راج نگر آیا۔ وہی دورویہ درختوں کی سربفلک قطار، اور سایہ دار شاہی سڑک اور گائے بھینسوں کا وہی خاک اڑاتے ہوئے آنا جانا۔ تمام گاؤں پھل پھولوں سے لدا ہوا۔ پاٹ شالا میں بیٹھے ہوئے وہی بھلے بیچارے گرو مہاشے لڑکوں کو پڑھا رہے تھے۔ اس دن بازار لگا ہوا تھا۔ شور و شر سے ایک ایک گلی گونج رہی تھی۔ امبرناتھ محبت آمیز نگاہوں سے ان تمام قدیم نظاروں کو دیکھتے دیکھتے بیچین سا ہونے لگا۔ دوست جیسے دوست کے پاس ایک دور دراز سفر سے ملنے کے لئے آرہا تھا۔ تھوڑی دور پر باغ کی کھڑکی سے ملا ہوا تالاب تھا۔ اسی کے پاس ہی مہیش کا جھونپڑا تھا۔ جو چھتوں سے چھایا ہوا تھا۔ اسی کے آس پاس رکت چوا کے پھولوں سے لدے ہوئے درخت تھے۔ بعض بعض ٹہنیاں پھولوں کے بار سے زمین پر جھکی پڑی تھیں خون کے حرفوں سے لکھے ہوئے قدیم افسانہ کی طرح اس کے دل میں یہ سرخ حروف جیسے سفیدی سے تبدیل ہو گئے۔ اس مرتبہ درختوں کے بیچ سے گذرتے ہوئے گاؤں کے کھیت کے پودے اور ان کی بالیاں شرمیلی عورتوں کے آنچل کی طرح ہوا کے ہلکے جھونکوں سے جھوم اٹھیں چتر ریکھا ندی کا صاف شفاف پانی اپنے ہی بہت کم فاصلہ پر مدد کرنیوالی ماں کے سانس اور غیر متوجہ خیز دل کی مانند گاؤں کو سیراب و شاداب کرتی ہوئی دوسرے گاؤں کی جانب رواں دواں نظر آرہا تھا۔ یہ تمام نظارے دیکھ کر امبرناتھ کے دل میں مسرت کے ساتھ ایک عجیب شک پیدا ہونے لگا۔

یہ کیا؟ —— کیا ہوا؟ —— زمیندار نے خود ہی —— یا اور کسی نے؟ —— اَدِیا ناتھ تو اچھا ہے؟ کون جانے —— آخری فکر کے ساتھ ساتھ رگوں میں خون کا ایک ہلکا سا دورہ ہو گیا۔ ایشور کرے۔ وہ بیچارہ اچھا ہو۔

راستہ میں دو ایک واقف شخص ملے۔ کون ہے۔ چھوٹے پنڈت جی" —— دیکھ کر حیرت کا اظہار کرنے لگے۔ کسی نے پوچھا" کب آئے؟ —— اتنک کہاں تھے؟ وغیرہ ضروری اور غیر ضروری سوالات کرنے لگے۔ امبرناتھ کسی سے بھی زمیندار مہاشے یا اَدِیا ناتھ کی بابت سوال نہ کر سکا کون جانے؟ شاید ان میں سے کوئی بری خبر سنادے؟

امبرناتھ کی نظر بھی اُسپر جاپڑی۔ جیسے اُس کی نگاہیں جھلس گئیں۔ تیز تر صاف شفاف بادلوں کے
جھنڈ کی طرح نیلگوں خلاف میں وہ مندر اُسی طرح بیخوفی سے ساکن کھڑا تھا۔ اُسوقت مندر
میں گھنٹے اور سنکھ کی آواز آرہی تھی۔ باہر کھڑتال پر گاتے ہوئے چند پریمی جوش سے پھولے
نہیں سماتے تھے۔

امبرناتھ کے عضو عضو میں اُن کے گانے نے ایک شانتی کی روح پھونکدی۔ یہ
شور و شر سے بھرپور مندر اسوقت بھکتی کا پیالہ پیئے ہوئے اُسی رنگ میں شرابور ہوکر
دوسروں کو جامِ حقیقت پلانے کے لئے مدعو کر رہا تھا۔ اُس نے چاہا۔ کہ وہ مندر میں داخل
ہو۔ مگر کچھ سوچ کر پھر وہاں ہی کھڑا ہوگیا۔ باہر سے کھڑے کھڑے اُس نے دیوتا کو پرنام کیا

ایک وسیع اور کشادہ کمرے میں زمیندار مہاشے فرشی تکیہ کے سہارے زری کے قالین
پر بیٹھے ہوئے تھے۔ امبرناتھ نے سر جھکا کر نمسکار کیا۔ اور سامنے کھڑا ہوگیا۔ شام ہوچکی
تھی۔ کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ اُن سے باغ کے کچھ دلفریب نظارے دکھائی دے رہے تھے
سامنے سنگ مرمر کے فرش پر سورج کی مدھم شعاعیں ناچ رہی تھیں۔ حوض کے پانی میں کرنوں
کا تھرکنا ایک عجیب پُرسکون جذبات سے بھرپور رقص کا نظارہ دکھا رہا تھا۔ اِس کے علاوہ
باغ میں پھولوں کی بہار اور درخت کی شاخوں پر شیریں نوا پرندوں کی چہک اس میں بھی
کم مٹھاس نہیں تھی۔ مگر رما بلبھ بابو کی ان سب میں سے کسی پر نظر نہیں تھی۔ اُن کے دل کی جو
حالت تھی وہ حالت دم دم پر بدلتی جارہی تھی۔ ناامیدی کا خیال جب آتا تھا۔ تو دل کے جیسے
ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتے تھے۔ مگر اُمید پوری ہونیکا خیال بھی دل میں ایک ہچکچاہٹ پیدا کرتا
تھا۔ اگر ایسی حالت میں دیر تک انسان رہے۔ تو وہ مرجائے۔ ورنہ پاگل ہوجائے۔ دولتمند کو
مفلس کے درد و الم کی کیا خبر ہے؟ اُسے کتنے دُکھ ہیں۔۔ دلی تکالیف کی اس آخری حالت
میں اگر کوئی ہوشیار معالج اسکا علاج شافی کرسکے تو مریض کی حالت سے وہ بہت جلد واقف
ہوجائے۔

امبرناتھ رما بلبھ کے رُوبرُو آکھڑا ہوا۔ فرطِ مسرت سے رما بلبھ کا دل اندر ہی اندر ناچ

اُٹھا۔۔۔ آگیا۔۔۔ تب اُس نے غصّہ سے اُس کے نوید کو نا منظور نہیں کیا۔ آج وہ پہلے کی طرح نہایت تپاک سے ملے۔ اُٹھکر اُس کا ہات پکڑ لیا۔

متحیّر اور خائف انبر ناتھ کی حالت اور بھی نازک ہو گئی۔ اتنے میں آقا نے کہا۔۔۔ "اگئے ؟۔۔۔ اب تم نے مجھے بچا لیا۔ ورنہ میں شک سے مر گیا ہوتا !!"

بہت دیر تک دونوں کی حالت کچھ عجیب سی رہی۔ رما بلبھ کے دل میں ابھی ایک بہت بڑا شک باقی رہ گیا تھا۔ وہ یہ کہ۔ اگر انبر ناتھ نے بانی کے بُرے سلوک کو یاد کر کے شادی کرنے سے انکار کر دیا؟ انبر سوچتا تھا۔۔۔ پھر اُسپر پوجا کا بار پڑیگا۔۔۔ معلوم ہوتا ہے آنویا ناتھ نے جواب دیدیا۔ مگر کیوں ؟

بالآخر اُس شک کو کسی طرح دل سے تھوڑی دیر کے لئے دُور کر کے رما بلبھ نے کہا۔ ۔۔۔ "تمہیں کیوں بلایا ہے ؟۔۔۔ معلوم ہوتا ہے تمہیں یہ بات ابتک نہیں معلوم ہوئی میرا سب کچھ آج تمہارے اُوپر ہی منحصر ہے۔۔۔ اسی وجہ سے تمہیں بُلایا ہے"

انبر مشکوک نگاہوں سے اُن کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔ رما بلبھ یہ سمجھ گئے۔ بھلے تم یقین نہیں کر سکتے۔ یکایک کوئی بھی اس بات پر یقین نہیں لا سکتا۔ مگر یہ بات تمام کمال سچ ہے۔ کہ تمہاری مہربانی پر آج میری تمام دولت و عزت کی حفاظت ہے۔۔۔ دیکھنا کہیں اُس میں کوئی رکاوٹ پیدا کر دینا۔ رفتہ رفتہ میں سب کچھ کہتا ہوں۔ پہلے تم یہ بتاؤ کہ اب تم کیا کرتے ہو؟ اور مستقبل کے لئے تمہارا کیا خیال ہے؟

انبر ناتھ کی حیرت کا ٹھکانا نہ رہا۔ اُس کے ساتھ آج یہ غیر معمولی سلوک کیوں؟ مگر آقا کے سوال پر وہ کوئی سوال تو نہیں کر سکتا! اس کے علاوہ اُس کے مزاج کی حالت بھی کچھ اور رہے۔ اسی وجہ سے اپنے تحیّر کو دبا کر سر جھکا کر اُس نے جواب دیا۔ "گنگا رام دادا کے پاس اب رہتا ہوں۔ اُن کی حالت تو ویسی اچھی نہیں۔ جلد ہی وہاں سے چلا جاؤں گا۔ میرے گورو۔۔۔ جس نے مجھے تعلیم دی ہے۔ اب اسوقت شورگ میں ہیں۔ انہوں نے آسام کے پاس کملا میں سنسکرت کی وہ ایک پاٹ شالا کھولنے کی کوشش کی تھی۔ اور مجھ پر اُس کا بار چھوڑ گئے ہیں۔ اس لئے میں وہاں جاؤں گا۔ دیکھوں کچھ کر سکتا ہوں یا نہیں

"اس مقصد کے لئے کیا وہ کوئی جائداد بھی چھوڑ گئے ہیں؟"

"معمولی بھیک مانگ کر کسی طرح کام کرنا ہی ہوگا۔"

رما بلبھ کسیقدر حوصلہ سے کام لے کر بولے۔ اُن کا یہ ارادہ بہت اچھا ہے۔ مُلک میں اگر سنسکرت کا رواج نہ ہوگا۔ تو لوگ اچھی طرح گیان نہ حاصل کر سکینگے۔ سنسکرت زبان دراصل دیوتاؤں کی زبان ہے۔ اس سے دیوتاؤں کے متعلق بہت کچھ خبر ملتی ہے۔ اچھا۔ میں تمہیں اس کے خرچ کے لئے دس بارہ ہزار روپیہ سالانہ دے سکتا ہوں۔"

انبر ناتھ نے پھر تحیرانہ نگاہ ڈالی ــــ یہ کیا؟ یہاں تو ایک تصفیہ سا ہو رہا ہے۔ رما بلبھ کہنے لگے۔ روپیہ کی عدم موجودگی سے دُنیا کا کوئی کام نہیں ہوتا۔ روپیہ اگر پاس ہو۔ تو کتنے ہی اچھے اچھے کام کئے جاسکتے ہیں۔ تمہارے پاٹ شالا کے لئے سالانہ دس ہزار روپیہ سے کتنے ہی کام ہونگے۔ ذرا سوچو تو؟

بڑے لالچ کی بات اُسننے والے نے جیسے اس بات کے اندر مستقبل کی ایک کامیاب تصویر منقش دیکھی۔ اسی وجہ سے اُس نے جوش میں آکر کہا۔ "آپ نہایت فیاض اور دھرماتما شخص ہیں"۔ بات ختم ہونے کے بعد اُسے کچھ شرم سی معلوم ہونے لگی۔ اُس نے جو کچھ کہا۔ وہ بالکل بندھے ہوئے سُر کی طرح سُنائی دینے لگا۔

رما بلبھ کسی قدر مسکرائے۔ بولے۔ تم اب بھی اچھی طرح سمجھ نہیں سکے۔ اس کے بدلے میں تمہیں میرا اُپکار کرنا ہوگا۔

انبر ناتھ کا دل خوشی سے بھر گیا۔ مگر اُس نے سوچا۔ اسقدر خوشی اور اُمید سے کام لینا مناسب نہیں۔ اصل بات تو اب بھی معلوم نہیں ہوئی۔ اُس نے اپنے دل کو تھام کر لجاجت آمیز لہجہ میں کہا۔ فرمائیے۔ کیا حکم ہے؟

"میرے باپ مجھ سے ناراض ہو کر ایک وصیت کر گئے ہیں۔ پندرہ برس کی عمر میں اگر میری لڑکی کی شادی نہ ہوئی۔ تو میری تمام جائداد اُس آخری دن دیوی دیوتاؤں کے ارپن ہوگی۔ اُس سے مجھے کوئی تعلق نہ رہیگا۔ میرے ایک دُور کے رشتہ دار بھی باپ نے انہیں کے لڑکے کو پسند کیا تھا۔ ایک مرتبہ اُن کی خواہش بھی ہوئی تھی۔ کہ اسی کے

ساتھ راد ھارانی کی شادی کر دیں۔ مگر لڑکے کی ظاہرا حالت دیکھ کر میں نے ناپسند کیا۔ ادھر لڑکی کا یہ حال ہے۔ کہ وہ شادی کرنے پر راضی نہیں۔ اسوقت اب اور کوئی تدبیر نہیں ہے ——— صرف ایک ——"

انبر ناتھ متحیر ہو کر تلاطم خیز دل سے یہ قصّہ سُن رہا تھا۔ سُنتے سُنتے اُس کے دل میں نہ معلوم کتنے خیالات کی ترنگیں اُٹھ رہی تھیں۔ اُسے کون سمجھیگا؟ اس میں ایک عجیب غریب ہمدردی تھی۔ حیرت تھی۔ مگر سب کی نسبت ایک نہایت لطیف اور دردرساں تکلیف کا کانٹا اُس کے دل کو جیسے اندر ہی اندر چھید رہا تھا۔ اُس کے لئے یہ بات جیسے ناقابل برداشت سی ہو گئی ——— یکایک کہنے والے کے رُک جانے پر سُننے والے کو جیسے ہوش آیا۔ اُسوقت اُس نے متحیرانہ انداز سے آقائے نامدار کے چہرے پر نظر ڈال کر کہا "میں کیا کر سکتا ہوں مجھے حکم دیجئے"

"تم ——— تم سب کچھ کر سکتے ہو۔ مجھے کوئی قابل لڑکا کہیں نظر نہیں آتا۔ اور دن بھی صرف سات رہ گئے ہیں۔ ایسی حالت میں تم مجھے ناامید اور مایوس نہ کرو ——— تم میرے پُرانے واقفکار اور پالے پوسے ہو ——— تم رادھارانی سے شادی کر دو ——"

یہ بات اگر کسی اور شخص کی زبان سے نکلتی۔ تو انبر ——— صرف یہی کیوں؟ انبر ناتھ جیسا کوئی اور نفس کُش شریف شخص بھی یہ سُنکر اپنے آپ میں نہ رہ سکتا تھا۔ بات ہی ایسی عجیب و غریب تھی۔ مگر جس شخص نے ایسے کئی الفاظ کہے تھے۔ اُس کے لئے جیسے دنیا میں اس سے زیادہ ضروری بات اور کوئی تھی ہی نہیں۔ سُننے والا دنگ رہ گیا۔ اور کہنے والے کے منھ کی طرف حیرت آمیز نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ اُس کے منھ سے ایک بات بھی نہیں نکلی۔

رما بلبھ اُس کے دل کی حالت سمجھ گئے بات ہی کچھ ایسی تھی۔ کہ یقین نہ آتا تھا۔ یہ کام اُسے کرنا ہوگا ——— لعنت ہے۔ مگر یہ سب باتیں اسوقت سوچنے کی نہیں تھیں ——— رما بلبھ نے کہا "بیٹے انبر ناتھ! تمہیں یہ کام کرنا ہی ہوگا۔ ورنہ میرا سب کچھ چلا جائیگا" یہ بات اُنہوں نے کچھ اس لہجہ میں کہی تھی۔ جیسے اُسے اُنہوں نے کسی مقدمہ میں زبردستی گواہ بنایا ہو ——— اُس کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں۔

انبرناتھ بدستور کچھ دیر تک اُن کے منھ کیطرف دیکھتا رہا۔ اُس کے بعد نگاہیں نیچی
ہوئے آہستہ سے بولا۔ "مجھے معاف فرمایئے۔ میں ایسا نہیں کرسکوں گا۔"

"نہیں کرسکوگے کیوں انبرناتھ؟"
انبرناتھ یہ جانتا تھا۔ مگر وہ کیا
ایسی بات عورتوں کے منھ سے ہی بھلی معلوم ہوتی ہے۔ انبرناتھ یہ جانتا تھا۔ مگر وہ کیا
ہرچند سوچنے پر بھی اُسے کچھ نہ سوجھا — اسی وجہ سے کمرے کے ہر چہار طرف مخوف نگاہیں
التا ہوا خاموش رہ گیا۔ کیوں؟ وہ کیسے کچھ کہیگا؟ کیوں؟ سبب تو ایک بھی نہیں —
پھر وہی سوال واپس آیا۔ "کیوں انبرناتھ؟ یہ بات کیوں کہہ رہے ہو؟"
انبرناتھ نے مختصر طور پر کہا۔ "جی جو کام اپنے ذمّہ لیا ہے۔ اُس میں شادی کرنے سے رکاوٹ
ہو گی۔ رما بلبھ نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "رکاوٹ کیا؟ — تمہیں میرے یہاں سے حسن
دھن دولت بھی تو معقول ملے گی۔ اس کے سوا میری لڑکی —"
رما بلبھ جو کہنا چاہتے تھے۔ وہ اشوقت نہ معلوم کیوں کہہ نہ سکے مگر دیر بعد ہی اپنے آپ کو
سنبھال کر بولے۔ "اگر تم میری لڑکی سے شادی کرلوگے۔ تو وہ تمہارے کام میں مددگار ثابت
ہوگی۔ میں دس ہزار روپیہ سالانہ تمہیں اس کام کے لئے دیتا رہوں گا۔ تم اُسے کھلے ہاتوں
خرچ کرسکتے ہو۔ میں تم سے پوچھوں گا بھی نہیں۔ کہ تم نے وہ روپیہ کہاں خرچ کیا۔ صرف
ایک ہی پاٹ شالا کیوں؟ تم جتنی چاہو۔ اُتنی کھول سکتے ہو۔"
انبر خاموش رہا۔ اُس کے دل میں کسیقدر امید کی جھلک دکھائی دی۔ وہ کچھ دیر تک
یہی تصویریں دیکھتا رہا۔ اُس کے چہرے پر اور آنکھوں میں وہی رنگ چمکتا ہوا دکھائی دینے
لگا۔ اتنے میں ایک خیالی مگر سفید تصویر نے اُس کی اُمیدوں کا وہ خیالی چراغ گل کردیا۔
چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا۔ وہ نیچی نگاہوں سے اپنے آقا کی جانب مایوسانہ نظریں ڈالتا ہوا بولا
"مجھے لالچ میں نہ پھنسایئے یہ میرے لئے بہت مشکل ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی رکاوٹیں
ہیں۔ وہ تمام باتیں میں آپکے روبرو کہہ نہیں سکونگا۔"
بار بار پس و پیش اور انکار! ایک معمولی پروہت جو اس تجویز پر عمل کرے۔ تو وہ جیسے
ہتھیلی میں چاند پائے۔ ایسا اچھا موقع اُسے کہاں ملیگا؟ مگر وہ راجاؤں کی طرح اکڑا ہوا

انکار کر رہا ہے ـــــ اور رما بلبھ کی درخواست پاؤں سے ٹھکرا رہا ہے۔ اس بے عزتی
رما بلبھ کا تمام چہرہ سرخ ہو گیا۔ مگر اُنھوں نے اپنے آپ کو سنبھال کر کہا۔ اننت ناتھ ا
انصافی اور جلد بازی سے کام نہ لو۔ انکار کیسی؟ تم میرے داماد ہو گے۔ ورنہ یہ سمجھ لینا۔ کہ
ایک اچھے کام میں دان دے رہا ہوں۔"

اننت ناتھ نے اپنے دل میں ایک دردی محسوس کی۔ "دان کی بات نہیں۔ اُس نے
مایوسانہ انداز سے جواب دیا۔ "میں نے گورودیو کا حکم ماننے کے لئے دل میں عہد کر لیا ہے
تک مجھے اس کام میں کامیابی نہ ہو گی۔ میں کسی طرف بھی رُخ نہیں کروں گا۔ اس کے ع
جہاں میں جانیکا ارادہ کر رہا ہوں۔ وہ جگہ بالکل اجنبی ہے۔ وہاں کسی اور کو اپنے ساتھ
کیونکر رکھ سکوں گا؟

رما بلبھ کے چہرے پر خون دَوڑتا ہُوا نظر آیا۔ اِس بار جیسے اُس میں لہریں۔ اُٹھنے لگ
آنکھوں سے جیسے شرارے نکلنے لگے۔ دل کی وہ حالت چھپا کر وہ بہت دیر تک باہر کی طر
دیکھتے رہے۔ کیسا زبردست حوصلہ! زمیندار کی لڑکی کیا جھونپڑی میں جا کر رہے گی
یہ بید سُکھ چھوڑ کر اُس کے ساتھ وہ پردیس جائیگی؟

اُسوقت زمین و آسمان دونوں جیسے تپ سے رہے تھے۔ درخت وغیرہ جیسے
لے رہے تھے۔ پتوں پر آفتاب کی کرنیں پڑ رہی تھیں۔ زمین کے سینہ میں وہ گرم سان
داخل ہو کر جیسے سرد ہو گئی تھی۔ اُسی طرف دیکھتے دیکھتے رما بلبھ کے سینہ میں بھی وہ گرم
سانس داخل ہو کر جیسے سرد ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ جنوبی ہوا کے جھونکے جسوقت ز
سے بہتے تھے۔ اُس وقت خواہ مخواہ کسی قدر سردی کا احساس ہوتا تھا۔

رما بلبھ نے کہا۔ "نہ ہو گا۔ تو وہ اتنے دنوں تک میرے پاس ہی رہیگی۔ اِس میں ہر
ہی کیا ہے؟ صرف ایک بات سُننا چاہتا ہوں رادھا رانی   ایک وقت تمہارے کا
میں غلطی نکال کر تمہارے کسیقدر نقصان کی باعث ہوئی تھی۔ اِس کے لئے تم قدرتاً ا
سے کچھ ناراض ہو گئے۔ لیکن اگر یہ شادی ہو ـــ اگر کیوں یہ شادی تو تمہیں کرنی ہی ہو
اس کے علاوہ تو اور کوئی تدبیر ہی نہیں ہے۔ یہ تو تم بھی سمجھ سکتے ہو؟ ورنہ میں تمہیں

تکلیف دینے کی جرأت نہ کرتا۔ جو کچھ ہو گیا اُسے بھول جاؤ گے تو؟"

اس سوال کے لہجہ نے بجلی کی طرح انبرناتھ کا دل چھید ا۔ اس چوٹ سے دَم بھر میں اُس کا خون جیسے پُرجوش حرکت میں آ گیا۔ اُس کا زرد چہرہ سُرخ ہو اُٹھا۔ سر اُٹھا کر بولا۔ اسی وجہ سے کہا تھا ضرورت نہیں۔ میرے متعلق جب آپکا یہ خیال ہے"

"میں تمہیں جانتا نہیں۔ یہ بات نہیں۔ میں تمہاری بات کی قدر کرتا ہوں۔ سُنو انبرناتھ! مجھے جو کہنا تھا۔ وہ میں کہہ چکا۔ اسوقت اگر تمہاری خواہش نہ ہو۔ تو شادی نہ کرو۔ صرف سات دن کا موقع ہے۔ اس کے بعد ہم لوگ راستہ کے بھکاری ہونگے۔ اسوقت تمہاری مدد میرے لئے کارگر نہ ہو سکیگی۔ اور اُسوقت مجھے تمہاری ضرورت بھی نہ رہیگی۔ جو کچھ کرنا ہے۔ ان سات دنوں کے اندر ہی اندر کرنا ہے"

یہ کہکر رما بلبھ نے ایک گہرا سانس لیا۔ اور خاموش ہو گئے۔ ان باتوں نے دل کے اندر ایک ہلچل مچا دی انبرناتھ کے نازک دل میں یہ باتیں تیر کی چبھ رہی تھیں۔ اُس کے ساتھ ہی ایک عرصہ دراز سے بھری پُری جگہ۔ اُس کی نگاہوں میں جیسے بالکل خالی معلوم ہونے لگی اور بار بار دل چھیدنے لگی۔ اُس نے اپنی نیچی نگاہیں اُوپر کیں۔ اور بولا مجھے سوچنے کے لئے وقت دیجئے"

"بہت اچھا۔ پھر کل صبح ضرور جواب دینا۔۔۔۔ مگر ایک بات اور ہے۔ شادی کے بعد میری لڑکی میرے گھر ہی رہیگی۔ یہ اُس کی خواہش ہے۔ تُم تو شادی کے خواہشمند نہیں ہو۔۔۔ صرف میرے اُپکار کے لئے ہی شادی کر رہے ہو۔۔۔ شادی کے بعد تُم جہاں رہنا چاہو گے۔ میں تمہارا انتظام کر دوں گا۔۔۔ خرچ وغیرہ تو سب ملتا ہی رہیگا۔ کیا یہ بھی تُم منظور کرتے ہو؟"

انبرناتھ کی پیشانی پر پسینہ کی بُوندیں نظر آئیں۔ اُس نے مُنھ اُٹھا کر جواب دیا۔ "نہیں"

"نہیں! کیوں؟ تُم تو شادی کے لئے تیار نہیں۔ یہ کہکر رما بلبھ بابو یکایک خاموش ہو گئے"

وہ شادی کے لئے میری خواہش نہیں۔ یہ بات بالکل صحیح ہے۔ لیکن اگر یہ کرنا ہی ہے۔ تو شاستر کے بموجب نہیں تیاگ کر سکوں گا۔ شادی کا منتر۔ اگنی دیوتا۔ براہمن کا ساکشات یہ سب کون پڑنگیا پاٹھ کرائیگا۔ اس زندگی اور دوسری زندگی کے لئے مجھے جس پاک عہد

بندھن کو قبول کرنا پڑیگا ـــــ جس کے تمام سُکھ دُکھ کا بھاگی مجھے ہونا پڑیگا۔ شادی کے پو
مقاصد کو نظر انداز کر کے میں مُنھ سے وہ تمام ناپاک وید منتر اُچارن کروں گا۔ آپ میرے باپ
طرح ہیں ـــــ اَن داتا، پِتا ہیں۔ آپ خود اپنی زبان سے مجھے ایسی ہدایت نہ کیجئے ـــــ
ایسی فضول اور لغویات سے پُر بات میں نہیں کر سکوں گا۔ آپ مجھے معاف فرمائیں"۔

اس وقت باغ کے آخیر پر پوا کے رابس کے درختوں میں آفتاب جو اپنی مدھم کرنوں سے غروب ہونے کا نظارہ دکھا رہا تھا۔ اُسی کی کسیقدر روشنی انبر ناتھ کے چہرہ پر بھی آ کر پڑی۔ اُس مطمئن اور سنجیدہ چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے رُما بلبھ کے دِل میں ایک دن کی بات یاد آ جس دن اُس نے گورو کا حکم ٹہکرا اپنا آسن گرہن کیا تھا۔ بہت دیر کے بعد وہ اٹھ کر مکان ـ اندر ٹہلنے لگے اس کے بعد انبر ناتھ کے پاس آ کر اُس کے کندھے پر ہات رکھ کر بولے "اب جو تم کہہ رہے ہو۔ سب سچ ہے۔ مگر اس کے ساتھ ذرا یہ بھی تو سوچو کہ میں کس قدر مجبور ہو تمہارے رُوبرو آج مدد کے لئے ہات پھیلا رہا ہوں۔ تم نہایت بلند نظر ہو کیا دوسر کے لئے آج اپنے آپ کو تکلیف میں نہ ڈال سکوگے کیا؟ دیکھو بیوی کی نسبت اگر فرض کی ادائگی ضروری سمجھتے تو اس سے زیادہ اور کون سا راستہ ہے؟ اُس کی یہ تمام جائداد ـــــ باپ ماں کی مان رکھشا ـــــ سب تو تمہیں اسے دو گے۔ اس سے کیا تمہارا ادھر نہیں رہیگا؟

انبر نے کوئی بات نہیں کہی بہت دیر تک اُس کے بحر دل میں جیسے ترنگیں موجزن ہو رہیں۔ اس کے بعد وہ اُن کی طرف نہ دیکھ کر شک۔ درد اور خوف سے بیتاب شخص کی طرح بولا ـــــ "آج رات تک مجھے سوچنے کا موقع دیجئے"۔

رُما بلبھ نے جواب نہیں دیا۔ وہ انبر ناتھ کو نمسکار کر کے آہستہ آہستہ دیکھتے دیکھ کمرے سے باہر ہو گئے۔ اور دروازے کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ سامنے شام کے صاف شفاف آسمان پر شام کے جھٹپٹے میں آفتاب کی سُنہری شعاعیں ہر چہار طرف پڑ رہی تھیں۔ ہوا اٹکھیلیاں کرتی ہوئی آہستہ آہستہ چل رہی تھی ـــــ دروازے پر فریم میں لگی ہوئی ہری بلبھ بابو کی روغنی تصویر تھی۔ رما بلبھ نے اسی تصویر پر اپنی دردمندا

غم آلود آنسوؤں سے لبریز نگاہیں ڈالیں۔ وہ آنکھیں جیسے اُنہیں بے عزتی اور نفرت سے تسخر اُڑا کر زبانِ حال سے کہہ رہی تھیں "رابلبہ! دیکھو میری فتح ہوئی اُس وقت بڑی گرماگرمی دکھا رہے تھے۔ وہ گرمجوشی اب کہاں گئی؟"

رابلبہ یکایک زمین پر بیٹھ گئے۔ تصویر کی طرف دیکھتے دیکھتے اُن کے دل میں جیسے ایک بڑا اضطراب ہلچل مچ گئی۔ وہ تصویر گویا زندہ ہو گئی۔ اُنہیں یہی احساس ہونے لگا۔ آہستہ سے بولے "بابا! کیا اسی طرح تم اپنی رادھارانی کو شکست کروگے؟ اگر آج تمہیں میرے دل کی حالت کا اندازہ ہوتا۔ تو معلوم ہوتا۔ کہ مجھے کس قدر تکلیف ہے۔ دم و دم میں کیسی ذلت برداشت کرتا ہوں۔ میں کس کے رُوبرُو اپنا سر جھکا رہا ہوں۔ کاش آج تم دیکھ پاتے ———"

پندرھواں باب

شام ہو چکی تھی۔ آسمان نے اپنی پیشانی پر تاروں کی افشاں چُنی تھی۔ عین اسی وقت باقی مندر میں داخل ہوئی۔ آرتی میں ابھی دیر تھی۔ مندر میں کوئی نہیں تھا۔ جھاڑ فانوس روشن تھے۔ مورتی کے پاس ایک نازک اندام نازنین کچے سونے کے رنگ کی طرح چمک دمک دکھا رہی تھی۔ اُس کا دل اندر ہی اندر جھاگ والی لہروں کی طرح یکایک اُبل کر آنکھوں کے راستے سے آنسو بنکر نکلنے لگا۔

وہ تو کچھ نہیں چاہتی۔ اُس کے پاس جو دھوپ سُلگ رہی تھی اُس سے اُس نے اپنے تمام خیالات محسوسات دیوتا کے چرنوں میں ارپن کر دیا ہے۔ اب اُس کے پاس رہ ہی کیا گیا۔ پھر وہ اُس شکل سے کیوں محروم رہیگی؟ کیوں اُسے نااُمیدی کا شکار ہونا پڑیگا؟ ہری! کس پاپ سے اتنی تکلیف دی جا رہی ہے۔ دُکھ سے اُس کا سینہ بھرپور ہو گیا۔ بھگوان! میں نے جان کر تو کوئی قصور نہیں کیا۔ پھر یہ بتاؤ۔ کہ تم مجھے اپنی داسی بنانے سے کیوں محروم رکھتے ہو؟ کیا نہیں جانتے؟ کہ میں تمہاری ہی ہوں ——— صرف تمہاری ہوں۔ اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔ اُس وقت جیسے دیوتا کی مورتی ہنسنے لگی۔ رادھارانی عالمِ خیال میں یہی نظارہ دیکھنے لگی

جیسے وہ مورتی زبان حال سے کہنے لگی۔ راد ھارانی! تو مالک بنکر رہیگی۔ داسی نہ بنیگی۔ یہ تمام توہمات چھوڑکر جو سب لوگ کر رہے ہیں۔ جا وہی تو بھی کر۔

اُسوقت آنکھوں میں آنسو بھر کر بانی نے دیوتا کو مخاطب کرکے کہا۔ کیا تم سُن رہے تھے میں اور کسی کو شوہر کہکر قبول نہیں کرونگی۔ اگر تم نے میری لاج نہ رکھی۔ تو میں خود ہی رکھونگی اگر شادی ضرور ہی کرنی ہے۔ تو کرونگی۔ مگر یہ جان و دل ہے جب تمہیں سونپ دیا ہے۔ تو یہ تمہارا ہی رہیگا۔ یہ سب اگر کوئی صرف شوہر بن کر لینے پر راضی ہے۔ تو دے سکونگی ورنہ دوسری صورت میں قسمت پر صابر و شاکر رہنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔

دیوتا کے دلفریب چہرے پر بھی وہی جان بخش ہنسی کی شعاع نظر آئی۔ یہ ہنسی کیسی تھی۔ کچھ سمجھ میں نہ آئی۔

عین اسی وقت دروازہ کی سونے کی زنجیر کسی قدر جھنجھنا اٹھی۔ جیسے تنہائی میں جھجکتے ہوئے دردمند ہاتوں سے بہت آہستہ سے کسی نے چھوکر دروازہ کھولنے کا ارادہ کیا ہو۔ خاموشی سے دروازہ کس نے کھولا؟ یہ اندر کون آگیا؟ آدتیا ناتھ تو نہیں ہیں؟ ستیاناس بانی کی آنکھوں میں آنسو۔ نہیں! یہ نظارہ اس دُنیا میں کہیں کوئی دیکھ نہ لے۔ اُس نے دوسری جانب اپنا منہ پھیر لیا۔ اس کے بعد وہ پھر کچھ نہیں دیکھ سکی۔

بانی نے منہ پھیر کر دیکھا۔ کہ آنیوالا آدتیا ناتھ نہیں۔ آدتیا ناتھ ہوتے تو اسقدر خاموشی سے نہ چلے آتے۔ تو پھر جاتے کیوں؟ تو کیا آنیوالا اُس کے دل کی بےچینی حالت دیکھنے آیا تھا۔ اور اسی وجہ سے جلدی جلدی چلا گیا۔ اُس شخص نے اپنے دل میں کیا سوچا ہو گا؟ وہ چپ چاپ بیٹھ گئی۔ اور تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر بولی۔ "آئے تھے۔ تو واپس کیوں گئے؟ آنے والا اندر آیا۔ اُسوقت بانی نے دیکھا۔ پہچانا ــــ وہ امبرناتھ!

قسمت کا ایسا بید رد کھیل کسی نے کبھی خیال میں بھی نہ دیکھا ہو گا ــــ قصہ میں پڑھتے ہیں۔ کل جو بھکاری تھا۔ آج وہ دولتمند ہو گیا۔ رفتہ رفتہ راجا بن گیا۔ پھر بھی دُنیا میں ایسے قسمت کے تماشے روز روز دیکھنے میں نہیں آتے۔ شاذ و نادر ایسے واقعات ہوتے ہیں۔ مگر بانی کے مقدر میں یہی ہوا۔ اس منہ سے سات مہینہ پیشتر اُس نے جسے بیغرتی سے خفت

کردیا تھا۔ آج پھر اس کی حالت میں کیا تبدیلی ہو گئی؟ کل جو سب کچھ تھا۔ آج وہ کچھ نہیں رہا
اہلیا کی طرح اگر وہ اسی دم پتھر میں تبدیل ہو سکتا۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسے شانتی ملجاتی!
مگر یہ سب سوچ و فکر بیفائدہ ہے۔ یہ تمام قسمت کے کرشمے ہیں۔ اس مندر کو تو وہ جیتے
جی چھوڑنا نہیں چاہتی۔ یہ جو اُس کی جان سے زیادہ پیاری شے ہے۔ — پھر یہ بات بھی صحیح
ہے۔ کہ وہ اپنے جسم کو کسی اور شخص کے ہات نہیں بیچ سکیگی۔

کسی قدر جھجک کر ابنر ناتھ نے دیوتا کو پرنام کیا۔ اس کے بعد جانے کے وقت اُس نے
پیچھے پھر کر دیکھا۔ اتنے میں اُس نے سُنا جیسے کوئی کہہ رہا ہے "کھڑے رہو ایک بات کہنی
ہے"۔ دھکے سے اُس آواز نے دل میں جیسے ایک چٹکی لی۔ تلاطم خیز ندی کا پانی جیسے یکایک
بند ہو کر ساکن ہو جاتا ہے۔ ابنر ناتھ کی بھی رہی حالت ہوئی وہ کھڑا ہو گیا مگر سر نہ اُٹھایا۔ اچھی طرح
دیکھ بھی نہیں سکا۔ شرم و حجاب سے جیسے وہ مر گیا۔ بانی کا چہرہ اور اُس کی آنکھوں میں جیسے
بے رونقی سی آگئی۔ رگ رگ میں خون دورہ کرنے لگا۔ کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ اور کہے بغیر
کام بھی نہیں چلتا۔ اسی وجہ سے اُس نے اپنے دل کو دبا کر کہا۔ "شاید بابو جی سے ملاقات ہو
چکی ہے؟"

ابنر نے سر کو جنبش دیکر کہا "ہاں!"

پھر لعنت ملامت کے ساتھ ایک تیز آگ دل کو جلانیکی کوشش کرنے لگی "انھیں
جواب دے دیا"

ابنر ناتھ کی حالت تصور وار ملزم کی طرح ہو گئی۔ بولا "کل جواب دینے کو کہا ہے"
بانی کا چہرہ یکایک سُرخ ہو گیا۔ کل جواب دینے کو کہا ہے۔؟ — کل — کیوں؟
اس جواب کے متعلق کیا اسے سوچنے کے لئے کچھ نہیں ہے۔

ابنر ناتھ کی حالت جیسے پہلے تھی۔ اسی طرح وہ کھڑا رہا — چلا جائے۔ یا اور کچھ
سُننے کا انتظار کرے۔ یہ بھی وہ کچھ طے نہ کر سکا۔ بانی اپنے غصہ کو روک لیا۔ اُس کے دل
میں آیا۔ آدتیا ناتھ آ جائیگا۔ اس شادی کے متعلق آدتیا ناتھ کے مجمع میں کیسی ہلچل سی مچ رہی
کہنے کی بات نہیں — اسی وجہ سے بیٹھ کر بانی نے کہا "میری ایک بات تھی۔

— پھر کچھ دیر تک ٹھہر کر بولی "اِسی وقت اُسکا کہنا مناسب ہے — باُوجی نے جو کہا ہے وہی کرنا ہے، تو شادی کے دن تک میں آزاد رہنے کی خواہش کرتی ہُوں۔ اُس دن کو چھوڑ کر اِس جنم میں دونوں میں دیکھنا سُننا نہ ہوگا۔ دو میں سے کوئی ایک دوسرے کی خبر نہ لیگا — یہی میری خواہش ہے"

اُسی چراغ کی روشنی سے جیسے امبر ناتھ کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ ایسی سخت اور فضول شرائط کے ساتھ کیا وہ کسی سے شادی کر سکیگا؟ اُس نے زور سے ایک سانس لیا۔ وہ سانس دھوپ کی بوُ کے خوشبو میں مِل گیا۔ بولا — "اچھا"

بانی یہ سُنکر کسی قدر مطمئن ہُوئی۔ بولی "عہد کرو — اِسی مندر میں قسم کھاؤ — شادی کے دن سے —" یکایک سامنے بجلی گرنے سے جیسے انسان خائف ہو جاتا ہے امبر ناتھ کی حالت بھی ہوبہو ویسی ہی ہوئی۔ بانی کا مفہوم سُنکر وہ بے حس و حرکت ہو گیا۔ بولا — نہیں — شاستروں کے بموجب تمام کاروائی کے خاتمہ کے بعد —"

بانی کی آنکھوں میں جیسے بجلی کی سی چمک آ گئی۔ آج وہ زبردست عہد کرانے آئی ہے۔ اُف! — بولی "یہی ہوگا۔ شادی کے بعد پھر دونوں کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہ رہیگا۔ امبر ناتھ نے کہا "قسم کھاتا ہوں"

اُس رات کو کرشن پریا کھانا کھاتے وقت لڑکی کو نہ دیکھ کر تلاش کرتے کرتے کمرے کے بند دروازے کے پاس جا کر پکارنے لگیں۔ کتنی دیر بعد جواب ملا "نہیں کھاؤنگی" اِس قسم کی باتیں آج کل تقریباً روز ہوتی تھیں۔ ماں کسی قدر جھنجھلا کر بولی "روز روز یہی جھگڑا۔ کھائیگی کیوں نہیں؟ کیا ہوا ہے؟"

"ہُوا کیا؟ اِس سے زیادہ اب اور کیا ہوگا؟" بانی دِل ہی دِل میں کڑھتی رہی کوئی جواب نہیں دیا۔

جواب نہ پاکر کرشن پریا نے پھر پکار کر کہا۔ رادھا رانی! اُٹھ۔ آ۔ بیفائدہ غصہ نہ دِلا۔ بانی پھر بھی نہ اُٹھی جھنجھلا کر بولی "میں ہی تم پر تمام آفت و مصیبت لائی

فں۔ میں مر جاؤں۔ تو تم خوش ہو۔ اور میں بھی خوش ہوں۔ اتنے لوگ مرتے ہیں صرف مجھے ہی موت نہیں آتی۔

ماں دل ہی دل میں رہ رہ کر پچھتانے لگی۔

سولھواں باب

کمرے کی کھڑکی کھلی تھی۔ پاس ہی چراغ روشن تھا۔ سامنے ایک کتاب کے صفحے کھولے ہوئے زمیندار مہاشے کے پروہت کسی گہری فکر میں محو تھے۔ زمیندار مہاشے نے اپنے خاص نایب جگل دھر چکرورتی کو بلا کر سخت تاکید کی۔ کہ امبر ناتھ کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ مرگانک موہن آیا۔ اُسنے نایب صاحب کے کانوں میں نہ معلوم چپ چاپ کیا کہا اور ساتھ لے گیا۔ کھڑکی کے دروازے سے دونوں کو جاتے دیکھا گیا۔ نوکر اندر چراغ جلا رہا تھا۔ اُسنے دیکھا۔ کہ رسوئی خانہ میں ایک دروازے کے ساتھ گھر کی مالکہ آنسو پونچھتی پونچھتی پرانے پروہت کیساتھ باتچیت کر رہی ہیں۔ گھر کی ایک نے بھی اس گفتگو کا کچھ حصہ سنا تھا۔ مالکہ کہہ رہی تھیں وہ تمہارے سوا کسی طرح بچ نہیں سکتی۔ تو بالکل بچی لڑکی ہے۔ اسکی باتوں پر توجہ نہ دینا۔ اس نے تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ تم اُن باتوں کو بھول کر میری طرف دیکھو اور ایکبار کرو۔ امبر ناتھ کی اُسوقت کی حالت دیکھ کر صاف معلوم ہوتا تھا۔ کہ ان تمام باتوں کا بہت سا حصہ جیسے اُسکے کانوں تک نہیں پہنچا۔ کچھ دیر تک ٹھہر کر گرشن پر بیا کے سوالات کا جواب دیئے بغیر ہی وہ وہاں سے چلا گیا۔

امبر ناتھ جس وقت تن تنہا نایب خانہ میں واپس آیا۔ اسوقت وہاں محلہ کا مجمع تھا آپس میں باتچیت کیساتھ ہنسی دل لگی بھی ہو رہی تھی۔ امبر ناتھ کو دیکھ کر سب کے سب خاموش سے رہ گئے۔ مگر ہونٹوں پر مسکراہٹ دکھائی دے رہی تھی۔ معلوم ہوتا ہے۔ اس تار تار اور میلے کچیلے لباس سے ڈھکے ہوئے بدن میں آج کچھ خاص لطافت و ملاحت آگئی تھی۔ ورنہ ہمیشہ کے جانے پہچانے لوگ اس قدر استعجاب سے کیوں

اُسکی طرف دیکھتے؟

مگر امبر ناتھ نے کسی طرف نظر نہیں ڈالی۔ آج صبح سے اُسکی زندگی میں عجیب وغریب واقعات ظہور پذیر ہوئے تھے۔ اُنہیں وہ دیکھ دیکھ اور سوچ سوچ کر کسی قدر متحیر سا ہو رہا تھا۔ راج نگر میں پہلی بار آنا۔ رہنا۔ پھر جانا۔ آج پھر آنا۔ ان تمام خیالات نے اُسکے دل میں زبردست ہلچل مچادی۔ وہ سوچنے لگا۔ کہ وہ غریب برہمن کا لڑکا ہے کس طرح اُسکی پرورش ہوئی؟ اپنی مرضی سے کاشی دھام میں ایک دیالو پنڈت کے پاس شاستر پڑھتا تھا۔ اتنے میں پنڈت مہاشے سورگ چل بسے۔ پنڈت ویدانت شاستر کے زبردست عالم تھے۔ اب اُسے کون پڑھائے؟ دیس واپس آنے پر گنگا رام کی بدولت راج نگر پہنچا۔ وہاں نیائے پڑھنے لگا۔ کیونکہ نیائے ساتھیہ ہی ویدانت کا زینہ ہے۔

آسمان پر لاتعداد ستارے ہونے پر بھی اگر اُسکے نیچے بادلوں کا ہجوم ہو۔ تو تاروں کی روشنی بادلوں کو چھید کر نیچے نہیں آسکتی۔ آسمان پر بیٹھی ہوئی تاروں کی قطار صرف بادلوں کو دیکھ سکتی ہے۔ امبر ناتھ میں علم تھا۔ ویدانت شاستر بھی اُس نے اچھی طرح دیکھا تھا۔ اتنی تبدیلی اور دُکھ درد کی حالت میں بسر کرتے ہوئے بھی وہ بالکل بے پروا سا تھا۔ کبھی کوئی تکلیف خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ مگر یہاں آکر وہ ویدانتی نہیں رہ سکا۔ مگر عوام کو اُسکے دل کی تھاہ نہیں ملی۔

جو ہو۔ وہ ایک دن بھی مغموم نہیں ہوا۔ ماں کے پیٹ سے نکلنے کے کچھ مہینوں بعد ہی غریب کے سر سے ماں کا سایہ اُٹھ گیا۔ بچپن سے ہی وہ لوگوں کی خدمت کرتے کرتے بڑا ہوا۔ اسکے بعد پروہت ہوا اور پھر زندگی کا رُخ بدل گیا۔ وہ سوچنے لگا۔ زندگی میں یہ حیرت انگیز تبدیلی کیوں؟ وہ ایشور کے چرنوں میں پرارتھنا کرنے لگا۔ پربھو! دل میں طاقت بھر دو۔ کہ میں اپنے آئیڈیل سے نہ گروں۔ سمجھا دو کہ میں کس طرح اس مصیبت میں اپنے فرائض ادا کروں؟

[illegible] رما بلبھ کا بےچین ہو کر اصرار کرنا۔ کرشن پریا کا رونا۔ [illegible]

یہ تب۔ کہاں تک ۔۔۔ ان تمام باتوں کا اُس پر انحصار ہے ؟ اسکے بعد ایک بات ؟ اُسنے اُنکا نمک کھایا ہے آقا ہیں۔ وہ نوکر ہے جس کا ان کھایا جاتا ہے اس کی حیثیت باپ کی ہوتی ہے۔ اگر ضرورت پڑ جائے۔ تو اسکے لئے جان تک دینے میں عذر نہ کرنا چاہئے۔ شاستر کا بھی مقولہ ہے۔ مگر کیا اُن کے لئے وہ اتنا بھی نہ کر سکیگا۔ مگر یہ بات بھی تو معمولی نہیں ۔۔۔ اُسکا تمام جسم جیسے کانپ اُٹھا۔ ہائے ایکو تکڑہ بانی سے جا ۔آنکھیں کر سکیگا ؟ غیر ممکن ۔۔۔

فکر و تردد میں پھنسا ہوا انبر ناتھ بھگوان کو مخاطب کرتے عاجزانہ انداز سے کہنے لگا "پربھو! ایں کیا کرونگا ؟ میرا فرض کیا ہے ؟ یہ بتا دو۔ صرف دل کی کمزوری سے اصل چیز جیسے نظر انداز نہ کر جاؤں ۔

یکایک دل میں آیا اور سات دن بعد مالیچھ اپنی لڑکی کی شادی نہ کر سکنے پر اپنی دولت کے تمام اختیارات سے سبکدوش ہو جائینگے۔ مندر بھی اُنکے ہاتھ سے نکل جائیگا۔ وہ کسی جگہ چونک اُٹھا ۔۔۔ اس مندر کے چلے جانے سے باقی زندہ نہ بچیگی ۔۔۔ یہ مندر جو اُسکی جان سے بھی کہیں زیادہ پیارا ہے ۔۔۔ میں بھی جان رہتے رہنے یہ برداشت نہیں کر سکونگا۔ پھر خواہ کچھ ہی ہو۔ اُنکی بات رکھنی ہوگی۔ شادی کے بعد دُور دُور رہونگا۔ تب ہی اُسے مفلسی بے عزتی سے اور دلی تکلیف سے بچا سکونگا۔ دولت و عزت کی حفاظت کر سکونگا۔ کیا یہ ایک فرض نہیں ؟ اگر اُسے ۔۔۔ یا کسی دُنیا کے ایک شخص کو بھی سُکھی کر سکوں۔ تو اُس سکھ سے کیوں محروم رہوں ؟ ۔۔۔ مجھے فکر و تردد اور شرم و حجاب لیکر بھاگنے کی ضرورت ہی کیا ہے

ایک تُرابت از طرح طرح کے رنگ دکھا کر اپنی چمک دکھا رہا تھا۔ یکایک وہ اُسکے منہ کی طرف دیکھ کر اور بھی تیز تر ہو گیا۔ ہوا کے تیکھے جھونکے سے آسمان کو چھونے والا دیودار کا درخت یکایک کانپ اُٹھا۔ انبر ناتھ کے دل میں آیا۔ ہی جیسے دیوتا کا آشیرباد وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

پھر وہ سوچنے لگا ۔۔۔ یہ بھی بہت مشکل مسئلہ ہے۔ شادی کے دوسرے دن رسومات شادی ادا ہونے کے بعد ہمیشہ کے لئے بیوی کو چھوڑنا ہوگا۔ اگر اپنے دل کے فائدہ

ٹھیک کیا جائے۔ تو اس میں کوئی ہرج بھی نہیں۔ مگر اصل بات کو قبول کرنے میں شرم کیا ہے۔
بلکہ اصل بات کے سوا اس کیلئے یہ کام کرنا اور بھی مشکل ہو جاتا۔ شادی کے بعد اگر اسے خانہ
داماد کی حیثیت میں سے پانی کے گھر رہنا پڑتا۔ پھر تو وہ کبھی بھی شادی کرنے پر راضی
نہ ہوتا۔ اگر فرائض کی طرف توجہ کی جائے۔ تو یہاں ایک زبردست رکاوٹ حائل ہو جاتی ہے
دل میں ایک اتنا زبردست خیال پوشیدہ رکھ کر دیو برہمن۔ شالگرام۔ سامنے اگنی کو
سانتشی کر کے۔ وید منتروں کی پرتگیا کر کے شاستروں کے بموجب نہ چلنے سے جو پاپ ہوگا۔ اس کا
پرائشچت نہیں ہے۔ اس مشکل کے حل کی صرف ایک تدبیر ہے کہ شادی سے منہ موڑ لوں۔
انیرا اتنے میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ایک کنارے رکھی ہوئی پوٹلی کھولی۔ اس میں چند دھلے ہوئے
کپڑے تھے کچھ کتابیں بھی تھیں۔ ایک نبات کے ٹکڑے میں برہمن بھوجن کے دن کے گنا ملے
ہوئے چند روپے اور کچھ پیسے تھے۔ وہ پوٹلی لیکر چراغ کے سامنے بیٹھا۔

دیکھا منتر! ایک ایک حرف میں کیسی کتنی سنجیدگی ہے۔ کیسے زبردست اور مستحکم عہد میں
اپنے آپ کو باندھا اور دوسرے کو باندھا۔ یہ شادی کا بندھن کیا کبھی ٹوٹ سکتی ہے زندگی اور موت
میں کبھی یہ ڈھیلا ہو سکتا ہے۔ شالگرام کی مورتی۔ برہم روپی اگنی۔ برہمنوں کی منڈلی۔ اوپر
کبھی نقل و حرکت کرنے والے ستارے۔ ان کے روبرو وید منتر کے روپ میں جو زبردست
شکتی ہے۔ ان دونوں کے ملاپ کیلئے آموجود ہوئے ہیں۔ دل میں چھل کپٹ رکھ کر یہاں
ٹھہرنا ناممکن ہے۔ اسے جس کام کے کرنے سے پاپی کو سکھ ملیگا۔ اسکے لئے کرنا ناممکن ہے۔

رات رفتہ رفتہ بھیگنے لگی۔ رات میں اڑنے والے پرندوں کی کرخت آواز۔ اور آس کے محلہ کے
شور و شر نے یکساں تھمی خاموش اور پرسکون رات کو حیرت میں ڈال دیا۔ کھڑکی سے وہی ستارہ
اسی روشنی سے انیرا تھ کے فکر سے جلے ہوئے چہرے کی طرف دیکھ کر جیسے کچھ کہنے لگا۔
یکایک وہ چونک اٹھا۔ اس نگاہ میں عہد گذشتہ کا کسی کی نہایت پرلطف۔ روشنی سے بھرپور
پرسکون نگاہوں کا عکس ادھر ادھر اس طرف نہ دیکھ سکا۔ انہیں صاف شفاف ستاروں کی طرح
نگاہوں کا عکس جیسے اسے ذلت کیساتھ کہتا تھا تم اسقدر جاہل ہو۔ اتنے حقیر ہو۔ یہ نہیں
معلوم تھا۔ فی الحقیقت وہ حقیر تھا۔ حقیر سے حقیر تر تھا۔ پناہ میں آئے ہوئے شخص کو حوصلہ بھی نہیں

مثنا۔ سچ تو ہے۔ اُس جیسا ڈرپوک شخص دُنیا میں اور کون ہے؟
امبرناتھ نے اپنے دِل ہی دِل میں بہت کمزوری کا احساس کیا۔ اُسی پتھر کی مورتی کی طرح
رصاف شفاف و دلکش۔ اُسی دیوتا کے ہمیشہ ساتھ رہنے والی دیوی کے چرنوں میں
نے آپکو قربان کئے ہوئے بغیر کیونکر رہ سکیگا۔ آج شام کو بہت دُور رہنے والی دیوی
اُسکے قریب تر آکر بیٹھنے والی کے رُوپ میں آکر کھڑی ہوئی تھی۔ اُس وقت ہائے!
فت اُسکا بیجس حرکت دِل ہمدردی سے یکایک حرکت پذیر ہو اُٹھا تھا۔ اسے اُس نے بخوبی سمجھ
عا امبرناتھ نے جلدی سے اپنے دِل کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ اسکے بعد آن منا سا
بستر پر پڑا رہا۔ وہ نہایت بے فکر اور لاپرواہ شخص تھا کسی فکر نے کبھی اُس کے دِل کو تشویش
نہیں ڈالا تھا۔ کبھی کسی خواہش نے اُس پر اپنا اقتدار نہیں جمایا تھا۔ آج یہ کیسی سُکھ دُکھ کی
یدہ لہروں نے اُسکے مطمئن دِل میں یکایک بحرِ ناپیدا کنار کی طرح ہل چل مچادی۔ اور یہ
سا نغمہ الاپ دیا۔

رات کے آخری حصے کی طرب خیز ہوا نے غنچوں میں شگفتگی پیدا کرکے اطراف وجوانب کو
نظر کر دیا۔ امبرناتھ ضروریات سے فارغ ہونے کے لئے ندی کی طرف چلا گیا۔ اُس نے سوچا شادی
منتر دونوں دِلوں کو ایک کرکے پیار کرنا سکھاتا ہے۔ یہ آج ہی میں نے سمجھا ہے۔ یہ
یرے لئے غیر ممکن نہیں۔ دوسری بات ہمیشہ کے لئے پرورش و پرداخت کی ہے۔ یہ جائداد
ر بچ جائے۔ تو اُس وعدہ کا کچھ حصہ میں نباہ سکتا ہوں۔ زمیندار مہاشئے نے جو کچھ کہا ہے
یہ بالکل غلط نہیں۔ امبر سوچنے لگا۔ اس طرح کام کرنے سے شاید وہ بالکل جھوٹا نہیں ہوگا۔
راستہ میں جاتے جاتے نیلگوں آسمان کے مشرقی حصہ میں سُرخ شعاعیں نظر آئیں۔
امبرناتھ نے ایک گہرا سانس لیا۔ دو دِن بعد وہ اپنی حقیر زندگی کا ایک اور کو شریک بنائیگا۔
مگر دوسرے لحظہ میں ہی عرصہ دراز کے لئے اُسے چھوڑ کر چلا جانا ہوگا۔ اس میں نقصان
ہی کیا ہے؟ وہ اس وقت بغیر کسی پس و پیش و رکاوٹ کے کہہ سکتا ہے "جیسا تیرا دل
ہے ویسا میرا دل ہے" اسکے بعد اس زندگی کی طرح دونوں اس دُنیا میں مختلف مقامات
میں نہیں رہ سکتے۔ اس میں کیا نقصان ہے؟ وہ اُسے اپنی بیوی اور زندگی کی ساتھی

کی صورت میں کبھی کسی کام کے موقع پر فکر کریگا۔ اور اس زندگی میں مل سکے اس جذبہ سے جیسے کسی کو کچھ خبر نہ ہو۔ اس کی کوشش کریگا۔

سترھواں باب

اشیر ناتھ کی طرح اُس رات کو رما بلبھ بھی نہیں سو سکے۔ رات کو کھانا کھانے کے وقت بانی کو نہ دیکھ کر اُن کے دل میں ایک زبردست درد بہت تیز کانٹے کی طرح چبھ رہا تھا۔ لڑکی کی محبت سے اُنکے دل کا ایک ایک حصہ لبریز ہو گیا تھا۔ مگر آج وہ اپنے ذاتی سکھ کے لئے اُسے کتنی تکلیف، درد اور کتنی بڑی شرم والنے کے لئے بیٹھے تھے۔ جب یہ خیال اُن کے دل میں آتا۔ تو اندر ہی اندر ہزاروں سُوئیاں سی چبھنے لگتی تھیں۔ کہاں سے وہ حُسن۔ سلیقہ اور تمام باتوں میں ممتاز داماد لائینگے۔ جسے دیکھ کر سب کے سب یہی کہینگے۔ کہ بانی کی قسمت کھل گئی۔ لڑکی کے چہرے پر سکھ کی جھلک دیکھ کر وہ خود بھی مسرت سے پھولے نہ سمائینگے۔ یہ تو دور رہا۔ ایک بد حیثیت شخص سنسکرت پڑھا ہوا۔ وہ بھی سند یافتہ نہیں۔ جسے شروع سے A. B. C. سکھا کر انسان بنانا ہوگا۔ اُسی کے حکم سے نکالا ہوا پروہت۔ بانی کی آنکھوں میں کھٹکنے والا۔ اُسی کی خوشامد کرکے بُلا کر کنیا دان کرنا پڑیگا۔ قسمت کا یہ کیسا تمسخر اور مضحکہ ہے! کیسی باپ کا پرائشچت ہے!

جلدی جلدی کھانا چھوڑ کر آسن سے اُٹھ کر رما بلبھ بانی کے کمرے کے پاس جا کر آواز دی "بیٹی رادھا رانی! اُٹھو۔ آؤ۔" کہتے کہتے اُنکا دل اندر ہی اندر جیسے کوئی مسوسنے لگا۔ پھر کسی طرح ہمت سے کام لیکر بولے "بیٹی! تمہارے نہ ہونے کی وجہ سے آج مجھ سے کھانا نہیں کھایا گیا۔ میری طبیعت آج بہت خراب ہو رہی ہے۔ آؤ۔ اُٹھو۔ ذرا ایکبار تو میں تمہیں دیکھوں"

بانی کا غصہ نہ ٹھہر سکا۔ فوراً دروازہ کھول کر آکھڑی ہوئی۔ تاریک کمرہ برآمدے کی روشنی سے کسی قدر روشن ہو گیا۔ اُس روشنی میں اُسکا چہرہ صاف نہیں دکھائی دیا۔ باپ نے بیٹی کو دونوں ہاتھ سے اپنے سینہ کی طرف کھینچ لیا۔ بانی نے بغیر کچھ کہے سُنے باپ کی آغوش میں اپنا سر رکھ دیا۔ اُس وقت اُسے بہت رونا آتا تھا۔ غصہ کی آگ میں

پانی کی دفعتاً ہچکی پڑتی تھی۔ اسی وجہ سے وہ جواب نہیں دے سکی۔ آنسوؤں کو ضبط کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

رما بلبھ نے پکارا: بیٹی! تم نے میرے اوپر غصہ کیا ہے۔ جواب نہ پاکر کسی قدر بےچین ہو کر بولے۔ بتاؤ بیٹی! میں کیا کروں۔ کیا کوئی تدبیر ہے؟"

بہت دیر تک خاموش رہنے کے بعد پانی نے اپنے آپکو سنبھال لیا اور آنکھوں سے آنسو بہاتے بہاتے بولی: "دادا باپو مجھے ذرا بھی پیار نہیں کرتے تھے!"

رما بلبھ نے ایک گہرا سانس لیکر کہا: "بیٹی پیار کرتے تھے۔ پھر بھی وہ اپنے دھرم کو سب کی نسبت کہیں زیادہ پیار کرتے تھے۔ کہیں میری ذات سے اس میں کوئی خرابی واقع نہ ہو۔ اسی وجہ سے میرے ہاتھ پاؤں باندھ گئے ہیں۔ بیٹی! اس میں کسی کا قصور نہیں سب میری قسمت کی خرابی ہے۔"

"چلو بابا! ہم سب سات دن بعد یہ سب چھوڑ کر کہیں دور دیس چلے جائیں۔"

رما بلبھ کے دل میں کیا یہ بات بارہا نہیں آئی تھی۔ مگر اس میں ہرج ہی کیا تھا۔ مگر جب جب انکے دل میں یہ خیال آیا تھا اسی وقت ان کی حالت نہ معلوم کیسی ہو گئی تھی۔ وہ سوچتے تھے میں سب کچھ چھوڑ کر پشتینی جائیداد سے منہ موڑ کر کہاں جاؤنگا۔ مگر لڑکی کے منہ سے یہ دردآمیز بات سنکر وہ اپنے آپے میں نہ رہ سکے۔ انکے لئے یہ کتنی شرم کی بات تھی ... اپنے دل ہی دل میں محسوس کر رہے تھے۔ کسی طرح بولے: "چلو بیٹی! ... اچھا ... جلال کی ضرورت نہیں چلو کہیں بھاگ چلیں۔"

پانی کا دل اندر ہی اندر پیچ اٹھا۔ پھر دل میں ہمدردی کی ترنگیں اٹھنے لگیں۔ بولی: "بابو جی! یہ سب چھوڑ کر کہاں جاؤگے؟ جو ہونے ہو۔ کہیں نہ جا سکینگے۔"

پھر بھی رات کو رما بلبھ کی آنکھوں میں نیند نہیں آئی۔ کل صبح کیا ہوگا۔ یہ خیال آتے ہی آسمان کے ساتھ انکا چہرہ بھی سرخ ہو گیا۔ اور ایک فکر تھی شاید ... اگر شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر کیا ہوگا؟ اور اگر منظور کر لیا۔ تو شرم اور دکھ سے پانی مر ہی جائے گی۔
جتنی دیر ہونے لگی۔ رما بلبھ کی بے چینیاں اسی قدر بڑھنے لگیں۔ تھا خوف ...

اُنہیں صرف یہی ایک خوف معلوم ہونے لگا کہ اگر بعد میں امبرناتھ نے آکر یہ کہدیا کہ میں نے اچھی طرح غور کرکے دیکھا ہے یہ غیر ممکن ہے" پھر کیا ہوگا۔ یہ خیال آتے ہی پھر اُنہیں ایک جانگداز درد ہونے لگا۔ ہائے! اُس وقت کیا تدبیر کیجائے گی۔ مرگ انک سے اگر شادی کی جاتی ہے۔ تو سوت کا خوف۔ غرض ہر طرح جان مصیبت میں پڑی ہے۔

انسان اگر بُرے خیالات سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکے۔ تو پھر کیا کہنا ہے مگر ایسا کہاں ممکن ہے۔ صرف چند خوش نصیب ہستیاں ایسی ہوتی ہیں۔ جو آلایشات دنیوی سے بالکل پاک صاف رکھتی ہیں۔ رما بلبھ اُگو ہُگو کے اتھاہ ساگر میں پھنسے ہوئے غوطے کھا رہے تھے۔

نوکر نے آکر کہا "بڑے پرانے پروہت مہاشئے آئے ہیں"۔

رما بلبھ چونک اُٹھے۔ اُنکا زرد چہرہ جیسے یکایک سفید ہوگیا۔ آئے ہیں کیا کہینگے؟ اگر کہدیا کہ نہیں۔ میں نہیں کرسکونگا۔ اُسکی نسبت تو اُمید کی روشنی لیکر جو یہ چند دن گزار رہا ہوں۔ وہ بھی بجھ گئی ہیں۔

نوکر حکم کے انتظار میں کھڑا تھا۔ اُسنے دیکھا۔ مالک کا تمام جسم تھر تھر کانپ رہا ہے متحیر ہوکر اُسنے کہا "نہ ہو تو اُنکو اس وقت رخصت کردوں"۔

رما بلبھ نے بے چینی سے سر جھکا کر کہا "نہیں۔ نہیں۔ اُنہیں بُلاؤ"۔

امبرناتھ نے داخل ہوتے ہی نمسکار کی بجائے جھک کر پرنام کیا۔ رما بلبھ کا دل اگر اس بے چین نہ ہوتا اور یکساں حالت پر رہتا۔ تو ایک رات میں ہی یہ تبدیلی کیونکر ہوتی بچہ یکایک جوان ہو جاتا ہے یا حقیر نیم شگفتہ کلی یکایک پوری طور شگفتہ ہوکر جیسے وہ عوام کے دلوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اسی طرح امبرناتھ کے چہرے میں بھی آج ایک خاص بات نظر آتی تھی جس پر ہر شخص کی نظر پڑتی تھی۔ مگر رما بلبھ کی اتنی لطیف نظر تو در کنار رہی معمولی نظر بھی نہیں جاتی تھی۔ اُن میں شاید غور و خوض کی طاقت بھی نہیں رہی تھی۔ اُسطرف نظر اُٹھا کر دیکھنے کا حوصلہ بھی اُنہیں نہیں ہوتا تھا۔ اگر دیکھتے تو اس لڑکے کے چہرہ پر جو بجلی کی شعاع کبھی کبھی نمایاں نظر آجاتی تھی۔ وہ اُنکی نگاہوں میں کبھی نہ کبھی ضرور سما جاتی۔

امبرناتھ نے کچھ دیر تک انتظار کیا۔ مگر رما بلبھ کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔

ے سوچا ممکن ہے انکی رائے میں تبدیلی آگئی ہو۔ یکایک کچھ کہنا مناسب نہیں۔ یہ سوچ کر
ی چپ چاپ کھڑا رہا۔ اسوقت اُسکا دل نہایت ڈانواں ڈول ہو رہا تھا۔ صبح کی زریں
ا ریوں میں ندی کے کنارے پُرشکوں آسمانی شامیانے کے نیچے آفتاب کی شعاعو
اُسنے دیکھا تھا۔ کہ ایک ایسی پُراسرار نظم لکھی ہوئی ہے جس کا پڑھنا نہایت مشکل ہے
رج کے رُوپ میں اِشٹ دیوی نے نورانی لہجے میں کہا تھا "اس شادی میں کوئی رکاو
ہونی چاہیئے تم اپنی بیوی کو زندگی کی ساتھی۔ تصور کرو۔ اور وہ ——— اُسکے لئے تمہیں
ئی فکر نہ کرنی چاہیئے۔ اُسے دیوتا خود ہی تعلیم دینگے"
رما بلبھ نے سر ہِلا کر کے کہا "امبر ناتھ! میں تمہارا انتظار کر رہا تھا"
امبر نے سنجیدہ لہجہ میں کہا:- "آپکی ارشاد کے تعمیل کے لیئے میں حاضر ہوں"
"تیار ہو۔ تمام شرطیں منظور ہیں؟"
امبر ناتھ نے سر اُٹھا کر کہا:- "ہاں! تمام شرطیں"
جیسے کوئی کھوئی شئے انسان کے ہات آجاتی ہے۔ اور وہ خوش ہو کر مسرت آمیز لہجہ میں
یتں کرتا ہے اُسی لہجہ میں رما بلبھ بابو بھی بول اُٹھے۔ بہت اچھا۔
راج نگر گانوں میں ایسا تعجب خیز واقعہ پہلے کبھی ہوا تھا۔ یہ کسی کے خیال میں بھی
نہ آیا۔ زمیندار مہاشے کی لڑکی کے شادی کے متعلق جو تعجب خیز واقعات ظہور پذیر ہو
رہے تھے۔ اُس سے لوگوں میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔ جہاں تہاں یہی ذکر ہونے لگا۔ اَدیا ناتھ
نے تلسی سے کہا:- یہ کیا ہو رہا ہے؟
تلسی کا دل مسرت کے بحرِ بے پایاں میں غوطے کھا رہا تھا۔ وہ اِسی بات میں بہت خوش
تھی۔ کہ اُسکی سکھی کے لئے سکھا مل گیا ہے۔ اِسکے علاوہ اُسنے آڑ سے امبر ناتھ کو دیکھا
تھا۔ اور وہ جیسے اُس پر ریجھ سی گئی تھی۔ کیا ہوا اگر وہ غریب ہے اُسکے خال و خط کس قدر
دلفریب و شگفتہ ہیں۔ پڑھا لکھا ہے۔ دُنیا میں ایسے کتنے لڑکے ملتے ہیں۔ اُس نے ہنستے
ہنستے اَدیا ناتھ سے کہا۔ "دیو جی! جو کچھ ہو رہا ہے۔ بہت اچھا ہو رہا ہے۔ بات بھی سچی ہے
اَدیا ناتھ کا منہ ہانڈی کی طرح ہو گیا۔ اس گانوں میں سب کے سب پاگل ہیں۔

جیسے پروہت کے کام سے برطرف کردیا گیا۔ وہی آج داماد ہوگا! کل نہ معلوم کیا کیا کھائی پڑے گا"۔

تلسی کھلکھلا کر ہنس اُٹھی۔ ہنستے ہنستے بولی "اگر اچھا پروہت پسند آگیا اور اُسے داماد بنا لیا۔ تو اِس میں ہرج ہی کیا ہے۔ اب اِسکے سوا تدبیر کیا ہے کہ معمولی پروہت منتر پڑھ دیگا"۔

آدیاناتھ تلسی کا مفہوم سمجھ گئے۔ کسی قدر ناراض ہوکر بولے "جاؤ! جاؤ۔ تمہارا یہ ہنسی مذاق مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ میں ایک نیوتے میں شانتی پوُجا رہا ہوں ــــ پندرہ دِن بعد آؤنگا"۔

"یہ کیا! پھر شادی کون کرائے گا؟"

"کونسی بڑی شادی ہے۔ دونوں پاؤں میں مہاوڑ لگالی جائیگی۔ جیسے بر ہے ویسا ہی کوئی پروہت بھی آجائیگا۔ میں خواہ مرجاؤں۔ مگر مرتے مرتے بھی اس قسم کی پڑھتائی نہ کرونگا۔ دُنیا کی تباہی میں اب دیر نہیں۔ اِسی لئے ایسی ایسی شادیاں ہورہی ہیں"۔

غصہ میں بھر کر آدیاناتھ اُٹھ گئے۔ جاتے جاتے بھی اُنکی حالت خراب ہوگئی۔ منجری کا تمسخر رگ رگ میں اب تک جیسے چٹکیاں لے رہا تھا۔ اُنھوں نے کمرے سے نکلتے ہی زور سے دروازہ بند کیا۔ آواز سُنکر تلسی نے کہا "دیوجی! معلوم ہوتا ہے غریب کا دروازہ توڑ کر بڑے لوگوں کے پاپ کا پرائشچت کروگے۔ میں تو یہی دیکھ رہی ہوں"۔

کرشن پریا اِس شادی سے ناخوش نہیں تھیں۔ وہ انبرناتھ کو ہمیشہ سے بچوں کی طرح پیار کرتی تھیں۔ جب باپ بیٹی نے مِل مِلا کر اُسے رخصت کردیا تھا۔ اُسوقت اُنکا دِل اندر ہی اندر بہت دُکھی ہُوا تھا۔ مگر کیا کرتیں کچھ سوچ سمجھ کر خاموش ہورہی تھیں۔ مگر جب وہ پھر واپس آیا۔ اُسوقت اُنکے دِل میں وہی پچھلے تمام خیالات آئے تھے۔ اور اُس وقت اُنھوں نے سوچا تھا "کہ بانی کے پاپ کا یہی پرائشچت ہے۔ جو ہو مجھے اِس سے کوئی دُکھ نہیں لڑکے کے جیسے دماغ ہیں۔ وہ صاف ظاہر ہیں"۔

شادی کے دِن رات کو ماں نے بانی کو جگا کر کہا "اُٹھ۔ وقت ہوگیا۔ جو ضروری رسُومات

ہیں۔ اُنکی ادائیگی ہونی چاہئے۔ چل جی کڑا کرلے۔

بانی سوتی نہیں تھی۔ بستر پر پڑی ہوئی کروٹ بدل رہی تھی۔ ماں کے پکارنے پر پہلے اُس نے جواب نہیں دیا۔ بعد ازاں خوابیدہ لہجہ میں بولی "میرے پیٹ میں رکھشش تو نہیں بیٹھا ہے۔ کہ اس وقت کھاؤں۔ اور ہضم کر لوں۔

ماں نے کہا۔ تو کیسی الھڑ اور ناداں ہے۔ ذرا سا شگون کرنا ہے۔ یا تجھے بھر پیٹ کھانا

بانی نے تکیہ کھینچ لیا اور اچھی طرح لیٹ کر بولی "مجھے اس وقت بڑی نیند آئی ہے۔ تم جو کھانا پینا بہت پسند کرتا ہے۔ اُسی کو کھلا دیا۔ میں اس وقت کسی طرح نہیں

کرشن پریا نے کسی قدر ناراض ہو کر کہا "تو بات کرتی ہے۔ سب فضول اور بیہودہ ہوتی ہے۔ جو تم دھرم ہے۔ وہ تو کرنا ہی پڑیگا۔ اس میں ہرج کیا ہے۔ آ! زیادہ غصہ نہ کر۔ چل۔ اُٹھ۔

بانی نے اپنی عادت کے بموجب ضد کر کے کہا: "اس شادی میں ۔ ہم دھرم کی کیا ضرورت؟ میں ذرا سوؤنگی ۔ تم جاؤ"

"کیوں بانی؟ صرف تیرے ہی منہ سے آج یہ سب باتیں سن رہی ہوں۔ شادی میں یہ چھوٹا کیا؟" یہ کہکر کرشن پریا نے بانی کا ہات پکڑ لیا۔ اور کہا "اٹھ اچھے کاموں میں بدشگون نہیں کرتے۔ چل۔ رسم ادا کر۔

"دونا۔ یہ بھی کوئی شادی ہے۔ پروہت برہمن کے ساتھ شادی! اچھی پڑی! ! ! اسے شادی کون کہیگا؟"

"پروہت برہمن کیا چھوٹا اور حقیر شخص ہے؟ اگلے زمانہ میں تو سب لوگ ہی پروہتائی کرتے تھے۔ اُنکی کتنی عزت تھی۔ اُن سے بڑا اور کون ہے؟ اُٹھ۔ اُٹھ! !"

ماں کا پروہت کی طرف رجحان دیکھ کر بانی دل ہی دل میں نفرت آمیز ہنسی ہنستی بولی "ہاں! ایسا ہی ہے۔ اِسکے بعد غضبناک لہجہ میں بولی۔ باپ رے باپ! مجھے جب تک تم لوگ مار نہ ڈالو گی۔ چین نہیں آئیگا۔ بتاؤ۔ مجھے کہاں جانا ہوگا؟ اگر دہی اور چڑے کھا کر مجھے ہیضہ ہوگیا۔ تو پھر مزہ دیکھنا۔

کرشن پریانے کہا: "بانی! تیری باتیں سنکر یہی طبیعت چاہتی ہے کہ گلے میں پھانسی لگاکر میں بھی مر جاؤں۔ تیری حالت دن بدن خراب ہوتی جارہی ہے۔"

اٹھارھواں باب

شادی ہو گئی۔ بانی کا خیال یہ تھا کہ کسی نہ کسی تدبیر سے۔ ورنہ کسی آسمانی طاقت کی مدد سے اس شرم سے چھٹکارا ملیگا۔ مگر کوئی ایسا موقع نہیں ملا جس سے اُسے نجات حاصل ہوتی حیران و پریشان شخص کی طرح اُس نے یہ بھی سوچ لیا تھا۔ کہ دادا یا کوئی کوئی وصیت کہیں دبی پوشیدہ ہے۔ شادی سے کچھ دیر پہلے وہ وصیت آ کر۔ جیسے ناولوں اور ناٹکوں میں نظر آتا ہے۔ تمام ہنگامہ رفع دفع ہو جائیگا۔ مگر ہائے! شادی کے آخری موقع تک بھی تمام کام بخیر و خوبی انجام پا گئے۔ قدرتی یا غیر قدرتی غرض کوئی واقعہ ظہور پذیر نہیں ہوا۔

دولھن کا بناؤ سنگار کرتے وقت تلسی منجری نے زیورات کا صندوقچہ سامنے رکھا۔ تاہم ایک مرتبہ اسکے دل میں کوہ آتش فشاں کے شعلے بھڑک اُٹھے۔ مگر اُس نے بہت مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا۔ گھر کی دیگر تمام عورتیں آپس میں گپ شپ کر رہی تھیں۔ کہ لڑکی بس ٹھیٹ دھارانی ہے۔ ماں باپ جو کہتے ہیں۔ وہی کرتی ہے۔ عدول حکمی کو کون کہے۔ اُنکی باتوں کا جواب تک نہیں دیتی تب جوڑ شادی ہو رہی ہے۔ اُسکے چہرے پر تو ذرا بھی شکن نام نہیں۔

تلسی نے کہا: سکھی۔ آ آج تیرا اچھی طرح بناؤ سنگار کر دوں۔

مگر کس لئے بناؤ سنگار کرے گی۔ ہائے! وہ کس کیلئے بناؤ سنگار کرے گی؟ بانی کے گالوں خسار سرخ ہو گئے۔ تاہم اُس نے ہنسکر کہا: "ہاں سکھی! گنگا یاترا کے وقت اچھی طرح بناؤ سنگار کرنا چاہئے۔"

"اچھی سکھی! جو منہ میں آتا ہے۔ کیا وہی کہنا چاہئے؟ کیوں سکھی؟ کیا تجھے شوہر پسند نہیں آیا؟" "پسند آنا غیر ممکن سی بات ہے۔" تلسی اچھی طرح سمجھتی تھی۔ مگر اتنی بڑی بات جو نہ کہنا چاہئے تھی سو وہ کیوں ہوئی۔ یہ بات پوشیدہ تھی۔ اسی وجہ سے وہ حیض بیض میں

پڑ گئی تھی۔ مگر بانی کی کسی بات سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا۔ کہ وہ شوہر کو ناپسند کرتی ہے۔ یہ تو نہیں معلوم ہوتا۔ کہ وہ اِس شادی کے برخلاف ہے۔ بالآخر تلسی منجری نے دل ہی دل میں یہی فیصلہ کر لیا تھا۔ کہ بانی انبر ناتھ کو اپنا شوہر ہونے کے قابل نہیں سمجھتی تھی۔ اسی وجہ سے اُس نے سوال کیا۔ کہ کیا تجھے شوہر پسند نہیں آیا؟"

بانی نے قدرتی سنجیدگی سے اپنے دلی جذبات پوشیدہ رکھ کر راج رانی کی طرح گردن ٹیڑھی کر کے تمکنت آمیز لہجہ میں جواب دیا۔ "پسند کیوں نہ آئے گا؟"

"پھر؟"

"پھر کیا؟"

"یہ سب کیا کہہ رہی تھی؟ — جو نہیں کہنا چاہئے تھا۔"

بانی نے مسکرا کر کہا۔ "پسند آ گیا۔ اسی لئے تو کہہ رہی تھی جب پسند آ ہی گیا ہے۔ تو بیفائدہ بناؤ سنگار کی ضرورت ہی کیا ہے؟"

شادی کے وقت کسی نہ کسی طرح آنکھیں چار ہو ہی گئیں۔ انبر ناتھ کی نگاہوں میں جو پیار تھا۔ وہ آسمان کے تارے کی طرح صاف شفاف تھا۔ اُس طرف نگاہ پھیرنے سے آگ کے شعلے بھی جیسے ٹھنڈے ہو جاتے تھے۔ بجلی کی طرح کئی بار اُسی طرف دیکھ کر بانی نے اپنی نگاہیں نیچی کر لیں۔ مگر اُن نیچی نگاہوں میں شرم نہیں تھی۔ — غصہ تھا۔ پھر رفا بلیحہ جب بر کے ہاتھ میں لڑکی کا ہاتھ دے کر منتر پڑھ رہے تھے اُس وقت منتر پڑھنے میں بار بار غلطی ہو رہی تھی اور بےعزتی کی تیز ترین آگ باپ بیٹی کے تمام جسم میں ندی کے سوتے کی طرح زور شور سے بہہ رہی تھی۔ بانی کا وہی ہاتھ — جو انبر کے ہاتھ میں تھا۔ وہ جیسے اِس کے جسم سے کھسک کر علیحدہ ہو گیا تھا۔ اُسکے دل میں طرح طرح کے خیالات آنے لگے ہاتھ میں کپکپی نہیں ہوئی۔ مگر اندرونی آگ سے بچا۔ [illegible] گرم ہونگے وہ برف کی طرح [illegible] نگاہ

جس کے پاس سے [illegible] ہنسنے پر جان چھڑکتی۔ [illegible] کے ساتھ میری زندگی کا رشتہ منسلک کیا گیا۔ اس وقت بانی کے دل میں [illegible] خواہش ہوئی تھی۔ کہ وہ تمام قیودوں کو توڑ کر کہیں بھاگ جائے — مگر ہر چہار طرف سے [illegible] نگاہیں

کی طرف تھیں۔ اگر یہاں ایسا کام کیا گیا۔ تو لعنت ملامت اور طعن و تشنیع کا بازار گرم ہوگا اسی وجہ سے اُس نے اپنے آپ پر بہت ضبط کیا۔ اور چُپ چاپ بیٹھی رہی دل ہی دل میں سوچنے لگی۔ کہ کب ان مصیبتوں کا خاتمہ ہوگا؟ اس کے آسام چلے جانے پر میں بھی بچ جاؤنگی!"

گھر میں اُس مسرت خیز رات کا لُطف اُٹھانے کے بڑا تکلف کیا جا رہا تھا۔ عزیز و اقارب اور دوست احباب کی کمی نہ تھی۔ اشیر کمرے میں نہیں گیا بلکہ دروازے پر ہی کھڑا رہا۔ آنکھوں سے آنسو بہاتی ہوئیں کرشن پریا دبے پاؤں قدم بڑھا رہی تھیں۔ اُنہوں نے بھی کھڑے ہو کر مُنہ پھیر لیا اور کہا۔ کیا یہیں بیٹھے بیٹھے کھاؤ گے او ہو! تم سب نے میرا چاند جیسا داماد دیکھا ہے؟"

عورتوں نے ایک ساتھ ہی شور مچا کر کسی نے دل سے اور کسی نے شرما حضوری سے داماد کے حُسن کی تعریف کی۔ بانی کے ہونٹوں پر طعن آمیز ہنسی کی ایک ہلکی سی شعاع نمودار ہوئی۔ اُس نے دل ہی دل میں کہا۔" ماں تو کچھ بھی سُنتی نہیں۔ جو سامنے آگیا۔ اُسی کے گیت گاتی ہیں۔ واہ کیسا حُسن ہے۔ ایسا حُسن تو کبھی دیکھا ہی نہیں۔"

اشیر نے کہا۔" ماں! میری طبیعت خراب ہے اگر ذرا سو جاؤں۔ تو شاید طبیعت کسی قدر سنبھل جائے۔ اس وقت کیا میں باہر جا سکونگا؟"

جلدی سے کرشن پریا نے کہا۔" طبیعت اچھی نہیں۔ کیوں بیٹے! کیا ہوا؟ اس وقت تو باہر جانا نہیں ہو سکتا۔ اچھا میں تمہیں کھلا پلا کر اسی وقت تمہارے آرام کرنیکا انتظام کر دیتی ہوں۔ او بٹی تُلسی! جلدی کھانے پینے کا سامان لے آ بیٹی! آج دونوں ساتھ ساتھ نہیں کھا سکینگے؟"

" کیوں ماں! ساتھ کھانے میں حرج کیا ہے؟ تم جاؤ۔ میں دونوں کو کھلا پلا دونگی طبیعت خراب نہیں ہے۔ ماں بس یہ سب تمہارے داماد کے ناز نخرے ہیں۔ آج رات کو کوئی نہیں سو سکیگا۔ سب ساتھ بیٹھ کر ہنسی مذاق کرینگے۔"

اشیر ناتھ نے کرشن پریا کے بیٹیا بانہ چہرے پر نظر ڈال کر کہا۔" ماں! میں تو کچھ بھی نہیں کھا سکونگا۔ مجھے صرف سونے کی اجازت دیجئے۔ ورنہ شاید زیادہ طبیعت خراب ہو جائے۔"

گہری محبت سے کرشن پریا کا دل متوجہ میں آ گیا۔ بولیں اچھا پھر نہ کھاؤ۔ کہیں طبیعت زیادہ بگڑ جائے۔ او تلسی! اری بیٹی سرماب! تم سب شور و غل نہ مچاؤ۔ آج اُسے سونے دو طبیعت خراب ہے۔

انبر جب پہلے کھڑا ہوا تھا۔ اُسوقت۔ اُسکے پٹکے کے کونے سے بانی کے پٹکے کا کونہ باندھ دیا گیا تھا۔ اسی وجہ سے بانی بھی اُسکے ساتھ ساتھ کھڑی تھی۔ اُس نے بہت جھنجھلا کر سوچا۔ بس یہیں سے غلامی کی ابتدا شروع ہوئی۔ دیکھ رہی ہوں۔ اُنکے کھڑے ہونے سے مجھے بھی کھڑا ہونا پڑیگا۔ چلنے پر چلنا پڑیگا۔ مجھے جیسے خرید لیا ہے اگر قسمت سے وہ ایک دن میں چلے گئے تب تو محفوظ رہونگی۔ ورنہ ستیاناس ہونے میں اب کیا کسر رہی ہے۔

مگر انبر ناتھ نے جب ایک تھالی میں کھانے اور ایک ساتھ رات گذارنے تک کے تمام قیود توڑ دیئے۔ اُسوقت سب سے پہلے وہ اعترافِ احسان کئے بغیر نہ رہ سکا۔ بالخصوص اسی منظر کا نظارہ خیالی آنکھوں سے دیکھ دیکھ کر کتنے دنوں سے ہی خوف سے پریشان ہو رہا تھا لوگوں کے سامنے مالا پہنا ہو گا۔ اور جہاں دولھا دولھن کو لیکر تمام رسومات ادا کریگا۔ اسکا خیالی نظارہ بھی اسکی آنکھوں میں ایک چکا چوند پیدا کرتا تھا۔ اور دل میں ایک زبردست ہلچل مچ جاتی تھی۔ بعد میں شاید لوگ تمسخر اڑائیں۔ اسی خوف سے اُسکے دل میں ایک زبردست چوٹ سی لگ رہی تھی۔

کہبر میں بیٹھی ہوئی عورتوں نے جب رنگ بدرنگ دیکھا۔ تو بُرا مان کر اپنے اپنے گھر چلی گئیں۔ بالخصوص جو عورتیں بانی کو بہت پیار کرتی تھیں۔ وہ بستر کو پھولوں سے سجا رہی تھیں۔ پھر بھی وہ کہبر تھا۔ نئی بہو بانی کہبر میں داخل ہو کر نرم و نازک بستر پر لیٹ گئی۔ انبر ناتھ نے اپنا پٹکا اُس میں چھوڑ دیا۔ گرہ ابتک بندھی ہوئی تھی۔ انبر ناتھ باہر آ کر گاؤ تکیہ کا سہارا لیکر لیٹ گیا۔

اُنیسواں باب

صبح کیوقت جب آنکھ کھلی۔ اُسوقت چراغ گل ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا طلوع آفتاب کی شعاعیں درختوں کے پتوں پر تھرک رہی تھیں۔ بانی آنکھیں ملتی ہوئی اُٹھی۔ پہلے وہ جیسے کچھ بھی نہیں سمجھ سکی۔ کہ وہ کہاں سوئی تھی؟ کمرے کے چاروں طرف جا بجا پھولوں کے ہار

لٹک رہے تھے۔ تمام کمرہ جیسے پھولوں کی بُوئے خوش میں بسا ہوا عطر کو مات کر رہا تھا۔ اُس نے اچھی طرح اپنی آنکھیں پونچھیں۔ یہ تو خواب نہیں ہے۔ ذرا دُور پر ایک قالین پڑا ہوا تھا۔ اُس پر نیلی مخمل کا فرش بچھا ہوا تھا۔ اُس میں جا بجا سُنہری بیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔ سرہانے کی طرف نہایت خوبصورت ناگ کیسر کے عطر میں بسا ہوا تکیہ رکھا تھا۔ اِس شاہانہ بستر پر کون محوِ خواب ہے؟ بانی نے تحیر آمیز نگاہوں سے دیکھا۔ گویا نیلگوں آسمان میں سر اُٹھائے سفید نقرئی کا پہاڑ ہے۔ وہ یکایک اپنی نگاہیں پھیر سکی۔ اُس وقت اشبر سو رہا تھا۔ اُسکے کُھلے ہوئے خوبصورت اور فراخ سینہ پر بانی کے ہات سے پہنایا ہوا ہار پڑا ہوا تھا۔ اور فراخ بلند پیشانی پر چندن لگا ہوا تھا۔ سانس کیسا تھ دل کی حرکت سے وہ ملاحت بار پھولوں کا ہار اپنی بُوئے خوش سے رہ رہ کر اُٹھتا تھا اور پڑتا تھا۔ اُسکی ہلکی ہلکی مشامِ جان کو معطر کرنے والی خوشبو سازکے اُتار چڑھاؤ کی طرح جھکولے کھا رہی تھی۔ معلوم ہوتا تھا۔ اُسی کے حجاب اور جھجک سے بھرپور دل کی باتیں پوشیدہ طور پر کچھ کہہ رہی تھی۔ بانی متحیر ہو کر دیکھتی رہی۔ یہی اشبر ناتھ؟ یہی اُس کا شوہر؟ یہی سُرخ لباس زیب تن کئے ہوئے خوبصورتی سے بھرپور مہادیو کی طرح ذی شان شخص۔ کیا یہ وہی شرم و خوف سے جھجکا ہوا غریب پروہت ہے؟ کہاں سے چوری کرکے پاکس دیوتا کے آشیرباد سے اُس نے یکایک اسقدر خوبصورتی حاصل کی؟ کیا یہ بہروپیا ہے؟ یا کوئی دیوتا یا گندھرو ہے؟

محوِ خواب اشبر ناتھ کا سانس کسی قدر زور سے چلنے لگا۔ سُرخ لباس پر وہ ہات کسی قدر ہل اُٹھا۔ اُس کے ساتھ ساتھ اُنگلی میں ہیرے کی انگشتری روشنی کی چمک سے جگمگا اُٹھی۔ وہ روشنی بانی کی آنکھوں میں پڑتے ہی اُسکی آنکھیں جھک گئیں۔ دم بھر کے لئے اُس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ اگرچہ پہلے اُسکا مُنہ شرم سے سُرخ ہوا تھا۔ تاہم ہونٹوں پر مُسکراہٹ نظر آئی۔ بناؤ سنگار ہونے پر کون خوبصورت نہیں نظر آتا۔ اس طرح آراستہ پیراستہ کرنے سے تو راستہ کا بھکاری بھی خوبصورت نظر آتا ہے۔

شادی کے وقت بانی کا چہرہ سیندور کی طرح سُرخ ہوا تھا۔ مگر تعجب کی بات یہ تھی کہ آج اُس میں قوتِ برداشت بہت زیادہ آ گئی تھی۔ کون جانے کیوں؟ کل کا وہ شاہانہ

غرور آج کیوں نہیں رکھ سکی۔ کل تو ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ انبر ناتھ کو وہ چلا رہی تھی۔ مگر آج اُسکی جگہ تبدیل ہو گئی تھی۔ آج اُسے خیال آیا۔ انبرناتھ اُسے چلا رہا تھا۔ اور وہ مشین کی پتلی کی طرح چل رہی تھی۔ پاربتی نے اس میں اپنی بےعزتی محسوس کی۔ اُس نے سوچا میں ٹھہر جاؤں مگر کامیاب نہ ہوئی۔ غیر مفہوم اور ایک زبردست نفرت جیسے اُسے صاف صاف حروف میں رقم نظر آتی تھی۔ انبرناتھ کو اُس پر بہر طور حق حاصل ہے۔ وہ اُسے قدموں سے ٹھکرا کر دور رکھ سکتا ہے۔ مگر جب تک پاس ہے۔ اُس وقت تک اُسے ذرا بھی حکم عدولی کا حوصلہ نہیں ہو سکتا۔ معاً کون؟ اُسوقت اُسکا عضو عضو جیسے لوہے کی سخت زنجیروں سے جکڑ رہا تھا۔ گویا ایک خاموش دباؤ سے اُسکا تمام جسم و دل ہانپنے لگا۔ اُسکے دل میں ایکبار خودنمائی کا جوش بھر گیا۔ اور وہ اپنے آپ پر نازاں ہو اٹھی۔ چہرہ سُرخ ہو گیا۔ دل ہی دل میں سوچنے لگی۔ میں رَمابلبھ زمیندار کی لڑکی ہوں۔ مجھے لیکر ایک شخص بندر کی طرح نچائیگا؟ مگر اسی وقت خیال آیا۔ اُس کے پاؤں میں بیڑیاں پڑ چکی ہیں۔ چلنے سے وہ ٹھوکر کھا کر گر پڑے گی۔ چلنے کے سوا اور تو کوئی تدبیر نہیں۔ اُس وقت وہ دل ہی دل میں ایک بے اطمینانی سی محسوس کرنے لگی۔ ماں پر اُسے بہت غصہ آیا۔ ماں نے ہی تو اسے تجویز کیا تھا؟

اُس وقت اگنی کنڈ میں گھی کے چھینٹوں سے اگنی دیوتا ہنس رہے تھے۔ ریگیہ کے دھوئیں اور آگ کی گرمی سے پربتی کے دونوں رخسار اور بھی سُرخ ہو کر حُسن میں اضافہ کر رہے تھے۔ اُس نے ایکبار اُوپر نظر اُٹھا کر اپنی نگاہیں پھر نیچی کر لیں۔ مگر عین اُسی وقت دید منتر دیوتا کی بانی کی طرح بانی کے کانوں میں داخل ہو کر اُس کے تمام جسم کو بے حس و حرکت اور پُرسکون بنا دیا۔ اُسکے تمام حواس بل کر جیسے ایک زبردست طاقت کو اپنے اندر کھینچ لیا۔ اور وہ اُن میں ملکر پتھر کے بُت کی طرح سخت ہو گئی۔ اُس نے محو ہو کر سنا۔ اُس کا شوہر کہہ رہا تھا۔

بیسواں باب

بانی کی شادی ہونیکے دوچار روز بعد تک بھی مرگانک موہن راج نگر میں رہا اتنی بڑی جائیداد اور کثیر دولت سے اسنے صرف اپنی خام خیالی سے انکار کردیا۔ یہ کتنی بڑی بات تھی۔ مگر اسکے لئے اُسنے قطعی پرواہ نہیں کی۔ اُسکے عادات واطوار میں یہ ایک خاص بات تھی۔

دوپہر کا وقت تھا۔ ہوا فراٹے بھر رہی تھی۔ تمام مکان میں سناٹا چھایا ہوا تھا صرف رسوئی خانے سے چوڑیوں کی جھنکار سنائی دے رہی تھی۔ مرگانک موہن نے کھڑے ہوکر آواز دی "دیدی" جواب نہ پاکر وہ رسوئی خانہ میں گیا۔ اور جھانک کر دیکھنے لگا۔ اُسوقت انبجا دودھ گرم کر رہی تھی۔ سر پر دوپٹہ نہیں تھا۔ پانی سے تربتر لیٹی پشت پر پڑا لکر اُسنے بالوں کے آخری حصہ میں ایک گرہ لگائی تھی۔ کمر سے دھوتی بندھی ہوئی تھی۔ پاؤں کی آہٹ سُن کر کسی قدر چونکی۔ یکایک مرگانک موہن کو دیکھکر اُسکے رخسار کسی قدر سُرخ ہوگئے آنچل سرکا کر اور سر اُٹھا کر وہ پھر دودھ اوٹانے لگی۔ اُس وقت دودھ اُبل رہا تھا۔ مرگانک نے کسی قدر کھڑے ہوکر جوں توں یہ نظارہ دیکھا۔ اسکے بعد ہنس کر کہا "ہاں جی اگر ایک دفعہ نظر اٹھا کر ہماری طرف دیکھ لوگی۔ تو تمہارا دودھ اُبل نہ جائیگا۔ اتنے دنوں بعد آیا ہوں۔ مگر پھر بھی نہیں دیکھتی ہو"۔

انبجا نے گھونگھٹ نکال کر کڑاہی اُتاری اور کٹورے میں دودھ اُنڈیلتے اُنڈیلتے کسی قدر مسکرائی۔ مگر منہ سے بات نہیں نکلی۔ مرگانک نے پوچھا "دیدی کہاں ہیں! تم کھانا کیوں پکا رہی ہو! براہمن کہاں گیا اور اُسے کیا ہوا"۔

انبجا نے کہا "چلا گیا"۔ "کون" "دیدی"؟

"نہیں۔ وہ اوپر سوئی ہوئی ہیں۔ براہمن چلا گیا ہے"۔

کیوں؟ دیدی نے شاید اُسے لڑجھگڑ کر نکال دیا ہے۔

انبجا نے رسوئی خانہ میں مصالحہ وغیرہ رکھتے رکھتے ہنسکر کہا "نہیں۔ وہ خود ہی چلا گیا۔ دیدی کو ہیضہ ہوگیا تھا۔ اُسی وقت دونوں ملازم خود بخود بھاگ گئے تھے"۔

"دیدی کو ہیضہ ہوا تھا کیا؟ مجھے کیوں اطلاع نہیں دی؟ اب تو اچھی ہیں نہ؟"

"اچھی ہیں ــــ یہ کہکر اُسنے لوٹا اُٹھایا اور ہاتھ دھونے باہر چلی گئی"۔

پرسن مُٹی نے مہلک عارضہ سے کسی نہ کسی طرح صحت حاصل کی تھی۔ مگر ابھی تک طبیعت پورے طور پر ٹھیک نہیں ہوئی تھی۔ مرگانک موہن نے زار و نزار جسم پر ہاتھ پھیر کر کہا "یہ کیا ہو گیا دیدی؟ مجھے تم نے ایک مرتبہ بھی اطلاع کیوں نہیں دی"؟

پرسن مٹی کی کڑکتی ہوئی آواز اب مدھم ہو گئی تھی۔ انہوں نے آہستہ سے کہا "تو آکر کرتا بھی کیا۔ بڑی سخت تکلیف تھی۔ دوران علالت میں تیرا نہ آنا ہی اچھا تھا۔ خیر جو ہوا۔ ہوا"۔

سُن تجھ سے ایک بات کہتی ہوں۔ اِسے گرہ باندھ لینا۔ بہو کی طرف سے کبھی بُرا نہ کرنا۔ وہ بڑی اچھی لڑکی ہے۔ اِس علالت میں اُس نے جس تن دہی سے میری خدمت کی ہے۔ وہ پیٹ کی لڑکی بھی نہ کرتی"۔

مرگانک بول اُٹھا "پھر بھی اُسے مجھے اطلاع دینی ضروری تھی۔ خیر تُو بچ گئی۔ یہی سب کچھ ہے"۔ "وہ بچتی یا نہ بچتی۔ ایک ہی بات ہے۔ نہ رہنے کی خوشی اور نہ جانے کا غم۔ خیر۔ لڑکی گھر میں آ گئی ہے۔ بغیر مصیبت کے انسان پہچانا نہیں جاتا۔ اس مرتبہ تو میں نے اچھی طرح دیکھ لیا"۔

ایک صاف شفاف چُنی ہوئی چادر کندھے پر ڈالکر مرگانک موہن سیر کرنیکی غرض سے باہر نکلا۔ یکایک نہ معلوم کیا سوچکر رسوئی خانہ کی طرف واپس لوٹا۔ ابجا نے دالان میں بیٹھکر پان کے ڈھیر لگا دیئے تھے۔ بابو جی آئے ہیں۔ محفل طرب آراستہ ہوگی۔ ارباب نشاط کی خاطر تواضع کیلئے پانوں کی ضرورت پڑیگی۔ اس خیال سے اُسنے بہت سے پان بنا رکھے۔ مرگانک کو دیکھ کر اُسنے کسی قدر گھونگھٹ نکال لیا۔ مرگانک نے ہنستے ہوئے کہا۔ کیوں دوست! دوست کے سامنے پھر گھونگھٹ نکالنے کی کیا ضرورت! دو چار پان تو دو۔ دیکھوں۔ کیسے بنائے ہیں ــــ یہ کیا۔ یہ کتنے سارے پان لگا ڈالے۔ کیا آج گھر میں کوئی تقریب ہے؟

ابجا نے کچھ نہیں کہا۔ مسکرا کر ڈبیا میں کچھ پان رکھ دیئے اور سپاری کاٹنے لگی۔
"جو شے اس بے التفاتی سے پیش کی جاتی ہے۔ میں اُسے لینا پسند نہیں کرتا۔ ہات اٹھا کر دینے سے کیا عزت کم ہو جاتی!"

ابجا نے سروتا چھوڑ کر چونے پر کتھا لگانا شروع کیا۔ مرگانک کی باتوں کا جواب تو ایک طرف رہا۔ پان تک بھی اٹھا کر نہ دیا۔ بالآخر مرگانک نے خود ہی پان اٹھا لیا۔ ابجا گردن جھکائے بدستور اپنے کام میں محو تھی۔ کچھ دیر بعد مرگانک ہنستا ہوا چلا۔ یکایک اُسے خیال آیا۔

ابجا تو خوب ہے اور بانی ۔۔۔ اس قدر حسین۔ بانی کو بھی تو دیکھ آیا ہوں۔

اُسکی نسبت ابجا میں کیا کمی ہے۔ اُسکے غرور اور ناز و نخروں سے اِسکی سادگی بدرجہا بہتر ہے اور کیسی بھلی معلوم ہوتی ہے! میں بیوی رکھنا پسند نہیں کرتا۔ تاہم۔ ایسا دوست بہت بُرا نہیں۔ اب اُسکے ساتھ زیادہ پیار و محبت کا سلوک کرنا ہوگا۔ موجودہ سلوک سراسر قابلِ اعتراض ہے۔ اُس رات کو دوست احباب جب جمع ہوئے۔ تو طبلہ۔ سارنگی کی بے سُری تانوں سے پرسن مئی کا سر چکرا گیا۔ ابجا نے "اوڈی کلون" میں رومال تر کرکے اُسکے سر پر رکھا۔ پرسن مئی نے درد آمیز لہجہ میں کہا "جو نہیں کیا ہوگا۔ مگر بدنصیب مرگانک موہن کی نگرانی رکھنا۔ تو نے تو مجھے بچا لیا۔ مگر یہ میری جان ہی لیکر چھوڑیگا۔ اور پھر کہتا ہے کہ مجھے اطلاع کیوں نہیں دی۔ شائد اُس دن آکر ہی میرا خاتمہ کر دیتا۔"

ابجا اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اُسکا نرم نازک اور اطمینان بخش چہرہ کا رنگ یکایک تبدیل ہو گیا۔ وہ خاص اپنے متعلق سینکڑوں مظالم خاموشی سے برداشت کر سکتی تھی۔ مگر کسی اور کی تکلیف اُس سے نہ دیکھی جاتی تھی۔ اُس کے لئے جیسے یہ ناقابل برداشت ہو گیا۔ اُس نے فوراً نوکر سے کہلا بھیجا۔ کہ دیدی کی طبیعت بہت خراب ہے۔ ان سے کہنا جلد اندر آئیں۔

اُس دن زہرہ بائی مجرے کیلئے نہیں آئی تھیں۔ صرف چند دوست آپس میں گلچھرّے اڑا رہے تھے۔ مرگانک کسی قدر گھبرا اُٹھا۔ دیدی کو وہ بہت پیار کرتا تھا۔ اُسنے سوچا تھا دیدی تو اب اچھی ہو چلی ہیں۔ گانے بجانے میں حرج ہی کیا ہے۔ آج کتنے دنوں بعد آیا ہوں۔

اندر دروازے کے پاس ہی ابجا کھڑی تھی۔ مرگانک کے داخل ہوتے ہی اُسنے کہا۔

گانے بجانے کی آواز سے دیدی کی تکلیف بڑھ گئی ہے۔ کیا یہ گانے بجانے کا موقع ہے؟
جس نے کبھی سر اُٹھا کر زبان سے ایک بات بھی نہیں نکالی تھی۔ اگر وہ یکایک جھنجھلا کر
کچھ کہدے۔ تو اُس کی بات دل پر بہت چوٹ کرتی ہے۔ سخت شرم معلوم ہوتی ہے ایجا
کی یہ بات مرگانک موہن کے دل میں تیر سی چبھی اور اُسکا اثر نگاہوں میں بھی ہویدا ہوا۔
سچ تو ہے۔ سوائے راگ رنگ اور تان ترنگ کے دنیا میں جیسے اُسے کوئی کام ہی نہیں۔ بڑی
بہن موت کے منہ میں پہنچکر بستر علالت پر دراز ہے اور وہ دوست احباب کے ساتھ با ہر راگ
رنگ میں مست ہے۔ شرم سے اُسکا چہرہ سُرخ ہو اُٹھا۔ ایک چھوٹی سی حقیر لڑکی ہے جس نے
اِس گھر میں صرف چند دِنوں سے قدم رکھا ہے۔ وہ دیدی کے لئے کسقدر متفکر و پریشان
ہے۔ اُسکی نسبت وہ کہیں زیادہ خاطر و مدارات کرتی ہے۔ آج یہ سوچکر مرگانک موہن
دل ہی دل میں شرم سے چور چور ہو گیا۔ دوسرے دن وہ دوستوں سے نہیں ملا اور نہ جلسہ
میں شریک ہوا۔ نوکروں نے یہ نئی تبدیلی دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا۔ رسوئی خانہ میں
جا کر نستار سے پوچھا۔ بابو ماماجی کے گھر سے جب سے آئے ہیں۔ تب سے اُن کی تمام اگلی
باتوں میں فرق آگیا ہے۔ گانا بجا ہوتا تھا۔ تو ہم بھی ذرا آنکھیں سینکتے تھے۔ اور خوب کھاتے
پیتے موج اُڑاتے تھے ؀

مرگانک نے بیوی کے طور اطوار دیکھکر عہد کیا تھا کہ جب تک دیدی کو پورے طور پر صحت
نہ ہو جائے گی میں کسی دوست سے نہیں ملونگا۔ دوستوں نے اس پر بہت مضحکہ اُڑایا۔ اُن کے
اثر میں وہ پھر آگیا۔ ایک دوست کے ساتھ شراب و کباب میں ایسا بدمست ہوا۔ کہ صبح تک
ہوش نہیں آیا۔ جب بہت دن چڑھا اور ہوش آیا۔ اُس وقت اُسے سخت شرم معلوم ہونے
لگی۔ گھر میں مریضہ پڑی ہے۔ کوئی کھانے پکانے والا تک نہیں۔ ایک لڑکی پر گھر کا تمام بار
پڑا ہے چپ چاپ آنکھیں نیچی کئے ہوئے وہ جلد جلد قدم بڑھاتا ہوا اوپر گیا۔ پرسن مکھی
کے سامنے جانے میں اُسے خوف معلوم ہوتا تھا۔ مگر نہ جانے سے بھی نہیں بنتا تھا۔ کیا کرے
وہ کچھ بھی نہ سوچ سکا۔ دو چار بار اِدھر اُدھر کر کے وہ چوروں کی طرح جھجکتا ہوا اُس
کمرے میں داخل ہوا۔ اُسوقت ایجا پنکھا جھل رہی تھی۔ اُسے دیکھکر گھونگھٹ نکال کر

وہ ایک طرف ہٹ گئی۔ مرگانک نے پنکھا اُٹھا کر خود ہی جھلنا شروع کیا۔ پرسن مُکھی منہ پھیرے ہوئے لیٹی تھی۔ مرگانک کے پاؤں کی آہٹ نہیں سُنی۔ جب مُنہ پھیرا اور مرگانک سامنے نظر آیا۔ تو اُس نے گرج کر کہا "تمام رات کہاں تھا؟ بتا تو سہی! مرگانک نے سر جھکا لیا اور پنکھا جھلنے لگا۔ پرسن مُکھی پھر بولی "اگر نہیں آنا تھا۔ تو کہہ کیوں نہ گیا؟ غریب لڑکی۔ آدھی رات تک کھانا لئے انتظار میں بیٹھی رہی۔ میرے مرتے ہی تو اُس غریب کی جان لے لیگا۔ اگر ایسا ہی سلوک کرنا تھا۔ تو شادی کیوں کی تھی۔ کسی نے تجھے مجبور تو نہیں کیا تھا"

مرگانک نے دیکھا۔ خاموش رہنے سے دیدی کے غصے کا پارہ اعتدال سے تجاوز کر جائیگا۔ کیونکہ اُنہیں آجکل یہ نیا مرض دامنگیر ہوا تھا۔ رنگ بدلنے کیلئے اُسنے کہا "اچھا اب میں نہانے جاتا ہوں۔ وقت ہو گیا ہے۔ میرا سر بہت گرم ہو رہا ہے"

نیچے آکر نوکروں کو پانی لانے کا حکم دیا۔ رسوئی خانہ سے گذرتے ہوئے اُس نے انجا کو دیکھا۔ اُسکی نگاہیں ساکن تھیں۔ اندازیے تابانہ تھا۔ دو قدم اور بڑھا کر دیکھا۔ چولھے پر چاول پک رہے ہیں۔ انجا پتیلی نیچے اُتارنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر نزاکت مانع ہو رہی تھی۔ مرگانک نے بیتابانہ انداز سے کہا "رہنے دو۔ تم نہ اُتار سکو گی۔ ہات جل جائینگے۔ ٹھیرو۔ ٹھیرو۔ میں اُتارے دیتا ہوں"

انجا نے خوشامدانہ انداز سے کہا "نہیں۔ نہیں۔ تم نہ چھوؤ۔ سب چھوت ہو جائیگا۔ میں اُتارے لیتی ہوں"

نہا دھو کر فارغ ہونیکے بعد مرگانک موہن نے کھانا کھایا۔ انجا شوق سے کھلا رہی تھی۔ اور مرگانک ہر چیز کی تعریف کرتا ہوا شوق سے کھا رہا تھا۔ تحیر آمیز انداز سے بولا۔ "تم تو کھانا پکانے میں نہایت ہوشیار ہو۔ یہ سب کہاں سے سیکھا؟"

انجا نے سر جھکا کر کہا "اپنے گھر میں تو میں خود ہی پکاتی تھی۔ ہمارے ہاں تو برہمن نہیں تھا۔ جب میں دس برس کی تھی۔ اُسی وقت سے کھانا پکانے لگی تھی"

کھانا کھلانے کے بعد یکایک مرگانک کی نظر انجا کے چہرے پر پڑی۔ بولا "پسینہ سے تمام جسم شرابور ہو رہا ہے۔ بال بھیگے ہوئے ہیں" یہ کہتے کہتے اُس نے بائیں ہات سے

بالوں کا گچھا ہٹایا۔ یکایک بول اُٹھا۔ انجا! تمہارے بال کتنے خوبصورت ہیں ٭

سر جھکا کر انجا نے کسی قدر گھونگھٹ نکال لیا۔ اُسکے دونو رخسار سُرخ ہو رہے تھے پنکھا پھینک کر فوراً رسوئی خانے سے باہر چلی گئی۔ اُس دِن مرگانک موہن کے دل میں ایک عجیب و غریب تبدیلی واقع ہوئی۔ وہ بار بار رسوئی خانہ اور بھنڈار گھر کے سامنے ٹہلنے لگا جتنی بار انجا کو دیکھا۔ اُتنی ہی بار اُس نے دیکھا۔ انجا خاموشی سے پُتلی کی طرح حرکت کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اُس کے دِل میں یکساتھ ہی کتنے خیالات آئے۔ انجا میں کِسی غرور کا نام نہیں۔ وہ دیدی کی خدمت کرتی ہے۔ گھر کا کام کاج دیکھتی ہے۔ ہر طرف نظر رکھتی ہے۔ یہ کیسی زبردست شخصیت ہے؟ اتنے دنوں تک میں نے ایسے گراں بہا جواہر کی قدر نہیں کی۔ یہ خیال آتے ہی اُسے اپنے آپ پر ایک نفرت سی معلوم ہونے لگی۔ اُف! کیا میں انسان ہوں۔ ہرگز نہیں۔ میں نہایت ہی گیا گذرا اور حقیر شخص ہوں ٭

اکیسواں باب

شام کی دلفریبیاں خوب رنگ لا رہی تھیں۔ اُنکی نیرنگیاں بہت زبردست تھیں۔ مگر آج جب اُسکی نئی زندگی شروع ہوئی۔ تو اُن میں نئی نئی شاخیں پھوٹیں۔ وہ سوچنے لگا کہ میں اپنی زندگی کے دِن کیونکر بسر کروں۔ دیدی سو رہی تھیں۔ تمام کمرے میں خاموشی کا تسلّط تھا وہ وہاں سے چُپ چاپ چلا آیا۔ رسوئی خانہ میں نئی مِصرانی آگئی تھی۔ چاروں طرف چکّر لگا کر بالآخر وہ چھت پر گیا۔ دیکھا غروبِ آفتاب کی مدھم شعاعیں گلابی حروفوں میں صفحۂ قدرت پر گلکاریاں کر رہی تھیں۔ ہر چہار طرف آہستہ آہستہ تاریکی کا پردہ پڑتا جا رہا تھا۔ وہ نظارہ اُسے دلفریب نہیں معلوم ہوا۔ چھت سے اُتر کر آہستہ آہستہ وہ انجا کے کمرے میں داخل ہوا۔ بہت دنوں کی لگاتار تیمارداری و شب بیداری سے انجا کا جسم کچھ سُست ہو گیا تھا کسی نہ کسی طرح وہ اپنے آپ کو سنبھالے تھی۔ آج جب اُسے ذرا سی فرصت ملی۔ تو باندھ توڑتے ہوئے پانی کی طرح اُسکا بہت دنوں کا اکٹھا ہوا پانی اُسی میں سما گیا۔ اور اُس نے شرابور کر دیا۔ تکان سے چُور ہو کر وہ آنکھ بند کئے بستر پر پڑی تھی۔ اُسے محوِ خواب سمجھ کر مرگانک

کو پلنگ کے پاس آنے کا کسی قدر حوصلہ ہُوا *

انجا سوتی نہیں تھی۔ کتنے دِنوں بعد موقع پاکر خاموشی سے وہ اپنی قسمت پر غور کر رہی تھی۔ آج اتنے دِنوں بعد اُس نے اپنے شوہر کو اچھی طرح دیکھنے کا موقع پایا تھا خود پروس کر کھانا کھلایا تھا۔ پڑی پڑی وہ یہی تمام باتیں سوچ رہی تھی۔ شوہر۔ شوہر کی بات خیال آتے ہی ایک بے چین سانس اُس کے دل کو اندر ہی اندر بلوتا ہُوا باہر آیا۔ اُس کا شوہر کون ہے؟ دوست ۔ صرف دوست! مگر کیا دوست اِسی کو کہتے ہیں؟ بلکہ دشمن ۔ انجا نے پھر ایک گہرا سانس لیا۔ شادی کے وقت وہ اُسے دیکھ کر دل ہی دل میں کتنی اُمیدیں کرتی تھی۔ سوچا تھا۔ اِس خوبصورت جسم میں ایک خوبصورت دل پنہاں ہوگا۔ وہ دِل اُسکے ساتھ تبدیل ہوگا۔ اس وقت اُسکی مالکہ وہی ہوگی۔ اُسے بالکل اپنا سمجھ لیا تھا اِسی وجہ سے اپنی شرمسار آنکھوں کی پوشیدہ سحر کار چتونوں سے کچھ دیر کے لئے اُسی بیمار محبّت کی طرح اُس چہرے کو دیکھ لیا تھا۔ اور اپنے معصوم دِل کے محبّت سے بھرے ہوئے پھول اُسکے قدموں میں عاجزانہ انداز سے نیوچھاور کر دیئے تھے۔ اِس کے بعد دو دن تک کتنی بار ملاقات ہوئی۔ خوف سے کانپتا ہُوا دل اور شرمسار آنکھیں موقع پا کر اُس نے کسی طرح ایک نظر بھر کر دیکھ لیا تھا۔ مگر شرم سے مُنہ نہیں اُٹھا سکی تھی۔ خواہ کچھ ہو یا نہ ہو مگر دونوں قدموں کا تصوّر ہر وقت رہتا تھا۔ کتنے ہی دنوں تک اُسکے معصوم دل میں ایک پُرلطف سُرور کی لہر دوڑتی رہی۔ کانوں میں ایک نہایت ہی دلپذیر اور اُمید بخش نغمہ سُنائی دیتا رہا۔ نئی زندگی کی ایک تصویر نئے لباس سے آراستہ و پیراستہ نئی مسرّت کا پُر کیف سُرور بخش رہی تھی۔ موسم بسنت کے آغاز میں معلوم ہوتا ہے۔ اسی قسم کا فرحت اثر نغمہ سُنائی دیتا ہے۔ اِسکے بعد یکایک اس چمن میں خزاں کا ایک ایسا زبردست جھونکا چلا۔ کہ سب کچھ برباد ہوگیا۔ اُس نے سمجھا۔ اُسکی اُمیدیں ہوائی قلعہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی تھیں۔ جس خوبصورت دل پر اُس نے اپنی گرویدہ نگاہیں ڈالی تھیں۔ وہ خوبصورت تو نہیں ۔ صرف یہی کیوں؟ دِل جیسی کوئی شے بھی وہاں تھی۔ یا نہیں۔ اس کے متعلق بھی اُس کے دِل میں ایک زبردست شک پیدا ہوگیا *

اُس نے اتنے دنوں تک جو کچھ دیکھا تھا۔ وہ نہایت پُرخوف منظر تھا۔ اُسکی امیدوں کی کلیاں
فتگی سے پیشتر ہی جیسے مُرجھا گئیں۔ ایسی بیدردی اور سنگ دلی کا سلوک شاید کسی
یب کے مقدر میں بھی نہ ہوگا۔ شوہر کی یہ خراب حالت رات دن اپنی آنکھوں دیکھ کر
رف غیروں کی طرح پیٹ پال کر۔ اِس مکان میں اُسے رہنا ہوگا۔ یہ اُس کے لئے
قدر تکلیف دہ بات تھی۔ مگر کیا کرتی۔ اُسے کچھ کہنے سُننے کا بھی حق تو حاصل نہیں۔ اگر دنیا
اُس کیلئے کوئی جگہ ہوتی۔ تو وہ اس قدر تکلیف برداشت کرتی یا نہیں۔ اسکی نسبت بھی
نہیں کہا جا سکتا تھا۔ مگر میکے میں بھی تو اُس کی ماں نہیں۔ محبت سے خالی سوتیلی ماں
گھر میں تو اُس کیلئے ذرا بھی جگہ نہیں تھی۔ پھر وہ وہاں کس اُمید پر جاتی؟

اُس نے ارادہ کیا تھا۔ کہ وہ شوہر کی خدمت کرے گی۔ اپنے تمام جذبات و آرزوں کو
اکر وہ کسی طرح اپنی زندگی کے دن کاٹیگی۔ یہی کیا کم ہے۔ کہ وہ شوہر کا مُنہ تو رات دن
یتی رہیگی۔ میکے میں جا کر تو وہ اِس سے بھی محروم ہو جاتی۔ پھر آج کیا سوچکر وہ خوش
ئی تھی؟ کِس نے اُسکے مایوس کشتِ دِل میں اُمید کا ایک انکھوا پیدا کر دیا تھا؟

ایک گہرا سانس لیکر اُسنے کروٹ لی۔ غریب کی لڑکی کیا صرف کھانے پہننے سے ہی سُکھی
ہے؟ اُسکے باپ نے کیا صرف اِسی لئے اُسکا کنیا دان کیا تھا؟ غریب لڑکی کا دل کیا دولتمند
خص کی لڑکی کے دل سے بالکل مختلف ہے؟ یکایک نہ معلوم کس آواز سے وہ چونک
ٹھی۔ آنکھیں مَلکر دیکھا۔ کون اُسکے بستر کے پاس کھڑا ہوا ہے۔ شام کی اُس صاف طور
نظر نہ آنے والی روشنی میں اُسنے دیکھا۔ وہ ایک مرد ہے؟ اُسکے کمرے میں اس
ت کون آئیگا؟ خوف سے اُسکے مُنہ سے نکل گیا "ماں!"

"مرگانک موہن نے اُسے متحیر دیکھ کر جلدی سے اُسکا ہات پکڑ کر کہا "میں ۔ انجا میں"
انجا کسی قدر تحیر سے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ بولی "تم؟ تم اِسوقت تک بھی گھومنے پھرنے
یں گئے؟"

"نہیں! تمہاری طبیعت خراب تھی۔ اِسی وجہ سے نہیں گیا۔ ڈاکٹر کو بُلا لاؤں؟"
"ڈاکٹر! نہیں۔ نہیں۔ ڈاکٹر کیا کرے گا؟"

"ڈاکٹر کیا کرے گا؟" کہتی کیا ہو۔ میں بہت دیر سے دیکھ رہا ہوں۔ کہ تم آنکھیں بند تو کئے ہوئے ہو۔ مگر نیند نہیں آتی۔ منہ بھی بہت خشک ہو گیا ہے۔"

اِبجا نے شرم سے سر نیچا کر لیا۔ تو کیا یہ بہت دیر سے یہاں کھڑے ہیں۔ اُس کے منہ سے کوئی بات نہیں نکلی۔

بیماری کے علاوہ بھی کوئی شخص اس خاموشی سے زندگی کے دن کاٹ سکتا ہے مرگانک مومن کو خواب میں بھی یہ خیال نہیں تھا۔ اُس نے ابجا کی پیشانی پر ہات پھیر کر کہا۔ بخار تو نہیں ہے؟"

"نہیں ۔" کہکر ابجا نے اُسکا ہات اپنے سر سے ہٹا لیا۔

مرگانک کا چہرہ یکایک سرخ ہو گیا۔ اُس نے اپنی غضبناک نگاہیں بیوی کے چہرے پر ڈال کر کہا: "پھر طبیعت خراب تو نہیں ہے؟"

"نہیں"

"ٹھیک کہتی ہو"

"معمولی درد سر ہے"

"پھر تو ڈاکٹر کا بلانا ہی مناسب ہے"

"نہیں۔ نہیں۔ درد سر میں تو ہمارے یہاں کبھی ڈاکٹر نہیں بلایا گیا۔ ہاں اگر کبھی شدید بخار ہوتا تھا۔ تو ڈاکٹر بلایا جاتا تھا"

مرگانک نے جھنجھلاہٹ آمیز ہنسی ہنسکر کہا: "وہاں کی باتیں وہاں تھیں۔ یہاں کی یہاں"

ابجا کی آنکھوں سے جیسے چنگاریاں سے نکلنے لگیں۔ دل غرور سے بھر اٹھا۔ مگر اُس نے ایک بات بھی نہ کہی۔ اسکا سبب یہ تھا۔ کہ اُسے رنج و غم برداشت کرنیکا مساوات ہو گیا تھا۔ وہ کسی کو تکلیف دینا پسند نہیں کرتی تھی۔ اُس نے اپنے جذبات کو روک کر ہنستے ہوئے کہا: "ڈاکٹر بلانے کی ضرورت نہیں۔ معمولی درد ہے۔ ابھی جاتا رہیگا۔ اِسکے لئے اس قدر فکر و تردد کی ضرورت نہیں۔ آپ جاتی ہوں۔ دیکھوں۔ دیدی کیا کرتی ہیں؟"

یہ کہکر وہ پلنگ سے اُتر پڑی۔ مرگانک نے اُسے روک کر کہا: "دیدی سو رہی ہیں

میں ابھی دیکھ کر آرہا ہوں۔ دیکھو! میں آج گھومنے پھرنے بھی نہیں گیا۔ مگر تم تو اتنے پر بھی خوش نہیں ہوئیں۔ کیوں؟ کچھ بولتی کیوں نہیں؟"

انجا سرہانے سے تکیہ اٹھا کر اسکی جھالر کھولنے لگی۔ سر جھکائے ہی کہا: "وہ لوگ تمہیں آئینگے اگر نہ آئے"

انجا نے مشکوک نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔ "کبھی نہیں"

"اگر کبھی نہ آئیں"

انجا کی دونوں آنکھیں جیسے سفید ہوگئیں "تب تو بہت اچھا ہو"

مرگانک نے کسی قدر ہٹ کر کہا: "صرف بہت اچھا ہوگا۔ مگر تم خوش نہ ہوگی"

"ہونگی"

"کیوں؟"

انجا کی نگاہوں میں سرور کی لہر دوڑ گئی۔ اس نے گردن جھکا کر کہا۔ یہ نہیں جانتی ـــ شا ـــ ید"

مرگانک نے اصرار کے ساتھ پلنگ کا پایہ پکڑ کر ذرا جھک کر کہا۔ کیوں؟ رک کیوں گئیں ـــ شاید ـــ کیا؟"

"دوست ہیں۔ اسی لئے"

"دوست! دوست کیا کہہ رہی ہو۔ سمجھ میں نہیں آتا"

انجا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ شرما کر کہا "ہم دوست نہیں ہیں"

"اُف۔ یہی بات کہہ رہے ہو۔ مرگانک قہقہہ لگاتا ہوا انجا پر گر پڑا۔

انجا کسی قدر ہٹ کر بول اٹھی "کوئی سُن لیگا۔ میں جاتی ہوں" ـــ یہ کہکر بیتابانہ انداز وہ پلنگ سے نیچے اتر پڑی۔ مرگانک اور بھی زور سے ہنسنے لگا اور اسے جاتے دیکھ کر ہنستے ہنستے راستہ روک کر کہنے لگا "سُننے دو۔ کیا ہرج ہے۔ جانے کیلئے اسقدر بے چینی کیوں۔ ذرا کھڑی رہو گی۔ تو کیا ہرج ہوگا۔ میں شیر تو نہیں ہوں۔ کہ کھا جاؤنگا۔ اچھا اگر لوگوں نے سُن لیا۔ تو کیا کہینگے"

انجا مرگانک کی یہ حالت دیکھ کر کسی قدر متعجب ہو گئی اور کسی قدر خائف بھی ہوئی۔ یکایک اس گرمجوشی کا کیا باعث؟ وہ شرم سے زمین میں گڑی جاتی تھی۔ بولی "لوگ کیا یہ نہ کہینگے۔ کہ یہ شام کے وقت اس قدر کیوں ہنس رہے ہیں"؟

"دوستوں میں کیا ہنسی مذاق نہیں ہوتا۔ اچھا اگر ہنسنے سے لوگ برا بھلا کہتے ہیں تو میں اب نہیں ہنسونگا! سنو ایک کام کی بات کہتا ہوں۔ جی میں آتا ہے کہ بہت دنوں کے بعد ذرا ہوا کھا آئیں"۔

انجا نے اپنی دونوں رسیلی آنکھیں مرگانک کی آنکھوں سے ملا کر کہا "میں سب مہیا کر رکھونگی۔ بتاؤ کیا کیا چاہیئے۔ صرف میں ہی نہیں جاؤنگا۔ سب کو جانا پڑیگا"۔

"سب" انجا نے تحیر آمیز نگاہوں سے مرگانک کے چہرے پر نگاہ ڈالی۔

"ہاں! سب ہی یعنی تم۔ ویدی۔ براہمن۔ نستارنی۔ سب چلینگے"۔

انجا کی آنکھیں سفید ہو گئیں۔ اس نے سنجیدہ لہجہ میں کہا۔ مگر میں تو نہ جاؤنگی!

"کیوں!"

"نہیں!"

"کیوں؟

"میری مرضی نہیں"۔

"کیوں مرضی نہیں"۔

انجا نے کچھ جواب نہیں دیا۔ اسکی آنکھیں کسی قدر سرخ ہو گئیں۔ سر جھکا لیا۔

"انجا! میرے اوپر غصہ کیا ہے" یہ کہکر مرگانک نے اسکا ہاتھ پکڑ لیا "چلو۔ کچھ دنوں کے لئے باہر گھوم آئیں۔ بیرونی تبدیلیوں کیساتھ ہی اندرونی تبدیلیاں بھی ہو جائینگی۔ کیا نہیں چلوگی"؟

آہستہ آہستہ ہاتھ چھڑا کر انجا دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اسکا چہرہ بالکل خشک ہو گیا تھا۔ تاہم اس نے زور سے اسی گئی ہوئی ہنسی کا جلوہ دکھا کر کہا "دوست کے اوپر کیا کہیں دوست ناراض ہوتا ہے"۔

مرگانک کے چہرے پر سرخی کی جھلک دکھائی دی "پھر کیوں نہیں چلوگی"۔ اس مرتبہ

اُس نے جواب نہیں دیا۔ آنچل میں چابیوں کا بندھا ہُوا گچھا ہلانے لگی +

"تو سمجھ گیا میرے ناپسندیدہ اطوار دیکھ کر تم میرے ساتھ جانے سے نفرت کرتی ہو"

"نہیں۔ قطعی نہیں۔ نفرت کیوں کرُونگی"

"پھر کیا۔ خوف معلوم ہوتا ہے"

"ہاں۔ خوف"

"دوست کیا دوست سے نفرت اور خوف ہی کرتا ہے۔ اور کچھ نہیں ہوتا!"

مرگانک کے چہرے پر پچھتاوے کے آثار نمودار ہو رہے تھے۔ اُس پر ایک حجابانہ مسرت ہلکی روشنی نظر آئی۔ اُسوقت اِس نے اصرار سے پُوچھا۔ پھر کیا تکلیف ہوتی ہے؟" ساتھ ساتھ لو بہ پہلو کھڑی ہوئی بیوی کا ہات پکڑ کر مرگانک نے اپنی طرف کھینچ کر پکارا "ابجا!"

ابجا اپنے آپ کو شوہر کی زد سے بچا کر ذرا دُور کھڑی ہو گئی۔ ہنسکر بولی "ہاں! اسی جذبے تکلیف نہیں ہوتی؟ دوست کے لئے دوست کو تکلیف نہیں ہوتی؟"

مرگانک کے خشک ہونٹوں پر سُرخی کی جھلک دِکھائی دی۔ وہ غصّے سے زمین پر پاؤں پٹک کر بول اُٹھا۔ دوست۔ دوست! کون تمہارا دوست ہے؟ ایسی دوستی کی مجھے ضرورت نہیں۔ ہر وقت دوست دوست کی بات مجھے اب نہ سُنانا۔ میں پہلے سے تمہیں بتاتا ہوں آج میں تمہارا دوست نہیں۔ زور سے دروازہ کو دھکا دیکر وہ چلا گیا +

ابجا نے ایک گہرا سانس لیا۔ دیوتا کی سمجھ میں بھی شاید یہ فلسفہ نہ آتا۔ خود ہی بولا۔ دوست! اِس وقت میں خود ہی وعدہ شدہ اعزاز کو تسلیم کرنے پر راضی نہیں۔ بہت اچھا۔ پھر ضرورت نہیں یہ جھوٹا اور فضول دوستی کا بہانہ ٹھیک نہیں۔ ہائے! بمشکل سمجھ میں آنیوالے انسانی طرز معاشرت! تم کون ہو۔ یہ آج بھی نہیں سمجھ سکی کبھی اسطرح۔ دُور کرو۔ دوست ہوں۔ یا دشمن ہو۔ وہ میرے شوہر ہیں۔ میرے دیوتا ہیں۔ میں کیوں اُن کے کاموں کا حساب لگانے بیٹھی ہوں؟ نرک میں سڑ سڑ کر مرُونگی۔ مگر آج نہیں آج جیسے کچھ تبدیلی آگئی ہے۔ مجھ سے آج وہ جیسے کچھ اُمید کرتے تھے۔ میں نے کیا کچھ بے انصافی کی؟ نہیں۔ اُنہوں نے تو خود ہی کہا تھا صرف میرے باپ کا کنیا دان سے اُنہوں نے اُدھار کیا ہے۔ اور اب بیفکر ہیں۔ مجھے تو وہ نہیں

چاہتے۔ پھر آج یکایک اس قدر پاس کھینچا کھانچی کیوں ؟ اُف ! سمجھ گئی ۔

یکایک اپجا کے معصوم دِل میں ایک نہایت ہی دلکش امید بخش مگر شرمسار یاد جاگ اُٹھی۔ اُس یاد نے اُسکے گلابی گالوں کو اور بھی سُرخ کر دیا۔ اُسی دوپہر میں پسینہ سے تربتر بالونکو نہایت آہستہ سے چھُونا۔ اور وہی مداحیہ الفاظ اُسکے دِل میں آ گئے۔ مگر اُس کے ساتھ ساتھ ہی خودنمائی اور رُوحانی عظمت نے اُسے سمجھا دیا۔ کہ وہ اپنے شوہر کی نفسانی خواہشات کی دھدھکتی ہوئی آگ کے لئے ایندھن نہ اکٹھا کرے گی۔ اِس عارضی موہ کے پھندے میں اپنے آپ کو نہ جکڑیگی۔ اگر کبھی وہ دراصل اُس کی بیوی۔ اور زندگی کی ساتھی ہو سکی۔ تو وہ اپنا جان۔ جسم دل۔ دماغ۔ سب کچھ اپنے دلی دیوتا کے قدموں میں نیوچھاور کر کے اپنی عورت کی زندگی سپھل کرے گی۔ ورنہ نہیں ۔

بائیسواں باب

شادی کے بعد کی رات کال راتری کہلاتی ہے۔ اُس رات کو شوہر و بیوی کا ملاپ نہایت منحُوس خیال کیا جاتا ہے۔ اُس رات کے بعد پھر "سہاگ رات" ہوتی ہے۔ بانی نے سوچا جب اُسے خوش نصیبی یا بدنصیبی کا کوئی خوف ہی نہیں۔ تو اِن اصولوں کی پابندی کچھ ضروری نہیں۔ اِس سے امبرناتھ کے آسام روانہ ہونے میں ایک دن کی اور بھی ڈھیل ہو جائے گی ۔

بھوبھات وغیرہ کا تو جھگڑا ہی نہیں تھا۔ کیونکہ بہو کو شوہر کے گھر نہیں جانا ہوگا۔ شوہر کا گھر ہی نہیں تھا۔ کرشن پریا کی خواہش تھی۔ کہ لڑکی ایک دن کے لئے کسی طرح شوہر کے گھر جائے۔ تو وہ سہاگ رات کے لئے نہایت شاندار سامان و سامان بھیجیں۔ اِسی وجہ سے اُنہوں نے داماد کو بُلا کر کہا۔ "کیا تمہاری بھاوج بانی کو دیکھنا نہیں چاہتیں۔ اگر خواہش ہو۔ تو اُسے ایک دن کے لئے وہاں لیجا سکتے ہو؟"

لے کیکئی کی شادی جب راجہ دشرتھ کیساتھ ہوئی تھی۔ تو شادی کے بعد دُوسری رات کو جب دونوں کا ملاپ ہوا۔ تو اُس سے بہت سے ناخوشگوار واقعات ظہور پذیر ہوئے۔ اسی وجہ سے شادی کی دوسری رات کو "کال راتری" کے نام سے نامزد کرتے ہیں ۔ مترجم

اشمبر کسی قدر خاموش رہا۔ اس خواہش نے اُسے کچھ دیر کیلئے متوالا نہیں بنایا۔ یہ بات نہیں تھی۔ مگر وہ یہ بھی سمجھ گیا تھا۔ کہ بانی اُس حقیر جھونپڑے کو نہایت تحقر آمیز نگاہوں سے دیکھیگی۔ اور اپنی بے عزتی [illegible]۔ اسی لئے دم بھر کے لئے اُس نے اپنی خواہش کو دل ہی دل میں دبا کر کہا ود صبر کرو۔

کرشن پریا نے کچھ اور نہیں کہا۔ سوچا۔ معلوم ہوتا ہے۔ اسکی بھاوج شاید پسند نہ کرے۔ اسی وجہ سے یہ اُسے لیجانا نہیں چاہتا۔

اُس دن سہاگ رات تھی۔ بابُو لوگوں کے باغ میں جس پھول سے مندر کے دیوتا کی پُوجا کی جاتی تھی۔ اُنہیں ہات لگانے کا بھی کسی کو حق نہیں تھا۔ تاہم پھولوں سے تمام مکان بھر گیا تھا۔ پھولوں کے ہار۔ اور پھولوں کے خوشنما زیورات بکثرت آئے تھے گھر کی چھوٹی لڑکیاں پھولوں سے لدی عطر میں بسی۔ پان چباتی ہوئیں جا بجا نظر آرہی تھیں۔ اُس دن راج نگر کے زمیندار مہاشے کے گھر میں جیسے موسم بسنت کی بہار اور شگفتگی کا ہُو بہو نقشہ تھا۔

بانی نے نہا دھو کر خوشرنگ لباس پہنا۔ پھول لیکر پُوجا کرنے لگی۔ اُدیا ناتھ کسی تقریب پر باہر گیا ہوا تھا اسی وجہ سے نئے پروہت کو ساتھ لیکر بانی نے کسی طرح پُوجا کی۔

اُس دن بھی تلسی منجری بانی کا بناؤ سنگار کرنے بیٹھی۔ بانی آج مخل نہیں ہوئی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ مخل ہونا بیفایدہ ہے تلسی بغیر بناؤ سنگار کئے چین نہ لے گی قیمتی اور بیش بہا جواہرات کے ساتھ ساتھ پھولوں کے زیورات نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ جیسے رنگ روپ میں موتی اور دیگر جواہرات بانی کے حُسن میں ایک گراں بہا اضافہ کر رہے تھے۔ وہ سونے کی بیل کی طرح موتیوں سے لد رہی تھی۔ رہ رہ کر نیلگوں آسمان پر جگمگاتے ہوئے تاروں کی طرح اُس کے جسم پر زیورات جگمگا رہے تھے تلسی بانی کا حُسن دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ ہائے ایکسار فعت پذیر حُسن ہے۔ اسکی کشش تو بے ساختہ دل کو کھینچ لیتی ہے۔ مرد تو یقیناً اس دلپذیر حُسن میں از خود رفتہ ہو جائے گا۔ مگر بانی کی حالت کچھ اور تھی۔ وہ کسی قدر ان منی سی ہو رہی تھی۔ یکایک نگاہ پھیرتے ہی تلسی کو وہ متوالی او

محبت کے رس میں شرابور نگاہیں نظر آئیں۔ دونوں کسی قدر ہنسیں۔ بعد ازاں باقی نے تُلسی کو کسی قدر دھکا دیکر شرمسار لہجہ میں بولی۔ اس طرح غور سے کیوں دیکھ رہی ہے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کچا ہی کھالے گی۔ کیوں؟"

تُلسی نے ایکبار اپنے چاروں طرف نظر ڈالی۔ کہیں کوئی نہیں تھا۔ اُس نے گیت گانا شروع کیا۔

باقی نے ہنستے ہوئے اُسکا مُنہ بند کر دیا۔ بات بات میں گیت! جیسے شاعرہ ہوگئی ہے۔ اب تمام فضولیات کی ضرورت نہیں۔ بہت ہوچکا۔ اب صبر کر۔ دم لے۔ دیکھتے دیکھتے اُسکی ہنسی کا رس جاتا رہا۔ کچھ دیر بعد ایک گہرا سانس لیا۔

تُلسی نے دیکھا۔ مگر کچھ نہیں کہا۔ باقی کے کسی حصہ میں درد کی ہنسی بج رہی ہے یہ وہ بھی سمجھ گئی تھی۔ اسی وجہ سے ہمدردی سے بھرپور ہوکر دل ہی دل میں اُس نے سوچا۔ اگر یہ کسی راجہ کی رانی ہوتی۔ تو بہت اچھا ہوتا۔ کیا یہ کسی بھٹاچاریہ کی بیوی ہونے کے قابل تھی؟ الشور کی یہ کیسی لیلا؟

سہاگ رات کا رواج تقریباً تمام ممالک میں ہے۔ رسم و رواج میں بے شک کسی قدر فرق ہوتا ہے۔ عورتیں اور لڑکیاں طرح طرح کا سامان کر رہی تھیں۔ باقی یہ سب دیکھ کر دل ہی دل میں جھنجلا رہی تھی۔ بالآخر جب اُس سے نہ رہا گیا۔ تو ہنس ہنس کر سب سے جا کر کہا۔ ان تمام فضولیات کی ضرورت نہیں۔ تم اُن سب کو منع کر دو۔"

کرشن پریا کسی قدر مسکرائیں۔ محبت آمیز لہجہ میں بولیں۔ بیٹی! منع کرنے سے وہ کیوں ماننے لگیں۔ شادی کے وقت پر سب ایسا ہی کرتی ہیں۔ اس میں شرم کی کیا بات ہے۔ سب کا جو ہوتا ہے۔ کیا میرا بھی سب کچھ ویسا ہی ہوا ہے۔ جو سب ویسا ہی ہوگا۔ سب کی بات چھوڑ دو۔ گھر کے نوکر چاکر برہمن کے ساتھ تو اور کسی کی شادی نہیں ہوتی جس کی جیسی قسمت ہوتی ہے۔ اُسکے ویسے ہی سامان ہوتے ہیں۔ میں صاف کہے دیتی ہوں۔ کہ یہ سب اِس فضول کا رسوائی کیا جا رہا ہے۔ انجام بخیر نہیں ہوگا۔ اگر ایسا تو میں بابو جی کے پاس سو ونگی۔ وہاں سے مجھے کون اُٹھا کر لائیگا؟ نہ ہوگا۔ تو سب باتیں

بابوجی سے کہدونگی۔ اور وہ ضرور تم لوگوں کو منع کردینگے ٭

کرشن پریا نے جھنجھلاہٹ آمیز لہجہ میں کہا "اسی غم میں تو تو بگڑ گئی ہے۔ بہت اچھا بیٹی۔ منع کردونگی۔ لیکن اگر اتنے پر بھی اُنہوں نے نہ سُنا۔ تو پھر میں اُسکی ذمہ وار نہیں۔ مگر باتی! میں ایک بات کہتی ہوں۔ داماد کی تو اتنی بیحُرمتی نہ کر! وہ کیسا رتن ہے۔ اسکی قدر تجھے اس وقت نہیں معلوم ہوتی۔ ایک دن ایسا آئیگا۔ کہ تو پائوں دھو دھو کر پئیگی۔ خواہ کچھ ہی ہو۔ وہ شوہر ہے۔ شوہر سے زیادہ عورت کا دُنیا میں اور کون ہے۔ ذرا دیکھتی تو ہے۔ میں نے کبھی آج تک اُنکے رُوبرو کوئی بات کہی ہے یا کسی بات کا جواب دیا ہے؟"

"اُف! اُمّ کیسی مثال دیتی ہو۔ کہاں راجہ بھوج اور کہاں گنگا تیلی! میرے بابو جی کے ساتھ۔"

کرشن پریا کی آنکھوں سے جیسے آگ برسنے لگی۔ تیری تمام باتیں فضول اور بیہودہ ہوتی ہیں۔ یہی گھر۔ اگر ہم لوگ غریب ہوتے۔ تو ماں باپ کو کیا کم پیار کرتے؟ یہ دوسری بات ہے۔ یہ کہکر باتی وہاں سے اُٹھ گئی"۔

انتظار انتظار میں رات آدھی سے زیادہ گذر گئی۔ پر نہیں آیا۔ بار بار آدمی بھیجے جاتے تھے۔ ہر بار یہی خبر آئی۔ کہ وہ اب تک مکان واپس نہیں آئے۔ غرور اور غصہ میں بھر کر بہت سی عورتیں اپنے گھر چلی گئیں۔ بعض عورتیں اپنے گود کے بچہ کو لیکر سو چلی گئیں۔ صرف دو چار عورتیں جاگ رہی تھیں۔ اور انتظار کر رہی تھیں۔ اُن میں ایک باتی بھی تھی ٭

بالآخر بر آیا۔ کرشن پریا امبر ناتھ کو ساتھ لیکر آئیں اور بولیں "ماں جی! اُمّ سے اب دیر نہ کرو۔ لڑکا لکان سے چور چور ہو رہا ہے۔ اس محلہ کے رمن بابو کی لڑکی کو ہیضہ ہو گیا۔ گھر میں کوئی مرد نہیں تھا۔ یہی بیچارہ تیمارداری میں مصروف تھا۔ اب کسی قدر آرام ہُوا ہے۔ اور رمن بابو بھی گھر آ گئے۔ اسی وجہ سے وہ اب آیا ہے۔ کہتا ہے کہ طبیعت خراب ہے۔ کچھ کھانا پینا نہیں چاہتا۔ خیر۔ کھانے پینے کی ضرورت بھی نہیں۔ سے سونے

ساس کے چلے جانے پر چاروں طرف سے ہنسی دلگی کی بوچھاڑ ہونے لگی امبرناتھ کی سنجیدگی سے ٹکرا کر وہ سب چور چور ہو گئیں۔ عورتیں غصہ میں بھری ہوئیں خفیف ہو کر کسی طرح ضروری رسومات ادا کر کے چلی گئیں۔ بانی کی بھی ایکبار خواہش ہوئی۔ کہ وہ بھی اُنہیں کے ساتھ چلی جائے۔ مگر بہت مشکل سے اس خواہش کو دبا کر کسی طرح وہ جہاں کی تہاں بیٹھی رہی ٭

مرصع کمرے میں نرم و نازک اور گدگدے بستر پر ایک سولہ سالہ نوخیز نازنین کے پاس امبرناتھ کو بیٹھے ہوئے دیکھ کر شاید آج قدرت کی بھی رقابت آمیز نگاہوں سے دیکھتی ہوگی۔ اتنا سُکھ انسان کے مقدر میں کیا کبھی ممکن ہے؟ یہ کون کہہ سکتا ہے بڑے آئینہ میں بانی کے تمام جسم کا جو عکس نظر آیا تھا۔ جیسے اُس کی کسی کے ساتھ مشابہت ہی نہ تھی۔ سنگ مرمر کی بنی ہوئی مورتی۔ یا اندر لوک کی رہنے والی اپسرا صرف یہی کیوں۔ تمام مکان نور علےٰ نور بنا ہوا تھا۔ خود اپنا عکس دیکھ کر بانی جیسے چونک اُٹھی۔ تلسی نے اچھا کام نہیں کیا۔ اُس نے کیوں اِس طرح اُس کا بناؤ سنگار کیا؟ وہ کسی قدر خائف ہوئی جو کچھ منجری نے کہا تھا۔ اگر وہی ہوا۔ کاش! امبر اُسکی طرف دیکھ کر از خود رفتہ ہو جائے گا۔ اور نفسانیت کے بحر بیکراں میں اُسکا عہد خس و خاشاک کی طرح بہہ جائے۔ اِس وقت خواہش کرنے سے ہی وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ "نہیں" کہنے کا۔ یا کسی طرح انکار کرینگا تو کسی کو حق بھی حاصل نہیں۔ اِس بناؤ سنگار پر اُس نے اُس وقت کیوں رکاوٹ سے کام نہیں لیا ٭

مگر یہ بھی اُس نے دیکھا۔ کہ امبرناتھ نے کمرے میں داخل ہو کر ایکبار بھی اُس کی طرف نہیں دیکھا۔ اُسکی نگاہیں عموماً ہر وقت نیچی رہتی تھیں۔ جس وقت وہ پٹکے والی گرہ کھولی گئی تھی۔ اُسوقت اُس گرہ کے علاوہ اور کچھ بھی اُس نے دیکھا تھا۔ کچھ خیال نہ آیا۔ بانی وہ فضول خیالات کسی قدر منتشر ہو گئے۔ تاہم ایک لامعلوم درد سے اُسکا سینہ دھڑکنے لگا۔ اُس کے دل میں بار بار یہی آنے لگا۔ کہ امبرناتھ اُسکا شوہر ہے اور بہر طور اُسے مجھ پر ہر قسم کا حق حاصل ہے ٭

سب کے چلے جانے پر اس سنسان کمرے میں وہ نئی شادی شدہ جوڑی جب تنہا رہ گئی۔ اُس وقت انبرناتھ کسی قدر کھسک گیا۔ یوں ہی ایک لامعلوم غصہ اور ڈر سے بانی کا تمام جسم جیسے کانپ اُٹھا۔ بجلی کی طرح وہ بھی دم زدن میں کسی قدر دور ہٹ گئی۔ مگر دوسرے لحظہ میں ہی اُس نے کسی قدر شرم کا احساس کرتے دیکھا اُسکا خوف فیمتی ہے۔ انبر اُسکے پاس نہیں۔ وہ پلنگ سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ بانی نے تحیر آمیز نگاہوں سے اُسکی طرف دیکھا۔

بانی کی طرف نہ دیکھ کر انبرناتھ نے کہا۔ "بہت رات آگئی۔ اب تم سوؤ۔ مجھے پلنگ پر سونے کی عادت نہیں۔ یہاں نیند نہ آئے گی۔ میں اپنے کمرے میں جاتا ہوں" یہ کہکر وہ جانے لگا۔ یکایک بانی کے دل میں نہ معلوم کیا آیا۔ وہ کسی قدر بیچین لہجہ میں بول اُٹھی۔ "ابھی یہاں سے باہر جانے میں لوگ نہ معلوم کیا خیال کرینگے تھوڑی دیر بعد جانا"۔

سب آکر اُسے چاروں طرف سے گھیر لینگی۔ اور نہ معلوم کیا کیا کہینگی۔ ماں آکر اُسے تصور وار ٹھہرائے گی۔ اور فوراً انبرناتھ کو بُلائے گی۔ وہ اسی غور و خوض میں پڑ گئی یہ بات سُنکر انبرناتھ ٹھہر گیا۔ مگر وہ پھر پلنگ پر نہیں بیٹھا۔ پاس ہی ایک مخمل کا گدا پڑا ہوا تھا۔ اُسی کو کھینچکر بیٹھ گیا۔ یہ دیکھ کر بانی کے سینہ میں ایک ہلچل مچ گئی۔ اور احسانمندی سے اُسکا دل بھرپور ہو اُٹھا۔ جو کچھ وہ چاہتی ہے ۔۔ جو خواہش کرتی ہے۔ یہ خاموش اپاسک دل کی بات سمجھ کر ہی کرتا ہے۔ اس سے اُسکا مخالف دل کسی قدر نرم ہو گیا۔ وہ دل ہی دل میں بہت محجوب سی ہو گئی۔ ماں کی ایک ایک بات دل میں بار بار آنے لگی۔ نظر اُٹھا کر دیکھا۔ انبر اُس کی طرف دیکھتا بھی نہیں۔ بلکہ وہ دیوار سے آویزاں رام و ستیا کی روغنی تصویر دیکھ رہا ہے۔ اُس کے عین سامنے ایک بڑا آئینہ رکھا ہوا تھا۔ اُسی آئینے میں اُس کی بیوی کے چہرے کا ملیح و دلکش عکس نوشگفتہ کمل کی طرح اپنی شگفتگی کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دور پر وہ خود ہی مجسم حسن سے جگمگا رہی تھی۔ تاہم انبرناتھ کی نگاہ بھول کر بھی کسی اور طرف نہیں جاتی تھی۔

بانی نے خاموشی کے ساتھ اپنے ہونٹ چبائے۔ شاید دل ہی دل میں کچھ ناراض ہوئی۔ کسی قدر مسکراہٹ بھی دکھائی دی۔ اور اندر ہی اندر ایک انقلاب آمیز جذبے نے بھی دل کو پریشان کر دیا۔ عجیب و غریب شخص ہے! ایسا شخص کبھی نگاہوں سے نہیں گذرا۔ سنا بھی نہیں۔ اُس نے بار بار انبر ناتھ کی طرف دیکھا۔ وہ راج پُتر۔ چوڑی اور کُشادہ پیشانی۔ خوبصورت آنکھیں۔ لطافت و ملاحت سے بھرپور چہرہ۔ نہایت ہی گورا رنگ۔ تحمّل پذیر نگاہیں! معلوم ہوتا ہے۔ یہ تو وہ انبر ناتھ نہیں۔ میلے کپڑے۔ غم آلود چہرہ۔۔۔ کیا یہ وہی راجہ کیطرح ذی شان شخص ہے *

ٹن ٹن کر کے گھڑی نے دو بجائے۔ باہر سناٹا چھایا ہُوا تھا۔ آمد و رفت بند ہو چکی تھی۔ انبر کی آنکھ پھرتے ہی بانی سے نگاہیں چار ہوئیں۔ اسنے فوراً ہی اپنی نگاہیں نیچی کر لیں۔ بانی کے رخسارون پر سُرخی کی جھلک نظر آئی۔ کیوں! یہ نہیں کہا جا سکتا۔ اُن نگاہوں نے جیسے بانی کو شرمندہ کر دیا۔ پہلے اُس کے دل میں خیال آیا۔ ممکن ہے۔ میری اِس سادہ لوحی نے کسی قدر بیحیائی کا اظہار کیا۔ اسی وجہ سے اُسنے کسی نہ کسی طرح وہ شرم کا پردہ ہٹا دیا۔ پُریقین لہجہ میں بولی۔ "تم آسام کب جاؤ گے *

انبر نے کسی قدر خاموشی کے ساتھ کہا۔ "کل"

"کل۔ مگر گھر میں تو یہ کسی کو معلوم بھی نہیں۔" یہ کہکر بانی نے حیرت و استعجاب کا اظہار کیا۔

انبر نے آہستہ سے کہا۔ "ابھی کسی سے ذکر نہیں کیا۔ صرف بابوجی جانتے ہیں۔ شاید انہوں نے ذکر کیا ہو۔"

"اُف"! بانی نے ایک گہرا سانس لیا۔ اِسکے بعد بولی۔ "شاید ماں جانے میں خلل انداز ہونگی۔ کہینگی۔ کہ ابھی نہ جاؤ۔"

اِس بات سے انبر ناتھ کے دل میں کوئی چوٹ لگی یا نہیں۔ اُسکے چہرے سے کوئی اِس قسم کے آثار نظر نہ آئے۔ اُس نے سرسری طور پر کہا۔ "اُن سے سمجھا کر کہنا ہوگا۔ کہ بغیر گئے کام نہیں بنیگا۔ جسکو میں قول دے چکا ہوں۔ وہ میرا انتظار کرتا ہوگا۔ جانا ہی پڑیگا۔"

بانی کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ کیا یہ وہی جاہل پروہت ہے۔ جسکو ناقابل سمجھ کر میٹے

رخصت کر دیا تھا۔ بانی کا چہرہ انار کے پھول کی مانند سُرخ ہوگیا ۔
اِتنے میں انیہرے نے اُٹھ کر کہا "میں اب جاتا ہوں۔ رات بہت آگئی۔ تم آرام کرو"۔ اور
یہ نہ کہکر جواب کا انتظار کئے بغیر وہ آہستہ آہستہ چل پڑا ۔
اُس وقت بانی سر سے کپڑا اٹھا کر تکیہ پر سر رکھ کر دل ہی دل میں سوچنے لگی۔ آہ!
بچ گئی۔ اتنے دِنوں تک شادی تھی۔ رات گذرتے ہی وہ چلے جائینگے۔ ایک بار زندگی بھر کے
لئے بے فکر ہوجاؤنگی۔ اس کے بعد کچھ دیر تک نیم باز نگاہوں سے پڑی ہوئی نہ معلوم کیا دیکھتی
رہی؟ سامنے ہی وہ بڑا آئینہ تھا۔ اُس آئینہ میں مایاپوری کی راج کنیا کی طرح اُس کا عکس
تھا۔ نیم باز نگاہوں سے وہ اُسی کو دیکھتی رہی۔ دیکھتے دیکھتے یکایک اُس نے ایک گہرا سانس
لیا۔ سب کہتے ہیں میں خوبصورت ہوں۔ یہ تصویر بھی تو دیکھنے میں خراب نہیں معلوم ہوتی؟
اچھا یہ کیسا شخص ہے؟ ایک بار اچھی طرح بھی تو نہیں دیکھا۔ جیسے اُس نے مجھے قبول ہی
نہیں کیا۔ ایسی اُداس نگاہیں۔ اور یہ مایوسانہ انداز!
مردوں کے طور طوار میں اتنی پیچیدگی اور اسقدر پُراسرار! اگر انیہرا اپنی مایوسی اور سنجیدگی
کو کھو دے۔ زیادہ کیا۔ اِسکے پاس بیٹھتی۔ یا اُس پر محبت بھری نگاہیں ڈالتی۔ تو بھی
کوئی بات تھی۔ میں کیا ایسی گئی گذری ہوں۔ کہ میرا شوہر ہوکر وہ میرے چہرے پر نظر بھی
نہ ڈالے ۔
بانی کا بھی کیا قصور؟ اِنسان کا خاصہ ہی یہی ہے۔ مہادیو جب مدن کو بھسم کر کے ریاضت
میں مخل ہونیوالی ہستیوں کا قلع قمع کرنے کے لئے چلے تھے۔ اُسوقت رنج وغم میں ڈوبی
ہوئی مگر بظاہر خوش اُما کی حالتِ زار کا نقشہ شاعر نے جو کھینچا تھا۔ وہ بانی کے حسب حال تھا۔
بانی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُس نے اپنے پھولوں کے تمام زیورات ایک ایک کر کے اُتار
دیئے۔ جواہرات بھی اُتار کر ایک طرف رکھدیئے۔ چراغ بجھا کر بستر پر آلیٹی۔ بہت دیر تک وہ
سو نہ سکی۔ اِسکا کوئی سبب نہیں تھا۔ پھر بھی بغیر کسی سبب کے غرور سے اُسکے دل کے
اندرونی حصوں میں نہ معلوم ایک کیسے درد کا احساس ہوتا تھا۔ ایک دبی ہوئی آواز
سے جیسے اُسکے دل میں کوئی کہہ اُٹھا۔ کل چلا جائیگا۔ اچھا ہوگا۔ اِس سے میرا کیا۔ اِس

بعد نیم خوابی کی حالت میں خواب میں دیکھا۔ سبز مخمل کے فرش پر سرخ پھولوں کا ہار زیب گلو کئے ہوئے ایک صاف شفاف نورانی مورتی! اسے دونوں کانوں میں وید منتر کی دلکش صدائیں گونج رہی ہیں۔ رگ رگ میں وہی شادی کا موثر منتر نغمہ زن ہے

تیسواں باب

دروازے پر گاڑی کھڑی تھی۔ اسکی چھت پر ٹرنک۔ بستر۔ برتن اور بھی بہت سی چیزیں تھیں۔ روانگی کا ارادہ ہوگیا۔ مالکہ نے یہ خبر سنی۔ داماد پردیس جا رہا تھا۔ یہ بات قابل یقین نہیں تھی۔ مگر جب خود مالک نے آکر کہا "کہ ایک نوکر اور ایک رسوئیا ساتھ جانا چاہئے لیکن وہ کسی طرح انہیں لیجانے پر راضی نہیں۔ لڑکے میں اور تمام باتیں تو بہت اچھی ہیں۔ نقص صرف یہ ہے۔ کہ وہ بعض معاملہ میں بڑا ضدی اور اکھڑ ہے۔ اپنے لئے ماہوار خرچ بھی لینے پر تیار نہیں۔ کہتا ہے۔ جیسے اب تک کام چلتا رہا ہے آگے بھی چلتا رہیگا۔ یہ کیسی فضول بات ہے۔ مالکہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ انہوں نے بیتابانہ انداز سے کہا۔ "یہ کیا؟ امبر ناتھ کو آج میں کہیں بھی جانے نہ دونگی۔ دو دنوں تک وہ کہاں رہا۔ کیا کھایا؟ اس کا بھی پتہ نہیں چلتا۔ طبیعت بھی خراب ہے۔ اس کے علاوہ ابھی شادی ہوئے آٹھ دن بھی نہیں ہوئے۔ ابھی وہ کہاں جائیگا؟ یہ کسی طرح نہیں ہوگا۔ تم اسے منع کرو"

رما ببھ داماد سے ملتفت نہیں تھے۔ یہ بات نہیں تھی۔ تاہم کرشن پریا کی طرح وہ اصرار پسند نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ اس میں مفلسی اور دولتمندی کا سوال پوشیدہ تھا۔ ان کا خیال تھا۔ کہ بہت دنوں تک باہر رہنے پر اسکی حالت سدھر جائیگی۔ اس کے بعد جب وہ واپس آئیگا۔ تو لوگ اتنے دنوں میں وہ پہلی تمام باتیں بھول جائینگے اس کی حالت بھی تبدیل ہو جائے گی۔ اور لڑکی کا رجحان بھی ہو جائے گا۔

کرشن پریا بہت روئیں دھوئیں۔ مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اب تک بھی ان کے آنسو نہیں رکے۔ نئے شادی شدہ داماد کے سر پر ہات پھیرتی ہوئیں کسی نہ کسی طرح لبِ

ذرا اس کمرے سے ہو آؤ" یہ کہکر وہ گھونگھٹ نکال کر چلی گئیں۔ اُس وقت اُن کا دل مادرانہ محبت سے بھرپور ہو رہا تھا۔ یہ کیا واقعات ظہور پذیر ہو رہے ہیں؟ یہ تو رانی کے بن باس کی سی حالت ہو رہی ہے!

ساس کے بہت اصرار کرنے پر بھی اشیرتا تھا اُس کمرے میں قدم نہ رکھ سکا پہلے اُسکی سمجھ میں یہ بات بھی نہ آئی تھی۔ مگر جب اُسی وقت اُس کمرے سے زیوروں کی جھنکار سُنائی دی۔ تو وہ اُمید بھری نگاہوں سے اُسی طرف دیکھنے لگا۔ دروازے کے پس پشت تیسرے پہر کے سورج بادلوں کی طرح ایک گلابی کپڑے کی جھلک دکھائی دی۔ اور اُسی میں چھپا ہوا ایک نرم و نازک ہات تھا اُس نے پہچان لیا اِس چھوٹے سے ہات کو اُس نے بارہا دیوی کی پوجا کرتے ہوئے دیکھا تھا کسی قدر جوش سے وہ آگے بڑھا۔ مگر پھر قدم ہاں ہی جم گئے "ضرورت نہیں۔ زندگی کے فرائض پر توجہ دو۔۔ دیکھ رہا ہوں"

دروازہ کسی قدر اور بھی کھلا۔ اُس میں سے ایک چہرہ بادلوں سے گھرے ہوئے چاند کی طرح جھانک کر دیکھ رہا تھا۔ اُس وقت وہاں کوئی نہیں تھا۔ صرف کسی قدر فاصلہ پر موہنی نامی ایک داسی جھاڑو ہات میں لئے ہوئے دالان صاف کر رہی تھی۔ بانی نے دروازہ بند کر دیا۔ نہ معلوم کیا سوچ کر وہ دروازے میں کیل لگا کر کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی تھوڑی دیر بعد اُسنے دیکھا۔ کہ باغ کے راستہ سے ہوتی ہوئی ایک گاڑی پھاٹک کی طرف گئی ہے

چوبیسواں باب

گاڑی میں صرف ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ بانی کھڑکی کی چوکھٹ پر اپنا سر جھکائے گاڑی میں بیٹھے ہوئے شخص کو دیکھنے کی کوشش کرتی رہی مگر دور ہونے کے باعث وہ اچھی طرح نہ دیکھ سکی۔ وہ بہت دیر تک اُسی حالت میں وہاں پڑی رہی۔ دیکھتے دیکھتے گاڑی پھاٹک سے باہر ہوئی اور راستہ طے کرتی ہوئی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ اُسکی آواز بھی نہیں سنائی دیتی تھی تھوڑی دیر بعد بانی جب گھر واپس آئی۔ تو اُسکی صاف شفاف نگاہوں میں

اضطراری جذبات لنظر آئے۔ شادی کے بعد وہ بالکل بے فکر ہوکر آزادی سے زندگی بسر کرے گی۔ ایک دن اُس نے یہ سوچا تھا اور جس وقت کا انتظار کر رہی تھی۔ آج وہی وقت موجود تھا۔ مگر کیا تعجب کی بات تھی کہ آج اُسکے دل میں ہمیرو تحمل کا نام و نشان بھی نہیں تھا جن لنگا ہوں نے آخری بار درشن کرنے کی زبردست آرزو پیدا ہوئی تھی۔ اُن میں اسوقت مایوسی کا بقدر یہ نمایاں تھا اور وہ تصور رہی تھیں خیالی لنگا ہوں سے وہ اُسی تصویر کو وہ اپنے سے بہت قریب دیکھنے لگی۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ یہ بھی دل میں خیال آیا کہ وہ دوڑ کر ماں سے کہے ماں! انہیں واپس بلا لو۔ یہ زبردست خواہش اُسکے دل میں رہ رہ کر گدگدانے لگی۔ لیکن آنچل بچھا کر وہ وہیں بیٹھ گئی۔ کیوں؟ کیوں واپس بلا سکتی! اُسکا دور چلا جانا کیا ہو سکے لئے مفید نہیں۔ کچھ دیر پہلے تو وہ اِسی لئے دعائیں مانگ رہی تھی۔

ہاں! اچھا ہے۔ ہرج ہی کیا ہے۔ کون کہتا ہے۔ کہ اچھا نہیں۔ وہ تو کبھی بھی شوہر کے اختیارات اُسے نہیں دے سکیگی۔ سا علیب بابو کی بیٹی۔ اور اُنہیں کے مندر کے پجاری کی بیوی کتنی نفرت کی بات ہے۔ بڑے شرم کا مقام ہے اُسنے اپنے آپ کو گوپی بلب کے چرنوں میں اپین کر دیا ہے۔ وہی چیز اور کسی کو پیش کرنے کے لئے اختیار ہی کیا ہے۔ چلا گیا بہت اچھا ہوا۔ ایک معمولی پروہت کیلئے اس قدر بے چینی و اضطراب! میرے لئے نہایت شرم کی بات ہے۔ میں یہ کسی طرح نہ ہونے دونگی۔

اپنے آپ کو روک کر اور اپنے دل بیقرار کو تسکین دیکر اُس خیال کو اُسنے ہٹانا چاہا۔ اتنے دنوں تک اچھی طرح اُسنے اُپاسنا اور آرتی نہیں کی۔ آج رات کو وہ اچھی طرح آرتی کریگی۔ گوپیوں کو بلا کر کیرتن کرائیگی۔ ہائے دادا بابو! تم نے ایک زبردست دام میں اپنی رادھا رانی کو باندھنا چاہا تھا۔ دیکھتی ہوں۔ اب کون فاتح ہوتا ہے؟ ہندوؤں میں سب بہت اچھا ہے صرف یہی ایک زبردست خرابی ہے۔ شادی کرنی ہی ہوگی۔ کیوں۔ ایسا زبردست اور سنگین قانون۔ کیوں کیا لڑکی کے کُل میں جنم پایا ہے۔ اسی لئے اتنی سزائیں دی جارہی ہیں میں ہری بلب بابو کی پوتی ہوں۔ پھر بھی کیا مجھے ایسے ویسے شخص کا حکم بردار ہونا پڑیگا جس کی پرورش میرے ہی نان و نمک سے ہوئی ہے۔ کیا وہی میرا پرکھو ہوگا؟

مگر ـــ یہی کیوں؟ میرے نان و نمک سے کس کی پرورش ہو رہی ہے۔ باپو جی تو یہ کہ
ہیں۔ کہ وہ میرا ایک حبہ لینے کیلئے بھی تیار نہیں ہے۔ ہر چند اصرار کرنے پر بھی زادِ راہ کیلئے ا
ایک کوڑی بھی نہیں لی۔ حیرت بر حیرت! حیرت! یہ غریب کا اتنا دماغ! اتنی مریادا! بانی آج مجھ
لاجواب ہو رہی تھی۔

اُسنے پھر سوچا۔ یہ تو مجھے خواب میں بھی اُمید نہیں تھی۔ عوام کا جو خاصہ ہے۔ ویسے اُسے ا
بھی کہیں حقیر تر سمجھا تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسا نہیں ہے۔ عوام کی نسبت اُس میں مد
خصوصیتیں نظر آتی ہیں۔ اُسکا سکون اور تحمل اُسکی اندرونی طمانیت کا ثبوت دے ر
ہے۔ اور ـــ اگر یہ نہ ہو۔ تو وہ بالکل ہی احمق ہے۔ نادان ہے۔ نہیں۔ نہیں۔ یہ پاگل ہو
ایسا ہرگز نہیں۔ کسی صورت سے نہیں۔ اتنے بڑے افسانہ کا خاتمہ کرکے وہ کیسے چلا گیا
کسی سے کچھ کہا بھی نہیں۔ میرے ساتھ اُسکی شرطیں بھی تو یہی تھیں ـــ دائمی جدائی؟
ہاں ـــ اسکے سوا اور کیا۔ ہمیشہ کیلئے اس رشتہ کا آج سے قطع تعلق ہو گیا۔

بانی کی نادانستگی میں اُسکے گلے سے ایک ایسا ہلکا سا سانس نکلا جس نے اُس کے س
کو گرانبار کر دیا۔ احتیاط سے آہستہ آہستہ اُسے باہر کی ہوا میں ملا کر پھر سوچنے لگی۔ نہیں ـــ
بالکل انجان نہیں۔ اُس نے اچھی طرح سے سمجھ لیا تھا۔ کہ میں اُس سے کس قدر غیر مطمئن
اور عہد کی پابندی؟ دیکھا ہے۔ شادی کے منتر پڑھتے ہوئے جب جب اُسنے میرا ہاتھ
ہے۔ یا مجھے چھوا ہے۔ تب تب اُسنے کیسے احتیاط سے کام لیا ہے۔ ساتھ ساتھ رہتے ہو
بھی اُس نے بہت سلیقہ سے کام لیا۔ اچھا۔ پھر وہ کیوں میرے ساتھ شادی کرنے کیلئے راضی

اِس وقت بانی کے پُرشور روانی میں یکایک فکر کا ایک باندھ آ گیا۔ یہ کیسی زبردست ک
ہے۔ سوچنے پر بھی کہیں کنارہ نظر نہیں آتا۔ وہ نہیں۔ اُسے کبھی نہیں پائیگی۔ یہ بھی وہ جا
تھی پھر بھی اُسکی طرف سے اپنے آپ کو اس قدر محتاط رکھتی ہے۔

شادی کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ایسی زبردست زنجیر سے اُسنے اپنے آپ کو کیوں
رکھا ہے۔ بانی نے اُسکے ساتھ بھی کوئی اچھا سلوک نہیں کیا۔ جسکے معاوضہ میں آج ا
یہ قیمت دی ہے۔ بلکہ اُسے نہایت ہی شرمسار محجوب اور تحقیر کیا۔ پھر؟ اس مسئلہ کی عقد

کشائی کون کریگا۔ ایک زبردست جال میں اِس فضول اور مُہمل سوال کو مقید کرنیکی کوشش کرنے لگی۔ کیوں؟ کِس اُمید پر وہ چُپ چاپ چلا گیا۔ کیا اِسی کا نام رحم ہے۔ دم بھر کے لئے بانی کا چہرہ اور اُسکی آنکھیں بے رونق ہو گئیں۔ کیا؟ رحم! *

مگر ہوگا تو وہی جو ہونیوالا ہے۔ غصہ کرنے سے کیا ہوگا۔ اُس وقت تو سب نے مل مِلا کر رحم کی درخواست کی تھی۔ اِس میں کیا شک ہے کہ وہ رحیم نہیں۔ لوگوں کی مِنت و سماجت پر اُسنے رحم سے کام لیا اور ایک اُف پکار کر گیا۔ یہ سوچتے سوچتے بانی نے ایک گہرا سانس لیا ایسی حالت میں تو وہ اُس دیالو شخص کے ہاتوں بک چکی۔ آج وہ راج نگر کے زمیندار مہاشے کی تمام جایداد کی وارث اور حقدار ہوئی۔ اِس میں شک ہی کیا ہے۔ یہ اُسی کے رحم و کرم کا نتیجہ ہے۔ ورنہ وہ تو محروم ہی ہو چکی تھی۔

بانی نے یکایک دونوں ہاتھوں سے اپنا مُنہ ڈھانپ لیا۔ پھر یہ تمام دان اُسی کے شوہر کا ہے۔ وہ آج اُسکے بارِ احسان سے گرانبار ہو رہی ہے۔ بھگوان گوپی بلبھ! تم نے یہ کیسی حالت پیدا کر دی ہے۔ وہی جاہل پروہت — جو پوجا سے قطعی ناواقف — وہی آج اُس کا محافظ ہے! وہی اُس کا اَن داتا اور وہی اُس کا شوہر ہے اور آج وہ اُسی کے حکم سے اُسی کے خیال سے ہمیشہ کیلئے اُس سے بہت دور چلا گیا ہے اِس زندگی میں پھر واپس نہیں آئیگا۔

پچیسواں باب

دِن۔ ہفتے اور مہینے گذر گئے۔ گوپی بلبھ کے مندر میں آدیا ناتھ پروہت گھنٹہ شنکھ بجاتے تھے۔ آرتی کرتے تھے۔ بانی چُپ چاپ دیکھتی رہتی تھی۔ مگر آدیا ناتھ یہ اچھی طرح دیکھ رہے تھے۔ کہ بانی مندر کے کاموں میں اب وہ پہلی سی سرگرمی نہیں دِکھاتی۔ اور نہ دلچسپی لیتی ہے۔ اُسکی نگاہیں جذبات سے خالی ہیں۔ پتلیوں میں بنائی ہوئی آنکھوں کی طرح اُسکی نگاہیں بالکل ساکن ہیں۔ لوگ اِسے دیکھتے تھے۔ مگر وہ خود کچھ نہ دیکھ سکتی تھی۔

اندنوں پوجا میں اکثر بدشگونی دیکھی جاتی تھی۔ آرتی کے وقت بانی کے ہات سے

تھال گر پڑتا تھا۔ پروہت جی چونک اُٹھتے تھے۔ وہ سوچتے تھے۔ یہ سبب کیا ہے؟ بُرے آثار کیوں نظر آ رہے ہیں؟

بانی پوجا کے تمام ضروری کاموں میں حصہ تو ضرور لیتی تھی۔ مگر وہ اگلا جوش و خروش نظر نہیں آتا تھا۔ جیسے اُسکے کانوں میں بار بار وہی منتر گونجتا رہتا تھا۔ جو شادی کے وقت پڑھا گیا تھا۔ اُس کے ہاتھ سے چیزیں عموماً گر پڑتی تھی۔ چندن کا کٹورا ہاتھ میں لیتے ہی ہاتھ کانپنے لگ جاتا تھا۔ وہ شرم سے چُور چُور ہو جاتی تھی۔ قصور سے خائف ہو جاتی تھی۔ کیا یہ کسی کرن کی جادو و دیا ۔۔۔ یا مایا کی مایا ہے۔ منتر میں اتنی شکتی!! وہی منتر جو سوَن کرتے وقت پڑھا گیا تھا۔ اور جو اُس کی رگ رگ میں سرایت کر گیا تھا۔ جیسے وہ پہاڑوں کے سینہ کو چیرتی ہوئی زبردست چال سے رواں دواں ندی کی بہتی ہوئی دھار تھی جسے روکنے کی طاقت کسی میں بھی نہیں ۔۔۔ اپنے زعم میں جوش و خروش سے بہتی ہوئی چلی جا رہی تھی۔

بانی سوچتی تھی۔ اُس زبردست مقصد کی تعمیل وہ کیونکر کریگی؟ وہ یکسوئی اور اطمینان قلب حاصل کرنے کیلئے کتنی ہی سرگرمی سے کام لیتی تھی۔ مگر کامیاب نہ ہوتی تھی۔ وید منتر کا اتنا زبردست اثر؟ وہ اسی غور و خوض میں رات دن ڈوبی رہتی تھی۔

اِدھر کرشن پریا بھی داماد کے لئے بیچین ہو اُٹھتی تھیں۔ شادی کے بعد ہی وہ دلیس تیاگی ہو گیا۔ سال بھر گذر گیا۔ مگر پھر بھی وہ واپس نہ آیا۔ اِسکا کیا مطلب ہے؟ بیچین ہو کر اُنھوں نے بار بار پوچھا "ہاں جی! میرا اشیر کب آئیگا؟ اُسے واپس کیوں نہیں لاتے؟"

رما بلبھ نے بھی متانت سے جواب دیا۔ وہ اِس وقت کیا آنے لگا ہے۔ آسام میں اُس نے کتنی ہی پاٹ شالائیں کھولی ہیں۔ اُسے بہت کام ہے۔"

وہ اکیلے اتنی پاٹ شالاؤں میں کیونکر پڑھائے گا۔ تم کہتے کیا ہو؟ اتنی محنت کیا وہ برداشت کر سکے گا۔ تم میرے بچے کو بُلا دو۔"

بہت دنوں سے اُنھوں نے بیوی کو سمجھایا۔ کہ وہ خود ہی سب کو نہیں پڑھاتا کئی قابل ترین پنڈت اُس نے جا بجا سے بُلائے ہیں۔ وہ پاٹ شالائیں بھی ایک مقام پر نہیں

ہیں مختلف گاؤں میں ہیں۔ وہ صرف منتظم اور نگراں ہے۔"
مگر کرشن پریا کی اِن باتوں سے تسلّی نہیں ہوئی۔ غریب ہے۔ اِسی وجہ سے کمانے گیا ہے۔ ورنہ بیوی کا گذارہ کیسے ہوگا؟ اُسے کیا دُکھ ہے؟ کس تکلیف اور دُکھ سے وہ یہ کام کرنے پر مجبور ہوا۔ دل میں ایک زبردست شک پیدا ہوگیا۔ بالآخر جب اُس سے نہ رہا گیا۔ تو زبان کھولنی ہی پڑی۔ لڑکی سے پُوچھا۔ اری رادھا رانی! امبرناتھ کا کوئی خط آیا۔ یا نہیں؟" لڑکی نے تکبّرانہ انداز سے کہا "میں کیا جانوں؟" "نہیں بانی کی یہ بات بہت بُری معلوم ہوئی۔ بولیں معلوم ہوتا ہے۔ تُو نے اُسے آنے اور خط لکھنے سے منع کر دیا ہے؟"
یکایک ماں کے مُنہ سے ایسے ناخوشگوار الفاظ سُنکر بانی نے کرخت لہجہ میں کہا "کیا ہے تو اچھا ہی کیا۔ بُرا کیا کیا"
اِس کے بعد اپنے آپ کو سنبھال کر وہ حقارت آمیز ہنستی ہنستی ہُوئی بولی مجھے کوئی خط لکھنا ہے۔ یا نہیں۔ اِسی فکر میں تو مجھے رات دِن نیند نہیں آتی۔ ماں! تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ دِن رات اِسی ایک بات کا تذکرہ کرتی رہتی ہو۔ ہیں ہی اِس وقت جیسے تمہاری تمام پریشانیوں کی جڑ ہُوں۔ صرف ایک شخص کی طرف ہی تمہارا جس قدر رجحان ہے۔ بہت اچھا۔ پھر تم وہاں ہی کیوں نہیں چلی جاتیں۔ مجھے تو تم ذرا بھی پیار نہیں کرتی"
ماں نے غرور اور خود نمائی میں بھری ہوئی لڑکی کے چہرے پر محبّت آلود نگاہیں ڈال کر کہا۔ ماں کیا اپنی اولاد کو پیار کرتی ہے۔ اُسے جو اِس قدر پیار کرتی ہوں۔ رانی! وہ کس کے لئے؟"
اور بھی پانچ چھ مہینے گذر گئے۔ ایک دِن صُبح کی ڈاک میں ایک خط اور اخبار آیا رما بلبھ نے کچھ دیر بعد بیوی کو بلا کر کہا۔ "ہاں جی! دیکھتی ہو۔ تمہارے امبرناتھ نے کتنا نام پایا؟"
ایک اخبار میں امبرناتھ کے متعلق یہ تذکرہ تھا۔ "راج نگر کے مشہور بھگت زمیندار ہری بلبھ رائے کے اِکلوتے داماد و اُنکی جائیداد کے حقدار امبرناتھ نے آسام کے مختلف

گاؤں میں سنسکرت کی پاٹ شالائیں جاری کی ہیں۔ اِس کے علاوہ انہوں نے ایک اچھا آدرش پیش کیا ہے۔ اس نوعمر شخص کو سنسکرت میں جو ملکہ حاصل ہے۔ وہ عام طور سے لوگوں میں نظر نہیں آتا۔ مفلسوں اور غربا کی پرورش کا بھی معقول انتظام کیا گیا ہے۔ امبر ناتھ جی ہر کام پر نہایت غور وخوض سے نظر ڈالتے ہیں اور بہت دلچسپی لیتے ہیں۔ وہ بطور خود نیائے سانکھیہ یوگ اور ویدانت کے قابل ترین پنڈت ہیں۔ مزاج میں نہایت حلم وانکساری ہے۔ اُن کا دل گنگا کے صاف شفاف آب رواں کی طرح صاف ہے۔ سنجیدگی شرافت جو اتم موجود ہیں نہایت روشن اور پاکیزہ چہرہ۔ رحم وکرم کی انتہا نہیں۔ اپنی میٹھی میٹھی اور دلکش باتوں سے لوگوں کو فوراً اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں۔ ان سب پر طرہ یہ کہ خود نہایت سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ کتنے خوشی کی بات ہے"۔

کرشن پریا نے اُلٹ پلٹ کر بار بار اِس اخبار کو پڑھا۔ پڑھتے پڑھتے جوشِ مسرت سے اُنکی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ تو کیا۔ وہ کچھ نہیں جانتا۔ اُسے پُوجا کرنے کی بھی تمیز نہیں۔ بالکل جاہل اور احمق ہے۔ علم میں اور اُس کے اظہار میں بڑا فرق ہے"۔

لڑکی کے پاس جا کر انہوں نے مسرت آمیز لہجہ میں کہا: "دیکھ رادھا رانی! لوگ اُسکی کتنی تعریف کرتے ہیں۔ صرف ایک تو ہی ہے۔ جو ہمیشہ اُسکی شکایت کرتی رہتی ہے — مجھے ہمیشہ اِسی بات کا رونا رہتا ہے۔

بانی نے جوش وخروش سے وہ اخبار اُٹھایا۔ امبر ناتھ کا نام دیکھتے ہی اُس نے اُسے زمین پر ٹپک دیا۔ "ماں اتم کہتی کیا ہو۔ یہ تمام کرامات خوشامدی لوگوں کی ہے۔ وہ ایسا بڑا پنڈت ہوتا۔ تو اُسے کوئی خطاب نہ ملتا!

کرشن پریا اِس جواب سے دِل ہی دل میں بہت کڑھی۔ مگر غصہ کی حالت میں وہ کوئی بات زبان سے نہیں نکالتی تھی۔ اسی وجہ سے چُپ چاپ وہاں سے چلی گئیں۔

اُنکے چلے جانے پر بانی نے اخبار کو لپیٹ کر اپنے کپڑوں میں رکھ لیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک بند کمرے میں لیٹ کر غور سے وہ تمام حالات کئی بار پڑھے "وہ مفلسوں کی سی زندگی بسر کرتے ہیں"۔ لوگوں کا بہت اپکار کرتے ہیں۔ کس لئے؟ اسکی کیا ضرورت؟ کس نے اُ

کرنے کو کہا؟ اتنا تیج! اتنا گھمنڈ! شیکھر کو بالکل غیر سمجھا، میرے باپ سے اسقدر مغائرت! کیا وہ اسکے کوئی نہیں؟ اور اگر یہی ہو۔ تو اس نے عرصہ دراز تک تو دوسروں کے ہی نان و نمک سے پرورش پائی ہے مُفلسی! یہ تو سخت مصیبت ہے۔ پھوس کا بدحیثیت مکان! اُف! بارش میں تو سخت تکلیف ہوتی ہوگی۔ موٹے چاول اور معمولی دال کے سوا اور کیا نصیب ہوتا ہوگا؟ اُسے بھی کون پکا دیتا ہوگا۔ یہاں تو کتنے ہی رسوئیا ہیں۔ اور وہ تو خود ہی پکاتے ہیں۔ ممکن ہے بھاپ سے ہاتوں میں چھالے پڑ جاتے ہوں؟

ہات میں وہ ہیرے کی انگوٹھی کی یاد آتے ہی اُس نے ایک گہرا سانس لیا۔ اُسی انگلی میں آج وہ انگشتری نہیں۔ رہنا ممکن بھی نہیں۔ جاتے وقت وہی میلا اور موٹا کپڑا پہنا ہوا تھا۔ مگر اس سے کیا؟ اسے کون دیکھتا ہے۔ جو خوش ہوگا۔ یا رنج کریگا۔ شاید بیمار ہونے پر مُنہ میں پانی ڈالنے والا بھی کوئی نہیں ہوگا؟

پانی کے سینہ پر جیسے کوئی چوٹیں لگانے لگا۔ روشن اور پاکیزہ چہرہ۔ یہ تو سچ ہے۔ خوبصورت۔ بلکہ خوبصورت ترمرد اس قدر خوبصورت ہوتے ہیں۔ اس کا مجھے خواب میں بھی خیال نہ تھا۔ "زبردست پنڈت"۔ یہ تو ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔ اگر یہ صحیح ہوتو کیا اُسے وشنو کی پوجا کا طریقہ نہ معلوم ہونا چاہئے تھا۔ جھوٹی بات ہے۔ سب جھوٹ۔ بالکل جھوٹ۔ اس میں پنڈتائی کا نام نہیں۔ مگر پھر یہ لوگ کیوں کہتے ہیں۔ یہ تو میں بھی اس وقت کسی قدر سمجھتی ہوں۔ بھاگوت میں پڑھا تھا۔ کہ دیوتاؤں میں کوئی فرق نہیں۔ شام اور شاما ایک ہی ہیں۔ رادھا کنج میں اُنہوں نے شاما کا روپ دھارن کیا تھا۔ میں جاہل ہوں۔ غرور نے مجھے عقل سے خالی بنا دیا ہے۔ اسی وجہ سے اُس دن اُسکی اسقدر بیحرمتی کی تھی۔ بھگوان گوپی بلب! شاید اسی پاپ کی وجہ سے تم نے مجھے اسقدر سزا دی ہے۔ اسی طرح تم نے دروپدی کا مان توڑا تھا۔ دیکھوں تو سہی اور کیا لکھا ہے۔ "دل گنگا کے صاف شفاف آب رواں کیطرح ہے"۔ اس میں کسی قدر مبالغہ سے کام لیا گیا ہے مگر نہیں یہ تمام میری خام خیالیاں ہیں۔ وہ اس قدر عالم و فاضل ہے۔ اسے کون خیال کر سکتا ہے۔ کیا میں یہ جانتی تھی۔ کہ وہ اسقدر شریف ہے اور ایسی زبردست شخصیت ہے؟

بچینوں سے بہت دیر تک بانی کے دِل میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔ منتر کے بس میں آئی ہوئی ناگن کی طرح اُسکی حالت ہوگئی۔ ایک طرف تو اُس کو اپنی ذات کا غرّہ دوسری طرف وید منتر کی مہان شکتی — اِن دونوں زبردست طاقتوں سے آج ڈیڑھ سال سے جدّوجہد ہو رہی تھی۔ کوئی کسی کے روبرو سر جھکانا نہیں چاہتا تھا۔ اِسی وجہ سے عرصہ دراز کے زبردست جنگ نے دل اور جان دونوں کو عجیب مخمصے میں ڈال رکھا تھا۔ اہنکار اور ویویک میں زبردست جنگ ہو رہی تھی۔ ویویک کہتا تھا۔ ایسا کیوں کیا۔ خود بھی مرا اور مجھے بھی اپجس دیا۔ اور اہنکار غرور سے سر اُٹھا کر جواب دیتا تھا۔ اپجس ملا تو ملا۔ کیا اِسی وجہ سے اتنے بڑے زمیندار کی لڑکی ایک پروہت کی داسی نہ ہوگی۔ ویویک اگر کہے۔ کہ وہ داسی کیوں ہو۔ استری کیا داسی ہے خدمت ہی میں تو تمام سُکھ ہے اگر وہ یہ سُکھ نہ چاہے۔ تو سب کچھ ۔

اہنکار کا منہ پھول اُٹھا۔ وہ زبانِ حال سے کہہ رہا تھا۔ اچھا کیا۔ بیٹھے بٹھا کر اپنا جسم و جان سونپ دیا۔ اب انسان کی کیا مجال ہے کہ وہ اسے ہاتھ لگائے اور پھر وہ چاول پکانے والا برہمن — یا پجاری ہی سہی۔ پھر بھی زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اِسی ایک صفائی کے زور پر بانی نے اپنے آپ کو تسلی دی تھی ۔

مگر یکا یک ایک دن اس اہنکار کا سر بھی نیچا ہوا۔ اُسے ہار ماننی پڑی۔ ایک دن دوران تقریر میں آدیا ناتھ کے منہ سے یہ کلمات نکل ہی پڑے۔ "دیوتا کی مورتی کی پرتشٹھا سے مجھے حقیقت کی روشنی نظر آئی ہے۔ مگر اسے نا روا انسانی قالب میں ہمیں ہمیشہ براجمان ہونا بھول رہا اس لئے میری پوجا کرنے سے لوگ یقیناً مجھ کو ہی پائیں گے۔ باپ کی شکل میں ماں کی شکل میں شوہر کی مورتی میں انسان ہمیشہ میرے ہی نام کی رٹ لگاتا ہے۔ وہ لوگ ستھول روپ کی پوجا نہیں کرتے۔ گھٹا ٹوپ تاریکی میں گمراہ مسافر یکا یک بجلی چمک جانے سے جیسے دم بھر کے لئے راستہ پا جاتا ہے۔ بانی کے شک سے پھر پور دل میں اس جواب سے جیسے دیوتا نے خود ہی گیان کی بجلی چمکا دی۔ جو مندر میں دیوتا کی مورتی کے روپ میں پوجے جاتے ہیں۔ وہی تو اس انسانی قالب میں بھی موجود ہیں۔ اشیر ناتھ بھی تو یہی کہتا تھا۔ اُنکا مت بھی یہی تھا۔ وہ بھی تو آتما پرماتما کو ایک مانتا تھا اور — تب تو پھر صرف دیوتا کے

پوجا کے ذریعہ اُسے خوشی نہیں مِل سکتی۔ انسان کی بیعزّتی کرنے سے تو اُسکی اپنی بیعزّتی ہوگی۔ جنک جتّی اور سوامی کے رُوپ میں وہی پُوجا قبول کرتے ہیں۔ اُس نے تو اُس کی مُورتی کو نفرت سے دُور کر دیا ہے۔ اُس نے تو کبھی خیال میں بھی پُوجا نہیں کی۔ ہائے اِدرواڑ کے دیوتا کو دُور ہٹا کر وہ اور کسے پانا چاہتی ہے؟

اُس دِن کی ایک بات بھی اُسکے کان میں نہیں پہنچی۔ وہ منتر کے جپ کیطرح بار بار وہی چند الفاظ وردِ زبان کرتی رہی۔ اگر مورتی کی ہی پُوجا کرنی ہے تو اُسی ذاتِ پاک میں کیوں نہ جلوہ حقیقت دیکھیں۔ تمام کرم دھرم کے درمیان اُس نے یہی ایک بات سمٹے کی ساز دل پر بار بار وہی نغمہ حقیقت بجنے لگا۔ وید منتر اگر پتھر پر کندہ ہو کر اپنا اثر ڈال سکتا ہے تو میں کیوں اُس شکتی سے اپنا پیا نہیں جوڑ سکونگی۔ کیا ایسا نہیں کر سکونگی ہم کیوں نہ کر سکونگی؟ میں ہر طور اِس قابل ہوں۔ منتر کا کتنا زبردست اثر ہے۔ یہ اُسکے رگ رگ اور عضو عضو میں سرایت کر چکا تھا۔ جو منتر مٹی میں پتھر میں و دیگر تمام مادی چیزوں میں اپنی طاقت کا اثر دکھا سکتا ہے اور اُس میں عجیب و غریب تبدیلی پیدا کر سکتا ہے۔ اُسکے اثر سے یہ نفرت اور پریم و بھگتی کا رُخ کیا کسی اور طرف نہیں کیا جا سکتا۔ اسے کون سمجھ سکتا ہے۔ سمجھنے کی کوشش ہی کون کرتا ہے۔

بانی نے ایک گہرا سانس لیا۔ ہندوی لڑکی شوہر کی چتا پر ہنستے ہوئے کیسی فانی اور اٹل بھگتی سے جل کر خاک ہو جاتی ہے۔ آج وہ راز سمجھ میں آ گیا۔ یہ کیسا زبردست اور قابل قدر بندھن ہے۔ اِس میں پابہ زنجیر ہونے سے جسم و جان اپنے نہیں کہے جا سکتے۔ اُسکے اپن پا کا گیان ہی نہیں رہتا۔ اس منتر میں کیسی زبردست شکتی ہے۔ شوہر اور بیوی کے دو دل اسکے اثر سے ایک کئے جاتے ہیں۔ بیوی اپنے شوہر کو سب کچھ سونپ دیتی ہے۔ اُسکا اپنا کچھ نہیں رہتا۔ پھر وہ کیوں تمام تکالیف کا بار برداشت نہ کر سکیگی۔ کیا وہ ہندو کل کی لڑکی نہیں ہے۔ جسمانی تکالیف حیثیت ہی کیا رکھتی ہیں۔

رات کو کرشن پیارے نے دیکھا۔ بانی اب تک مندر سے واپس نہیں آئی۔ پتہ لگایا معلوم ہُوا کہ آرتی ہو چکی ہے۔ کیرتن بھی ختم ہو چکا۔ پھر وہ اکیلے وہاں کیوں ٹھہری؟

ماں بیچین ہوکر خود ہی لڑکی کے پاس گئی۔ مندر کا دروازہ بند تھا۔ اُسے کھولتے ہی اُسکے حیرت کی انتہا نہ رہی۔ سنگ مرمر کے فرش پر بانی پڑھی ہوئی تھی۔ کرشن پریا آہستہ آہستہ قدم رکھتی ہوئی سرہانے جاکر بیٹھ گئی۔ سر جُھکا کر اُسکے خوابیدہ چہرے کی طرف محبت آلود نگاہوں سے دیکھتی رہی۔ بند آنکھوں میں آنسو اس طرح پوشیدہ تھے۔ جیسے صدف میں گوہر آبدار۔ کرشن پریا نے ان موتیوں کی جھلک دیکھلی۔ آنکھوں کا چشمہ اُبل پڑا۔ اور دیکھتے دیکھتے اُنکا تمام سینہ شرابور ہوگیا۔ یہ آنسو کیوں؟

کنول کی پنکھڑیوں جیسے نازک رخساروں پر قطرات شبنم آویزاں تھے۔ آخر اس کا سبب کیا؟ مگر شبنم تو درختوں کے پتوں سے ہوتی ہوئی زمین کے سینہ پر ہی گر پڑتی ہے۔ آج ماں کے سینہ کو چھوڑکر وہ خاموشی کے ساتھ پتھر کی سِل کو کیوں دھو رہی ہے۔ یہ تو انجان کے آنسو نہیں ہیں۔ یہ آنسو تو درد اور تکلیف کے ہیں۔ لڑکی کا سر گود میں لیکر اُنھوں نے پکارا "رادھا رانی"

"ماں! کہہ کر بانی آنکھیں کھولتی ہوئی اُٹھکر بیٹھ گئی۔

"بیٹی یہاں کیوں بیٹھی ہو۔ کیا کچھ تکلیف ہے؟"

بانی نے اُس وقت اپنے آپکو بہت کچھ سنبھال لیا تھا۔ وہ فوراً آنسو پونچھکر ہنستی ہوئی بولی "معلوم ہوتا ہے تم مجھے تلاش کرنے آئی ہو۔ دیکھتی تھی کہ تم کیا کر رہی ہو"

کرشن پریا بھی سمجھ گئی۔ بیٹی اُن سے اپنے دُکھ درد کو چھپا رہی ہے یہ سوچ کر اور متفکر ہوکر اُنھوں نے داماد کو خط لکھا۔ "تم کب آؤگے۔ تمہیں دیکھنے کے لئے ہم لوگ بہت پریشان ہو رہے ہیں۔ جلد آؤ۔"

کئی دنوں بعد جواب آیا۔ "ماں آپ کے تعمیل ارشاد میں ابھی کچھ دیر لگیگی۔ اِسوقت کام کا بار سر پہ ہے۔ آنا ممکن نہیں۔ اپنا بچہ سمجھ کر مجھے معاف کرنا۔"

کرشن پریا نے دل ہی دل میں سوچا۔ آثار اچھے نہیں۔ ضرور کچھ نہ کچھ دال میں کالا ہے رادھا رانی کے باپ کو بھی اس بات کا پتہ ضرور ہے۔ ورنہ وہ اس قدر بیفکر نہ ہوتے ایشور جانے لڑکی کے نصیب میں کیا لکھا ہے۔

رفتہ رفتہ اسی طرح دن گذرنے لگے۔ بارش کے بعد نیلگوں آسمان پر موسم سرما کا چاند طلوع ہوا۔ سورگا پوجا کی تیاریاں دھوم دھام سے ہو رہی تھیں۔ اور بنگالیوں کے دل فرطِ مسرت سے جھوم رہے تھے۔ عین انہیں دنوں میں ایک دن راج نگر کے زمیندار کے گھر میں بغیر بادلوں کے بجلی گری۔ یکایک ایک زبردست اور مہلک عارضہ میں کرشن پریا اپنے سونے کے گھر کو شمشان سے بدتر بنا کر ہمیشہ کے لئے اس دُنیا ناپائیدار سے چل بسیں رما بلبھ بابو کو اچھی طرح علاج کرنے کا موقع بھی نہ ملا۔ جیسے یکایک زور شور کا طوفان چھوٹی سی کشتی کو حرکت میں لا کر غرقاب کر دیتا ہے۔ وہی حالت کرشن پریا کی ہوئی سب مُنہ دیکھتے رہ گئے۔

مرنے کے وقت کرشن پریا نے بانی کو بُلایا۔ اُنکی یہ آخری خواہش پوری ہوئی۔ بانی ہونٹ پر ہونٹ دبائے چپ چاپ بیٹھی تھی۔ سب کے چلے جانے پر وہ ماں کے سینہ پر اپنا سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی "ماں انہیں میں نے کس قدر دُکھ دیا۔ یہ سب باتیں جب یاد آئینگی۔ تو میں کیونکر اپنے دل پر ضبط کر سکونگی۔ یہ کہکر اُس نے دونوں ہاتھوں سے ماں کا گلا پکڑ لیا۔ ماں نے بہت پیار و محبت سے بانی کا مُنہ چوما۔ اس کے بعد کرشن پریا نے بانی کے آنسوؤں سے تر مُنہ کو اپنے سینہ سے دبا کر اُس پر ٹھہرائی ہوئی نگاہیں ڈالیں اور تسلی آمیز لہجہ میں کہا "بیٹی! تم نے کسی وقت مجھے کوئی دُکھ نہیں دیا۔ تمہیں پا کر میں نے کونسی نعمت غیر مترقبہ پائی۔ یہ تم ہی جانیں۔ جنہوں نے میری خالی گود میں تمہیں بھیجا تھا۔ تمہیں چھوڑ کر میں یہاں سے جا رہی ہوں۔ اس سے زیادہ سُکھ مجھے اور کیا ملیگا؟ آج میری آخری فکر بھی دُور کر دے۔ بانی! مجھے یہ بتا دے۔ کہ انشیر کیا اب نہیں آئیگا؟"

دل کی اندرونی تکلیف سے بانی کا عضو عضو جیسے درد سے تڑپ رہا تھا۔ ماں آج اُسے جنم بھر کے لئے چھوڑ کر جا رہی ہے اور کچھ دیر بعد اُسکے تمام قصوروں کو نظر انداز کرنے والی مددگار یا در تمام دُکھوں کا قلع قمع کرنیوالی ماں اس تختۂ زمین پر نظر نہ آئے گی۔ کیا یہ تمام باتیں کم تکلیف دہ تھیں؟ اُس نے دونوں ہاتھوں سے ماں کو پکڑ کر تیر کو چھیدنے والے لہجہ میں روتے روتے کہا "نہیں ماں! وہ نہیں آئینگے۔ تم بھی جا رہی ہو۔ نہیں ماں! تم نہ جا

اوماں! نہ جاؤ! نہ جاؤ!!

"جھی بیٹی! اب اس وقت مایا جال سمجھانے کی فضول کوشش کرنا اچھا نہیں بیٹی! جانیوالے کو کس نے روکا ہے جب وقت آگیا۔ تو اسے کون لوٹا سکتا ہے؟ آواز آتے ہی جانا پڑیگا۔ وہ کیوں نہیں آئیگا؟ بانی مجھے بتادو۔ وہ تو ایسا نہیں۔ کیا تو نے اسے آنے کے لئے منع کیا ہے؟

اسوقت بانی نے اپنی دلی تکلیف کو کسی نہ کسی طرح دبا کر سر اٹھایا۔ کہا "ماں! اب آج میں تم سے کچھ نہ چھپاؤنگی۔ منع کیوں؟ — عہد کر لیا ہے کہ اس زندگی میں کبھی ان سے میری ملاقات نہ ہوگی"

"رادھا رانی! تو نے اچھا نہیں کیا۔ سخت بے انصافی کی۔ تو بالکل سادہ لوح ہے جو کچھ کیا ہے۔ سوچ سمجھ کر نہیں کیا۔ جو کیا۔ اسکا اب اور کوئی چارہ نہیں۔ اگر تو نے پیشتر سے مجھ سے یہ تمام باتیں کہی ہوتیں۔ تو آج یہ افسوسناک حالت ظہور پذیر نہ ہوتی۔ اچھا اب میرا آخری آشیرباد یہ ہے۔ کہ وہ تجھے معاف کرے گا۔ تو اسے بلا کر معافی مانگ!!

بانی نے اب تک کسی طرح اپنے آپ کو سنبھال رکھا تھا۔ اب اس سے نہ رہا گیا۔ دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر گھبرائی ہوئی آواز سے بولی "نہیں ماں! یہ نہیں ہوگا ہم لوگوں نے باہم عہد کیا ہے۔ کہ اس زندگی میں کوئی کسی سے کوئی تعلق نہیں رکھیگا"

"عورت کا شوہر کو تیاگ کرنیکا عہد — یہ کیسا عہد ہے؟ جو تو نے کیا ہے وہ مہاپاپ ہے۔ اب اسکی سیوا کر! اور اسکے حکم میں چل۔ اسی سے اس مہاپاپ کا پرائشچت ہوگا۔ وہ نہایت نیک لڑکا ہے۔ ایک دن آئیگا۔ جب تو اسکی قدر و قیمت اور خوبیوں کا اندازہ لگا سکیگی۔ اس وقت دل ہی دل میں کہیگی۔ کہ ماں نے جو کہا تھا بلفظ صحیح تھا۔ روؤ نہیں بیٹی! اسے ایکبار بلا لو۔ میرے جانے سے وہ بہت دکھی ہوگا۔ تم رہوگی۔ ہمیشہ دیکھوگی اور رجاؤگی؟ آج چھبیس ستائیس برس سے تو میری ہی نگاہوں کے سامنے رہی۔ دم بھر کے لئے بھی جدا نہیں ہوئی۔ اب جاتے وقت اسی وجہ سے دل خالی خالی سا معلوم ہوتا ہے..... آگئے ہو۔ آؤ! اپنے پیروں کی خاک سر پر چڑھاؤں

جس میں پھر تمہیں پاؤں۔ بہت سکھی ہوئی تھی یہ تمہیں پاکر پرلوک میں بھی سکھ سے رہ سکونگی
پاپی کو دیکھنا۔ اور انیر کو جس طرح ممکن ہو بلا لانا۔ شوہر کو چھوڑ کر عورت کے لئے دنیا کی تمام
نعمتیں بالکل ہیچ و پوچ اور بے مصرف ہیں۔ سکھ خواہش صرف یہی کیوں نہ ہو تا ہے
بھی کہیں زیادہ شوہر کا درجہ ہے۔ پاپی کو یہی تعلیم دینا۔ اب ذرا ہری نام سناؤ۔ اور پانی
ذرا منہ میں گنگا جل ڈال دے۔ تو صرف میری بیٹی ہی نہیں ہے۔ بلکہ میرا لڑکا بھی ہے۔
اب تو اس مرتبہ اپنا آخری فرض ادا کر۔"

صبح کا تارا ڈوب رہا تھا۔ دیگر تمام تارے چراغِ سحری کی طرح جھلملا رہے تھے۔
وہ زبردست اور عالی شان مکان ہائے ہائے! وائے وائے کے نعروں سے گونج
اُٹھا۔ صبح گھر میں یہی آواز سنائی دیتی تھی "ماں! ماں!! ماں!!!"

چھبیسواں باب

پرسن مئی نے بسترِ علالت چھوڑا اور کسی قدر چلنا پھرنا بھی شروع کر دیا تھا۔ اسکا
رات دن کام میں مصروف نظر آتی تھی۔ مرگانک بڑی مصیبت میں پڑا۔ اسکا اسکے ساتھ
باسانی ملاقات نہیں ہوتی۔ اگر کہیں اتفاق سے ملاقات بھی ہو گئی۔ تو بات چیت کرنے
کا موقع بھی نہیں ملتا۔

ایک دن کھانا کھاتے ہوئے مرگانک نے کہا "دیدی! تمہارا جسم بہت کمزور ہے
پھر بھی تم احتیاط سے کام نہیں لیتیں۔ یہ اچھا نہیں کرتیں"۔

"مجھے اب کسی بات کا خوف نہیں رہا۔ اگر کسی کی آئی مجھے آج آجائے۔ تو میں بڑی
خوش ہوں۔ بدھوا کے لئے موت کا کیا ڈر؟"

مرگانک نے ہنسکر کہا۔ "وقت سے پہلے کچھ نہیں ہوتا۔ مگر کیا تم ہمیشہ اسی طرح
گھر گرہستی کے کاموں میں پھنسی رہو گی؟ کیا اور کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔"

پرسن مئی نے کہا۔ "وہ بات جانے دے میں تو اب کوئی کام کاج بھی نہیں کرتی
تو کھانے بیٹھا تھا۔ اسی لئے آ گئی۔ کہ شاید کسی چیز کی ضرورت ہو۔ دیکھتی رہونگی"۔

"نہیں۔ نہیں اسکے لئے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ کل سے آپ تمہارات کو نیچے نہ اُترنا"

"پاگل ہوگیا ہے کیا۔ جب تک میں زندہ ہوں۔ اُس وقت تک مجھے کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دوگی۔ چپ چاپ کھاٹ پر بیٹھی رہوں۔ یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔ اس سے تو موت ہزار درجہ بہتر ہے"

مِرگانک جا رہا تھا۔ رفتہ رفتہ واپس آ گیا۔ بولا "باہر کے کمرے بہت ٹھنڈے ہیں موسم سرما کے آغاز میں سر میں اکثر درد ہو جاتا ہے ڈاکٹر گھوش کہہ گئے ہیں۔ کہ کسی قدر گرم کمرے میں سونا چاہیئے۔ اسی لئے سوچ رہا ہوں کہ آج نوین کے گھر میں سوؤں گا۔ اُسکے مکان میں کتنے ہی کمرے خالی پڑے ہیں"

مرگانک رات کو باہر نہیں جاتا۔ یہ بات پرسن مئی سے پوشیدہ نہیں تھی۔ وہ آج کئی دنوں سے سوچ رہی تھیں۔ کہ بہو کے ساتھ اس کی ملاقات کرا دیں۔ مگر پھر خوف ہوتا تھا۔ کہ اگر اس تجویز سے پھر اسکا دل خراب ہو جائے۔ اور وہ گمراہ ہو جائے۔ نہیں۔ ضرورت نہیں جس طرح دن گذر رہے ہیں۔ گذرنے دو۔ رفتہ رفتہ خود ہی سب کچھ ہو جائے گا۔ مگر پھر سوچنے لگیں۔ باہر کی کشش میں کوئی دلفریب شئے گرمی سے بچتا با نہ انداز سے بولیں "رہنے کے لئے یہاں کس بات کی کمی ہے کیوں؟ بہو جس کمرے میں سوتی ہے۔ وہ کمرہ تو بہت اچھا ہے میں ابھی سب انتظام کئے دیتی ہوں۔ ٹھہر۔ بہو او بہو۔ سنو تو سہی"

مرگانک دل ہی دل میں بہت محجوب ہوا۔ دیدی کیا سوچتی ہونگی۔ اسے کون جانے؟ وہ چپ چاپ بغیر کچھ کہے سُنے آہستہ آہستہ وہاں سے ہٹ گیا۔ اور کچھ دیر تک چوروں کی طرح پاؤں رکھتا ہوا اسی تجویز شدہ کمرے کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ کمرے میں کڑوے تیل کا چراغ جل رہا تھا۔ کھاٹ پر مسہری لگی ہوئی تھی۔ مسرت سے جھومتا ہوا وہ اُس کمرے میں داخل ہوا دیدی کے چرنوں میں پرنام کرنے کو بار بار اُسکی طبیعت چاہتی تھی۔ یکا یک اس آسانی سے اس مشکل مسئلہ کی عقدہ کشائی ہو جائے گی۔ یہ اُمید بھول کر بھی اُس کے دل میں گھر نہیں کرتی تھی۔ مگر یہ کتنے شرم کی بات ہے۔ وہ کیسے اپنے خیالات کا اظہار کر سکیگا +

یکا یک کھاٹ پر نظر گئی۔ بستر پر کوئی تکیہ لگائے لیٹا ہوا تھا۔ دل ہی دل میں جھنجھلا کر

مُنہ پھیرتے ہی اُس نے دیکھا، سامنے انجا ہے۔ اُس کے ہات میں پانی کا گلاس ہے شاید وہ اِس کمرے میں رکھنے آئی تھی۔ اِس یکایک میل وملاپ سے ممکن ہے۔ دونوں کے سینہ میں زور شور سے خون کا دورہ ہونے لگا ہوگا۔

انجا گلاس دروازہ کے سامنے زمین پر رکھ کر فوراً واپس ہو رہی تھی کہ اتنے میں طرف سے دانت دبا کر تیز آواز سے مرگانک نے کہا "سنتی جاؤ۔"

اِس کے بعد غصہ کو دبا کر ہنستے ہوئے وہ پاس آکر بولا "بھوت دیکھ رہی ہو کیا؟ واہ۔ بھاگتی کیوں ہو، آؤ نہ کچھ گپ شپ کریں۔"

انجا سہمی ہوئی اُس کے مُنہ کی طرف دیکھنے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر مرگانک کو اپنی طرف تاکتے دیکھ کر اُس کی آنکھیں خود بخود جھک گئیں۔ اپنی شوخی کو دبا کر آہستہ سے بولی "ابھی میرے مرنے کا وقت ابھی نہیں آیا۔ چاروں طرف کتنے ہی کام باقی ہیں۔ جاتی ہوں۔"

"بڑے کام ہیں خاک کام ہے۔ یہ نہیں ہوگا۔ بھاگ بھاگ کر خوب گھومتی پھرتی ہو۔ میں وہ تمام چالاکیاں جانتا ہوں۔ تم میرے اُوپر ناراض ہو؟"

"نہیں" کہکر جوں ہی جانے کے لئے آگے بڑھی۔ توں ہی اُسکے شوہر نے اُسکا ہات پکڑ لیا۔

"انجا! کیا تم نہیں سمجھتیں؟"

انجا نے ہات چھڑا کر کہا "اب یہ کیا؟ میں یہ سب نہیں پسند کرتی۔"

مرگانک موہن کا چہرہ سُرخ ہوگیا اور کسی تذبذب کے آثار بھی نظر آئے۔ کسی طرح اور دو قدم پاس آکر بولا "میں تمہارے روبرو نہایت قصوروار ہوں۔ کیا تم مجھے معاف نہیں کروگی؟ دیکھو تمہارے ہی لئے میں پھر از سرِ نو انسان بنا ہوں۔"

انجا کی تحمل پذیر نگاہوں میں زبردست مسرت کی جھلک دکھائی دی۔ وہ اسی وقت جی بھر کر رو لینے کی کوشش کرتی تھی۔ اور شوہر کے چرنوں میں اپنا سر رکھ کر کہنے کی خواہش کرتی تھی "دو دن کے ایسے نصیب کیا کبھی میرے ہو سکتے ہیں؟"

مگر نہیں۔ بے چینی سے کام لینا مناسب نہیں۔ شیر کو کٹہرے میں لانے کے لئے زبردست پھندا بھی چاہئے۔ اگر فی الحقیقت اُسکے دل میں بھی جذبات پیدا ہوئے ہیں تو ایک دو دن

اضبر سے کام لینا چاہیئے۔ اور اگر یہ نہ ہو۔ تو اس نشہ کو دور کردینا ہی مناسب ہے۔ تنے دنوں تک بھی تو اس نے برداشت سے کام لیا۔ ایک دن کے لئے اگر شاہی عیش آرام نصیب ہوا اور اسکے بعد پھر مفلسوں کی سی زندگی بسر کرنی پڑی۔ تو وہ اور بھی قابل برداشت ہوگا۔ نہیں۔ اسکی ضرورت نہیں ۰

اس نے پُراستقلال لہجہ میں کہا: "میں تمہارے روبرو بہت شرمسار ہوں۔ یہ تم جانتے ہی ہو میرے باپ کا تم نے بہت اُپکار کیا ہے۔ مجھے بھی کھانے پینے کو دے رہے ہو میرے دل میں تمہارے برخلاف ذرا بھی غم و غصہ نہیں۔ تم اب میری دوستی پسند نہیں کرتے۔ کہہ چکے ہو۔ اسی لئے آجکل ملنے ملانے سے گریز کرتی ہوں اگر پسند کرو۔ تو میں"

غصہ سے جل کر مرگانک نے کہا: "نہیں۔ میں تمہاری دوستی پسند نہیں کرتا۔ تمہاری خوشی ہو۔ تم غصہ کرو۔ خوشی ہو۔ نہ کرو۔ میں نے تمہیں کبھی منع نہیں کیا۔ اگر نہیں طبیعت چاہتی۔ تو میں ملنے ملانے کے لئے تمہیں مجبور بھی نہیں کرتا۔ میں کسی طرح اپنے دن کاٹتا ہی رہونگا۔ جاؤ۔ تم جاؤ۔ ابھی جاؤ۔ اس سے میرا کچھ بنتا بگڑتا نہیں ۰

اسجا بغیر کچھ کہے سُنے چپ چاپ چلی گئی۔ مرگانک نے فوراً اسکے پیچھے پیچھے باہر آکر پکارا۔ "سنو سنو۔ آؤ۔ سنتی جاؤ۔ جانا نہیں۔ مگر برآمدہ کی تاریکی میں نہ معلوم وہ کہاں اُسی اندھیرے میں مل گئی۔ پھر ہر چند تلاش کرنے پر بھی نظر نہ آئی ۰

اُس دن اسجا کا وہ سلوک مرگانک کو بہت ناگوار خاطر معلوم ہوا۔ کیا اسی وجہ سے وہ قصور وار ہے؟ کئی دنوں تک اُس کے دل میں اِس بات کا اطمینان رہا۔ وہ بھی اُس کے ساتھ نہیں ملا۔ ایکبار دل میں خیال آیا۔ دور کرو۔ اسکی سزا تو میرے ہاتھ ہے۔ زہرہ کتنی حسین ہے۔ اسکا گانا کتنا اچھا ہے مگر دوستوں کا مجمع پھر جب اسکے سامنے اپنی محبت اور دلفریبیوں کا جال پھیلا کر زور دیکر اُسے دام میں پھنسانے کے لئے آیا۔ اُس وقت اُسنے اپنی تمام طاقت خرچ کرکے اُسی پسینہ سے تر بتر بالوں کے گھنے سایہ میں نہایت ہی آسانی سے اپنے آپ کو کسی طرح روکا۔ زہرہ کا وہ ہیرے اور جواہرات سے لدا ہوا جسم اور نزاکت و ملاحت تمام کی تمام پھیکی اور بے رس نظر آنے لگی ۰

مگر وقت کسی طرح کاٹے نہیں کٹتا تھا۔ وہ دلکشی و دِلآویزیوں کے سامان سے مُرصّع رات بغیر کسی سوال وجواب کے کاٹنی پڑی۔ دوپہر کے پُرسکون سناٹے اور شام کی چہل پہل غم اندوز معلوم ہونے لگی۔ دنیا میں جیسے اُسکے لئے کہیں دلفریبی کا کوئی سامان ہی نہیں رہا۔ ایک دن اُسنے ایک ضخیم مگر پُرانا رجسٹر کھولکر "عہد گذشتہ" کے عنوان سے ایک نظم لکھی۔ اِسکے بعد "دیہقانی نوجوان" نامی اُس کا ایک مضمون کسی ماہواری رسالہ میں شائع ہُوا۔ چند نکتہ رس انشاپردازوں نے اُس پر نہایت فاضلانہ تنقید کی۔ یہ تنقیدیں اُسکی نظروں سے بھی گذریں۔ اور اُسے بے انتہا مسرت ہوئی۔ ایک رسالہ کے ایڈیٹر صاحب نے اُنہیں مصوّرِ فطرت کے القاب سے ملقب کیا۔ اور نہایت عاجزی وانکساری سے اُن کے دیگر مضامین طلب کئے۔ ایک دن تھا جب وہ اپنی تعریف سُنکر بہت محظوظ ہوا تھا۔ مگر آج یہ سب اُسے اچھا معلوم نہ ہوتا تھا۔ بازیچۂ اطفال سے زیادہ وقعت نہ ٹھہری۔ جسکے لئے یہ تمام پرپنچ رچا گیا۔ اگر اُسکے ساتھ ملکر زندگی کی بہار نہ لوٹی گئی۔ تو اِن تمام کارگذاریوں پر لعنت! اور اس پر ہزار ہزار حیف! پہلے اُسے پیار کروں بعد ازاں پھر اور کسی بات کی اُمید کروں۔

مِرگانک جس جوش وخروش سے دائرۂ مُصدّقہ سے اُترا تھا۔ اُسی سرگرمی سے اُسنے پڑھنا شروع کیا۔ اندر سے باہر تک جیسے ایک نئی لہر دوڑ گئی۔۔ اور یہی وہ چاہتا بھی تھا۔ اُسنے سوچا تھا۔ کہ پُرانی یاد کا کوئی نشان باقی نہ رکھونگا۔ کمرے میں موہنی نامی ایک نوخیز نازنین کی نہایت خوبصورت روغنی تصویر آویزاں تھی غصّہ میں آکر اُس نے اُس تصویر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ اُن ٹکڑوں کو بھی وہ نظر کے سامنے نہ رکھ سکا۔ فوراً تالاب میں پھینکدیئے۔ الماری کھول کر کانچ کے کئی برتن توڑ پھوڑ ڈالے۔ نوکروں کو بغیر انعام دیئے ہی رُخصت کر دیا۔ بعد میں ایک دن دیکھا گیا۔ کہ اندر محل میں راج مزدور کام کر رہے ہیں۔ ایک دن کسی ضرورت سے انجا اُس کمرے میں داخل ہوئی۔ اُسوقت مِرگانک موہن وہاں موجود نہیں تھا۔ انجا کمرے کی آرائش دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ بہت دیر تک وہاں ٹھہرنے کا اُسے حوصلہ بھی نہ ہُوا۔ ممکن ہے۔ کہ مِرگانک آجائے اور وہ دل ہی دل میں ہنسے

میں غریب لڑکی ہوں ہے ـــــ کبھی کچھ دیکھا نہیں۔ اسی وجہ سے جی بھر کے یہ سب دیکھ رہی ہے۔ وہ چلی جا رہی تھی۔ یکایک تکیہ کے نیچے کسی حصّہ کے ایک کونے کو دیکھ کر اسکے دِل میں ایک ہلچل مچ گئی۔ اس ہلچل میں جوش و خروش بھی نہاں تھا۔ یہاں کیا ہے۔ یہ کہکر اس نے ایک چھوٹا سا بکس نکالا۔ اس میں ایک ہک لگا ہوا تھا۔ اس بکس سے یکایک ایک نہایت ہی قیمتی جڑاؤ ہار جگمگا اٹھا۔ اسکے نیچے سنہری حروفوں میں لکھا ہوا تھا۔ "شری متی ابجا سندری"

جیسے چور جس وقت چوری کرنے جاتا ہے اور ذراسی آواز سے ٹھٹک جاتا ہے اسی طرح اس بکس کو بند کر کے وہ فوراً کمرے سے باہر ہو گئی۔ امید خوشی اور شرم سے اسکا کلیجہ پھٹنے لگا۔ اس زیور کی طرف اسنے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ مگر یہ جو سنہری حروفوں میں کچھ لکھا ہوا تھا اسکی قیمت جیسے بیات راجاؤں کے مال و دولت کی مانند بیشمار ہے۔ وہی تمام حروف جیسے اسکے دل میں منقش ہو گئے۔ اسنے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا "بھگوان۔ مجھ کی دکھنی ابجا کی قسمت میں کیا اتنا سکھ لکھا تھا۔ مجھے اس کا یقین نہیں آتا کہ یہ سب میرے ہی لئے ہے"

ستائیسواں باب

رمابلبھ اگرچہ زندہ تھے مگر وہ مُردہ سے بھی بدتر تھے۔ عالم شباب سے وہ حسن محبت کی مندا کنی کی طراوت بیز دھار سے شاد کام ہوتے ہوئے آب تک خوشی خوشی زندگی بسر کرتے آ رہے تھے۔ وہ دھار یکایک ریت کے ڈھیر میں ملکر نظروں سے اوجھل ہو گئی ہے اور اپنے ساتھ ساتھ اسکا سوتا بھی بند کر گئی۔ رمابلبھ مایوسانہ نگاہوں سے اطراف و جوانب میں نظر پھیلاتے ہوئے زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے تھے۔ کتنی ہی پرانی باتوں کی یاد سے آنکھوں میں آنسو بھر بھر آتے تھے۔ اور کتنی ہی عیش و مسرت کی راتیں یاد آ آ کر دل میں بےچینیوں کی ترنگیں موج زن کر دیتی تھیں۔

رمابلبھ کے کتنے ہی سال عیش و طرب میں گذرے تھے۔ اب یہ وہ زمانہ تھا جب

سیاہ بالوں میں سفیدی کی جھلک نمایاں ہو رہی تھی۔ وہ سوچنے لگے۔ میرا بھی اب آخری وقت آ گیا۔ مگر یہ جو باقی ہے۔ اسکے دن کیونکر کٹینگے؟ سوائے ماں کے اور یہ کسی سے مانوس تھی۔ عزیز و اقارب کی طرف بھول کر نظر نہیں ڈالی جس ماں کی خدمت و محبت کا دم وہ آج تک بھرتی رہی ہے۔ آج وہ ماں کہاں ہے؟

لوگوں نے اُن کے دُکھ پر بڑے دُکھ کا اظہار کیا۔ گھر میں۔ دالان میں۔ درخت کے نیچے غرض جابجا لوگ اسی چرچے میں مشغول نظر آتے تھے۔ کوئی برداشت نہ کر سکنے پر زمیندار مہاشے کے رُوبرو ہی دُکھ کا اظہار کر کے کہتا ہے ایسا گرانبہا رتن ایک نا قدردان شخص کے ہات پڑا۔ آنکھیں اُٹھا کر بھی اُس نے ایکبار اِس سونے کی پُتلی کی طرف نہیں دیکھا شباب کی شعلہ زن آگ میں یہ جلتی ہوئی لڑکی! ماں نہیں! باپ نہیں!! اس کی نگرانی کون کرے؟

غرور سے غصہ سے اور خودنمائی سے بانی کے دل کا بند سوتا آنکھوں کے راستہ سے پھوٹ نکلا۔ اُس نے جو زہر کا پیالہ دُوسروں کے لئے بھر کر رکھا تھا۔ اِس وقت وہ خود اسی کو پینا پڑیگا۔ اسکے سوا اور کوئی تدبیر بھی تو نہیں تھی۔

کرشن پریا کے آخری اصرار نے رما بلبھ کو بھی کسی قدر پریشان کر دیا تھا۔ کیا اِس وقت اُنکے عضو عضو میں ہلچل نہیں مچی ہوئی تھی؟ مگر اُنہوں نے لڑکی کی محبت اور دولت و ثروت کے بیجا غرور میں پڑ کر عقل و حواس کو جواب دے دیا تھا۔ جو کچھ وہ کر چکے تھے شرم کی وجہ سے اب اُس پر حاشیہ آرائی نہیں کر سکتے تھے۔ پھر وہ کس مُنہ سے کہتے۔ کہ اننبر ناتھ ودم تم سے مَیں نے جو عہد کرایا تھا۔ اب اُسے بھول جاؤ۔ مہربانی کر کے اب تم میری لڑکی کو قبول کرو۔"

کاش! وہ یہ بات کہہ سکتے۔ تو سب ٹھیک ہو جاتا۔ مگر اِس کا زبان سے نکالنا ہی اُن کے لئے بہت مشکل تھا۔

تاہم سادھوی استری کے اصرار کے بموجب اُنہوں نے اننبر ناتھ کو بلانے کا پُورا پُورا ارادہ کر لیا۔ طرح طرح سے دل کو سمجھا کر بالآخر اُنہوں نے اننبر ناتھ کو ایک خط لکھا۔

"کاش! اِس وقت تم سے آکر مل جاؤ۔ تو میرے دل بیقرار کو بہت کچھ طمانیت حاصل ہوگی تمہاری مرحومہ ساس کی بھی یہی خواہش تھی۔ اور مرتے وقت انہوں نے مجھے اسی بات کے لئے مجبور کیا تھا۔ آپ تم جسقدر جلد ممکن ہو واپس آجاؤ"

کئی دنوں بعد جواب آیا۔ ماں کی محبت سے میں ہمیشہ ہی محروم رہا۔ خوش نصیبی سے ایسا موقع ملا بھی۔ مگر فلکِ ناہنجار سے یہ بھی نہ دیکھا گیا۔ ان کی جدائی کو اس وقت میں نہایت بیقراری اور بےچینی سے محسوس کر رہا ہوں۔ مگر سون پور کے پاٹ شالا کا امتحان شروع ہے اسی وجہ سے اِس وقت حاضر نہیں ہو سکتا۔ معاف فرمائیگا۔ ایشور آپ کو شانتی عطا کرے آپ کے چرنوں میں میرا کوٹ کوٹ پرنام قبول ہو"

یہ خط باپ کی میز پر دیکھکر بانی جلدی سے چرا کر علیحدہ لے آئی۔ ماں کا آخری حکم اُس کے دل میں آگ میں تپی ہوئی سلاخ کی طرح چبھ رہا تھا۔ بیٹی ہو کر اُس نے ماں کیلئے کب کیا کیا ہے؟ یہ جو بستر موت پر دراز ہو کر اس جنم کے لئے یہ حکم دے گئی ہیں کیا وہ اسکی بھی تعمیل نہیں کر سکیگی؟ مگر اِس وقت بھی دل میں شک وشبہات کا ایک ہجوم سا تھا۔ دیوتا کے چرنوں میں اپنے آپ کو ارپن کرکے وہ پھر کیونکر کسی اور کے حوالہ کر سکیگی؟ دان دی ہوئی چیز کو لینا مہا پاپ ہے۔ اسکے علاوہ اُس نے جو قسم رکھائی تھی۔ کیا اُس قسم کو انبر ناتھ توڑ کر کبھی اُسے قبول کر سکیگا؟ یہ کیونکر ممکن ہے۔ اگر کسی طرح ایسا ہوا بھی تو اُسکے اس قصور کو کیا وہ خود کسی طرح معاف کر سکیگی؟

نہیں۔ اُس کی یہ کمزوری بھی آج بانی کے لئے ناقابل برداشت ہو گئی۔ اُس نے جس انبر ناتھ کی تقدیس وعظمت سے اپنے آپ کو دل ہی دل میں خوش نصیب سمجھا تھا عہد شکن کو پھر وہ کیسے اتنی بڑی شردھا کا دان کر سکیگی؟

خط پڑھنے سے ایک طرف تو اُسے بیحد مسرت ہوئی۔ اور دوسری طرف نااُمیدی کے خیالات سے اُسکا دل بھرپور ہو اُٹھا۔ وہ نہیں آئینگے۔ اپنے عہد پر وہ ضرور قائم رہینگے۔ بانی کے چہرے پر اُس تکبر آمیز ہنسی نے مل ملا کر ایک دردمند نظارہ دکھایا۔ اُس وقت اُس دردآلود چہرے پر کسی ایک اور ہی شخصیت کا جلوہ نظر آیا۔ رنا بلیچہ اُس نگہ

کو دیکھ کر مطمئن نہ ہوئے بلکہ انکی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں۔ شاید بانی انکی یہ حالت دیکھکر اور بھی دُکھ کا احساس کرے۔ اس خیال سے وہ منہ لپیٹ کر پڑ رہے۔ دل ہی دل میں مخاطب کر کے بولے "کرشنا! تم تو چلی گئیں میں اس لڑکی کی طرف کیونکر آنکھ اُٹھا کر دیکھوں۔ بیٹی جو پاپ کیا ہے۔ اسکا پرائشچت کرنا ہوگا۔ تم نہیں ہو۔ آج میری کون مدد کریگا۔ بتادو"

انبر کا خط بانی نے اپنے پاس ہی رکھ لیا۔ اُس خط کے ایک ایک لفظ کو جیسے اُسنے اپنے صفحۂ دل پر منقش کر لیا تھا۔ موقعہ پا کر اُس نے وہ خط نکالا۔ اور پڑھنے بیٹھی۔ کتنے خوش نما الفاظ ہیں۔ جیسے موتیوں کی لڑی۔ ایک ایک سطر خوبصورت تصاویر کی طرح دلکش و دلفریب ہے۔ لفافہ پر انگریزی میں جو پتہ لکھا ہوا ہے۔ وہ بھی کتنا اچھا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ انگریزی نہیں جانتا۔ وہ ٹکٹکی لگا کر بہت دیر تک اُس خط کی طرف دیکھتی رہی۔ دیکھتے دیکھتے آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہوگیا ماں کی وفات سے پیشتر اُسکی آنکھوں سے کبھی آنسو نہیں گرے تھے۔ مگر آج کل ذرا ذرا سی بات پر رو پڑتی تھی۔ سچ ہے جب دل کو ٹھیس لگتی ہے۔ تو ذرا سی ہی بات پر آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔

یکایک ایک دن خشک مُنہ بنا کر بانی نے مایوسانہ انداز سے کہا "بابوجی چلو ہم لوگ کہیں چلیں"

بانی کی اس بات سے باپ کے دل پر کسی قدر چوٹ لگی۔ دل جس وقت بہت بے چین ہوجاتا ہے۔ اور حالت دگرگوں ہو۔ اُس وقت انسان کا دل اسی طرح بے چین ہوجاتا ہے۔ جانے کی ضرورت نہ ہوتے ہوئے اور جائے قیام نہ ہونے پر بھی دل میں یہی آتا ہے کہ کہیں جائیں۔

ایک گہرا سانس لیکر باپ نے کہا "بتاؤ بیٹی کہاں چلوگی"

"کہاں! کیا جانوں بابوجی کہاں! چلو جہاں کہیں ٹھکانا ملے"

اسکے بعد کچھ دیر تک خاموش رہ کر اُس نے پھر کہا "بابوجی چندرناتھ چلو گے

ماں گئیں تھیں۔ ہم لوگ نہیں جا سکے۔"

"اچھا!"

رما بیٹھ دل ہی دل میں سوچنے لگے جب بیٹے بڑی بڑی بات میں تمہارا کتنا مانا ہے۔ تو کیا تمہاری یہ معمولی خواہش نہ پوری کر سکونگا۔ تمہارے سکھ سے ہی مجھے سکھ ہے۔ اس دنیا میں میرا اور کون ہے"

رواگی سے پیشتر ہی بانی نے آدیا ناتھ کو بلا کر پوجا وغیرہ کا تمام بار اسے سونپا۔ متحیر ہو کر آدیا ناتھ نے پوچھا "مندر کو چھوڑ کر رہ سکو گی؟"

بانی نے مضحکہ خیز ہنسی ہنس کر کہا "اگر رکھیئے۔ تو کیوں نہ رہ سکونگی؟"

پروہت نے دبی ہوئی ہنسی ہنسکر کہا: معلوم ہوتا ہے مایا نے اپنا جال پھیلایا ہے۔ سسرال جانے کے ابتدائی آثار ہیں؟

روانگی کے وقت پرنام کر کے اٹھنے کے بعد ہی بانی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ بھگوان! تم سے کبھی ایک لحظہ کے لئے بھی جدا نہیں ہوئی۔ آج دل میں جیسے ایک زبردست آگ سی جل رہی ہے۔ دل کو شانتی ملے۔ اور صاف شفاف دل لیکر پھر تمہارے چرنوں میں واپس آؤں۔ کچھ دیر تک آنسو بہاتی ہوئی بانی اسی مورتی کی طرف غور سے دیکھتی رہی اور بار بار یہی دعا مانگتی رہی۔ بھگوان! مجھے صرف تھوڑا سا بل دو۔ میری اس خواہش میں کیا کچھ پاپ ہے۔ ہائے بھگوان! آج کسی طرح اس معمہ کا انکشاف کر دو — میں انہیں اپنا شوہر کہہ کر پکارنے کا استحقاق رکھتی ہوں یا نہیں اور بتا دو۔ اے جگت کے سوامی! انہیں پا کر بھی آج انسانی شوہر کیلئے میرے دل میں اسقدر اضطراب اور بے چینی کیوں ہے مجھے یہی بتا دو — کس پاپ سے آج میری ایسی حالت ہوئی ہے"

پھر زمین پر سر بسجود ہو کر اسنے پرنام کیا۔ آنکھوں سے جوش و خروش کیساتھ آنسوؤں کا تار بندھا ہوا تھا۔ جیسے جھک کر کسی نے اسکے کانوں میں کہہ دیا۔ عورت کیلئے شوہر کے سوا اور کہیں سکھ نہیں ہے۔ کوئی اور خواہش نہیں صرف یہی کیوں! دنیا میں اس سے بہتر و برتر اور کوئی دیوتا نہیں" وہ کسی قدر چونک اٹھی۔ یہ کیا ماں کی باتیں ہیں — نہیں

دیوتا کا حکم ہے۔ مگر میری ماں تو اس وقت دیوتا لکھ ہی دربار میں گئی ہے۔ اگر یہ ماں کی بات بھی ہو تو پھر بھی وہ دیوتا کا حکم ہے۔

اٹھائیسواں باب

چندرناتھ جاتے ہوئے راستہ میں ہی بانی کا دل یکا یک بدل گیا۔ اس نے کہا مہاں اشٹمی قریب ہے۔ کالی گھاٹ میں کالی مائی کا درشن کر آئیں۔ چندرناتھ کا ارادہ اس وقت ملتوی کرنا چاہئے۔ رما بلبھ نے کسی قدر متحیر ہو کر بیٹی کے چہرے پر نظر ڈالی۔ کچھ بھی نہیں کہا۔ مگر دل ہی دل میں سوچنے لگے۔ یہ کیسی تبدیلی ہے۔ کالی مائی کے چرنوں میں یکایک اسے کیونکر شردھا پیدا ہوئی۔

نہا دھو کر وکا دونوں کا قلع قمع کر کے تھوڑے سے فاصلے میں جو کبھی نہ ختم ہونیوالی دل کی دھار شوہر کے چرنوں میں ہمیشہ سے بہہ رہی تھی۔ اسی مقدس گو صاف شفاف گنگا کے آب صفا میں نہانے سے بانی کے دل کا تمام غبار تھوڑی دیر کے لئے دھل گیا۔ اس نے دل ہی دل میں کہا۔ تمام آلائشات دور کرنیوالی ماتا گنگا! اس پاپ سے بھری ہوئی لڑکی کے دل کی تمام آلائش جیسے ایک بار ہی دھل جائے۔ دیکھنا خیال رکھنا وشوناتھ دِشو سے وابستہ ہیں۔ حقیر انسانی زندگی میں انکی مورتی۔ باپ۔ ماں شوہر دوست غرض سینکڑوں صورتوں میں جلوہ پذیر ہے۔ ایک سادھو نے رما بلبھ کے ساتھ مختلف مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے جب یہ بات کہی۔ اس وقت بانی کے جلے ہوئے دل میں جیسے ٹھنڈک پڑ گئی۔ سادھو نے کہا۔ دنیا میں اس تعلق کو جسقدر وسعت دی جائے۔ دل بھی اسی قدر اپنا پھیلاؤ پھیلاتا ہے چھوٹے بچے کی پرورش و پرداخت میں اہنکار کا ناش ہوتا ہے۔ دروازہ بند کر کے دشمن سے گلو خلاصی اچھی ہے۔ یا اسکے ساتھ میل و ملاپ سے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ بے تعلقی سے انسان کو کائنات کا علم ہوتا ہے۔ بات تو ٹھیک ہے۔ مگر اصلی بے تعلقی وہی ہے جس کے عضو عضو میں پریم رس سرایت کر گیا ہو۔ اور یہ تمام پھیلاوا محبت کا ہے۔"

کسی نہ کسی طرح باپ کی نظر بچا کر بانی نے نکلیشور کے مندر کے پاس بڑ کے درخت کے نیچے اُس جتی سے سوال کیا "اگر کوئی شے دیوتا کے چرنوں میں اَرپن کردی گئی ہے تو کیا وہی شے پھر انسان کو پیش کیجا سکتی ہے؟"

جواب ملا۔ دیوتا کے پرساد کا انسان ہی عموماً مستحق قرار دیا گیا ہے۔ صرف انسانی خدمات ہی دیوتا قبول کرتے ہیں۔ وہ انسان کے ذریعہ سے ہی بھوگ قبول کرتے ہیں۔ خود تو نہیں۔ اُس کے جسم کو لیکر وہ کیا کرینگے؟

بانی نے نہایت عقیدت سے اُن کے چرنوں کی دُھول اپنے سر پر چڑھائی۔ بیرونی طور پر نہ سہی۔ مگر اندرونی طور پر تو وہ اُنہیں اپنا شوہر سمجھ کر تصور کر سکیگی۔ یہی بات ہے۔

مہا اشٹمی کے دِن کالی مندر میں لوگوں کا ایک زبردست مجمع تھا۔ مگر خواہ کتنی ہی بھیڑ ہو۔ مگر جس کو دولت کا غرہ ہے۔ اُس کے لئے راہ نجات کا دروازہ چھوڑ کر باقی کے تمام دروازے کھلے ہیں۔ اُس نے صدق دل سے ماتا کے چرنوں میں رکت جوا کے پھول انجلی بھر کر چڑھائے ۔ واپس آتے ہوئے رما بلبھ نے کہا: "جب باہر نکلے ہیں تو پھر اور گھومنا پھرنا چاہئے۔ گھر کی نسبت سفر میں بہت کچھ شانتی ملی ہے۔ بانی بھی دِل میں یہی سوچتی تھی۔ اُس نے لجاجت آمیز لہجہ میں پوچھا۔ باپو جی! کہاں جاؤگے؟

"پچھم" ۔ کہکر رما بلبھ نے لڑکی کی طرف دیکھا۔

دم کے دم میں بانی کا تمام جوش وخروش سرد پڑ گیا۔ لاتعداد گاڑیوں میں سوار آدمیوں کے مجمع میں اُس نے مایوسانہ نگاہیں ڈالیں۔ آہستہ سے کہا "پچھم!" مشکوک نگاہوں سے رما بلبھ نے دیکھکر کہا: "جانے دو۔ پچھم میں اسوقت سخت سردی پڑ رہی ہے۔ کاتک کا مہینہ تقریباً نصف گذر چکا ہے۔ رفتہ رفتہ سردی اور بھی پڑیگی۔ جگن ناتھ نہ سہی۔ تو گمکھیا کے درشن کرینگے!

بانی چونک اُٹھی۔ جگن ناتھ! وہاں ہی چلو۔

میں کہتا ہوں۔ پہلے گمکھیا کے درشن کرو۔ اسکے بعد پھر جگن ناتھ چلینگے۔ تم کیا کہتی "گمکھیا۔ نہیں۔ وہ تو بڑا خراب راستہ ہے اور جگہ بھی کچھ اچھی نہیں ہے ۔ بانی

دل اندر ہی اندر دھڑکنے لگا۔

"اچھی نہیں ہے یہ تو ٹھیک ہے۔"

غصہ سے بانی کا تمام جسم گرم ہو اٹھا۔ اپنے اوپر غصہ آیا۔ باپ کے اوپر بھی طیش آیا۔

نہ معلوم کیا سوچکر کچھ دیر بعد رما بلبھ نے یکایک کہا۔ "کمکھیا کے درشن کرنا ایک بار تو بہت ضروری ہے اتنا مقدس تیرتھ۔ چلو جسطرح بھی ہو چلنا ہی چاہئے۔"

بانی نے اپنے آپ پر بھروسہ کر کے کوئی جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔

دھوگڑی سے جہاز پر سوار ہوئے۔ درجہ اول میں جگہ تجویز کی گئی۔ رما بلبھ تختے کے اوپر ایک کرسی ڈالکر بیٹھ گئے۔ بانی اپنے کمرے میں ایک چھوٹے سے لکڑی کے تختے پر بیٹھکر کھڑکی کے راستہ باہر کا نظارہ دیکھنے لگی۔

تیسرے پہر کا وقت تھا۔ برہم پتر نے آسمان کا نیلگوں رنگ اپنے سینہ میں منعکس کر کے نیلے کنول کی مورتی دھارن کر لی تھی۔ دور دور یہ سر بفلک نیلگوں پہاڑ تھے۔ اُن پر چھوٹے بڑے درخت اور بیلیں جہاں تہاں پھیلی ہوئیں۔ سب جیسے مصور کی بنائی ہوئی تصویر کیطرح اُسی رنگ میں رنگ کر نیلگوں دکھائی دے رہی تھیں۔ خشکی تری غرض ہر جگہ نیلگوں چادر سی بچھی ہوئی نظر آتی تھی۔ بانی پُرشوق نگاہوں سے اُس گوناگوں رنگ آمیزیوں سے بھرپور نظارے کا لطف اُٹھا رہی تھی۔

کامروپ میں کمکھیا دیوی کا درشن کر کے رما بلبھ نے یکایک شیلانگ جانے کی تجویز پیش کی۔ بانی نے نگاہیں نیچی کر لیں۔ ہاں نہیں کچھ جواب نہیں دیا۔

اگرچہ دونوں میں سے کسی نے کوئی بات نہیں کی۔ تاہم دونوں کے دل میں جو آرزو پوشیدہ تھی ایک دوسرے سے نا واقف نہیں تھے۔

قدرت کی یہ دلاویزیاں اور دلفریبیاں جو عوام کے دلوں کو بیساختہ اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں۔ آج بانی کے مضطرب اور پریشان دل کو ذرا بھی اپنی طرف نہ کھینچ سکیں۔ اُسکے حیرت و استعجاب کی انتہا نہیں تھی۔ دور راستے میں کہیں دھان کے ہرے ہرے لہراتے کھیتوں میں چھوٹی چھوٹی چڑیاں پھدکتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ کہیں کنول کے پھولوں پر بھونرے گونجتے ہوئے نظر

آرہے تھے۔ اور کہیں آسمان سے بات کرنیوالے سر بفلک نیلگوں پہاڑوں کی قطاریں پانی میں ڈوبی ہوئی ناظرین کا دل بے ساختہ اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔

شیلانگ میں وہ لوگ ایک روز ٹھہرے۔ اسکے بعد ڈاک گاڑی میں سوار ہوئے۔ کہاں جارہے ہیں سا س باپ میں باپ بیٹی دونوں کے درمیان کچھ سوال جواب نہ ہوئے۔ رفتہ رفتہ گاڑی سترما پہنچی۔ سیکنڈ کلاس میں بیٹھی ہوئی بانی نے کھڑکی سے سر نکال کر مایوسانہ نگاہوں سے باہر نظر ڈالی۔ جیسے اُسنے کہیں کسی انجان راستہ میں عرصۂ دراز کیلئے بغیر سوچے سمجھے سفر شروع کیا ہے۔ اس راستہ کا اختتام نہیں۔ حد نہیں۔۔ اس حد کی جیسے کوئی ضرورت بھی نہیں تھی۔

ایک دن علے الصباح گاڑی ٹھہرنے پر خوابیدہ بانی کے کانوں میں گرم چائے۔ پان۔ سگرٹ کی آواز آئی۔ لیکایک رما بلبھ کے منہ سے نکل گیا ہاں جی تم آگئے! آؤ آؤ۔ اچھے تو ہو؟ "جی ہاں! اچھا ہی ہوں"

"نہیں نہیں۔ آثار تو اچھے نظر نہیں آتے بہت کمزور معلوم ہوتے ہو۔ چہرے کی رنگت بالکل ہی بگڑ گئی ہے۔ تلی بڑھی۔ او رام سنگھ۔ او بنارے تواری۔۔ سب اسباب اُتارلے یہیں اُترنا ہوگا"

بانی کے سینہ میں خون کی لہریں موجزن ہونے لگیں۔ وہ آنکھیں بند کئے ہوئے جیسی تھی اُسی طرح پڑی رہی۔ خوف معلوم ہونے لگا۔ اگر نگاہیں چار ہوئیں۔ تو شاید آنسو نہ رُک سکیں۔ یکایک اُسنے سُنا "یہیں اُترنا ہوگا" یہ تو بہت خراب جگہ ہے۔ کھانے پینے کی چیز بھی یہاں کچھ نہیں ملتی۔ اسکے علاوہ آجکل یہاں مُہلک بخار کا زور ہے۔ لوگ تو بھاگے جارہے ہیں۔ اُترنے کی ضرورت نہیں۔

"ہاں۔ پھر تم یہاں کیوں رہتے ہو۔ آؤ آؤ۔ اتنبر جلدی اُٹھو۔ رام سنگھ۔ رام سنگھ یہاں کیمپ جلدی سے ٹکٹ خرید لا۔۔ کہاں کا یہ اُسوقت بھی نہیں سوچا۔ جہاں کا تیرا جی چاہے لے گاڑی۔ یہ دیکھو۔ یہ ٹھیک ہے بیٹھ۔ پھر چلے جاؤ گے کھڑے کیوں ہو؟

بس تب تک۔۔۔ گاڑی چل دیتی۔ رما بلبھ نے اندر سے دروازہ کھولا۔ اور جھک کر ہاتھ پکڑا۔ آؤ آؤ۔ ورنہ ہمیں بھی اترنا پڑیگا۔

بدحواس انبر سب کچھ اچھی طرح ذہن نشین کرنے سے پیشتر ہی رما بلبھ کا ہاتھ پکڑ کر ... کے اندر بیٹھ گیا۔ گاڑی نے سیٹی بجائی اور چل دی ۔

باقی نے ابتک بھی آنکھیں کھولکر اپنی بیداری کا ثبوت نہیں دیا۔ انبر اندر رواں ... ہی جیسے بحس وحرکت ہوگیا۔ سکھ یا دُکھ۔ شرم یا بھمان یا روحانی اتصال سے اُ... حالت ہوئی۔ باوجود کوشش کے بھی اُسے کچھ نہ معلوم ہو سکا۔ وہ صرف پڑا رہا۔ ... تک کی بھی اُس میں طاقت نہ رہی ۔

گاڑی تیزی سے جا رہی تھی۔ اور رما بلبھ کی آواز کانوں کے پردوں کو چیرتی ہوئی پہنچ رہی تھی۔ مگر جو الفاظ سُننے کیلئے اُسکے تمام حواسوں کی طاقت قوتِ سامعہ کے زیر ... رہی تھی۔ کیا یہ وہی لہجہ تھا؟

رما بلبھ بخار کا نام سُنکر بیقراری سے جلد تر اِس مقام کو چھوڑنے کی کوشش کر رہے ... اور اِسی وجہ سے انبر ناتھ کو بھی یہاں سے روانہ ہونے کیلئے اصرار کر رہے تھے ۔

سانس روک کر باقی نے جواب سُنا۔ "اِسوقت جانا غیر ممکن ہے۔ اگلے سوموار کو گ... میں پاٹھ شالا کھولی جائیگی۔ میری عدم موجودگی سے نقصان ہوگا۔"

میں تو اِس وقت کسی طرح نہیں جا سکتا۔ یہاں سے تین سٹیشن کے بعد اُتر ...

"نہیں نہیں یہ کیا بات ہے؟ چٹ گرام میں سیتا کنڈھ چندر ناتھ بھی دیکھ ... سوموار تک نہیں۔ تو زیادہ سے زیادہ دس دِن لگ جائینگے۔ اُسے دیکھنے کی بڑی زبر... خواہش ہے ۔

جواب مِلا۔ بہت سے پنڈتوں کو نوید دیا گیا ہے۔ اب تو دِن تبدیل نہیں کیا جا سک... رما بلبھ نے ایک گہرا سانس لیکر کہا۔ "پھر کیا کہوں؟ آج ہی — کیا ابھی نہیں ...

"جی ہاں! وہاں سے ریل گاڑی پر ایک دِن کا راستہ ہے۔ اگر دیر ہوگئی۔ تو وقت ... پہنچ سکونگا۔ جانا ہی ہوگا۔"

پربرتی نامی سٹیشن پر گاڑی ٹھہرتے ہی رما بلبھ نے چینی سے اُتر پڑے۔ بولے ... ذرا ہاتھ مُنہ دھولیں ۔ گاڑی چھوٹنے میں دیر نہیں۔ او بندہ! میرا بیگ لے چل نہ ہوا ...

کمرے میں بیٹھ جاؤنگا۔ اگلے سٹیشن پر پھر مل لونگا"
انبر سامنے کے تختہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ بانی نے اپنا آنچل اچھی طرح ٹھیک کیا۔ کونے میں چابیوں کا گچھا بندھا ہوا تھا۔ وہ جھنجھنا اٹھا۔ مگر انبر بالکل آن من سا ہو رہا تھا۔ تنے پر بھی اسنے بانی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ وہ اس وقت راستہ کی طرف منہ لگائے ہوئے شیل مالا کا عجیب و غریب مایا روپ دیکھنے میں محو تھا۔ بانی کے دل میں ابھمان۔ درد اور ناامیدی نے یکساتھ ہی جیسے ایک زبردست آگ لگا دی۔ ساتھ ساتھ ہی اور دیگر تمام خوابیدہ یادگاریں بھی بیدار ہو اٹھیں غصّہ بھی آیا۔ مگر ہائے اُس پر وہ غصّہ کرے گی؟ سامنے گنگا بہہ رہی ہے۔ اور اُس کا صاف شفاف پانی موجیں مار رہا ہے۔ مگر کوئی تدبیر ایسی نہیں جس سے وہ اس میں غوطہ لگا کر شانتی حاصل کرے۔ اُسے تو سراب کے خیالی نظاروں کو دیکھ کر ہمیشہ تشنہ کامی کے ساتھ زندگی کے دن پورے کرنے پڑینگے۔ تمام عمر روتے روتے گذار دینی ہوگی۔ اُس نے اپنی مرضی سے ہی اس لق و دق میدان میں اپنی جگہ بنائی ہے۔

اور ایک سٹیشن آیا اور چلا گیا۔ رما بابو بھی دکھائی نہیں پڑے اور ایک موقع بھی ہاتھ سے گذر گیا۔ بانی کے دل میں جیسے زور سے کوئی مشین سی چل رہی تھی۔ باپ کا یہ اشارہ وہ بخوبی سمجھ گئی تھی۔ خود نوکروں کی گاڑی میں سوار ہو کر انہوں نے بانی کو جو موقع دیا تھا۔ اگر وہ اس موقع کو بھی کھو دے۔ تو شاید زندگی میں دوسری بار ایسے موقع کے لئے وہ ترس ترس کر رہ جائیگی۔ ماں باپ اولاد کے لئے کتنے ہی دکھ اٹھاتے ہیں۔ یہ خیال دل میں آتے ہی اور ماں کی مہربانیوں و مادرانہ سلوک یاد آتے ہی اُسکی آنکھیں آبگوں ہو گئیں۔ ہائے! اگر آج اُسکی ماں ساتھ ہوتی! یہ کیا ہے۔ وہ یہ کیا سوچ رہی ہے؟ وہ عہد اور وہ قول و قسم کیا وہ بھول گئی؟ یہ جو موجودہ صورت پیش نظر ہے۔ کیا مرنے سے پیشتر اسکا کوئی فیصلہ وہ کر سکیگی؟ انبر ناتھ اپنے عہد کو کیونکر توڑ سکیگا؟ اور اگر وہ ایسا کرے بھی تو کیا کبھی وہ سکھی ہو سکتا ہے؟
تاہم جوں جوں وقت گذر رہا تھا۔ توں توں اُسکے دل میں ایک زبردست ہلچل

ہوتی جا رہی تھی کہ کسی نہ کسی وقت یہ چلتی ہوئی گاڑی ٹھہر جائے گی۔ اور اسکی تمام اُمیدیں ہمیشہ کے لئے کافور ہوجائینگی ۔

گاڑی چلتی رہی کچھ دیر بعد اُسکی رفتار میں کمی آتی گئی۔ رفتہ رفتہ اُسکی چال میں بہت کمی آگئی۔ یکایک انبر ناتھ نے کھڑکی سے منہ پھیر کر کمرے کے اندر نظر ڈالی۔ اُس کے دل میں آیا۔ جیسے نہ معلوم کون ایک صاف سمجھ میں نہ آنیوالی درد مند آواز سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔ اِسی وجہ سے تو ا۔ معلوم ہوتا ہے۔ بانی کی نگاہوں میں مایوسی آمیز سیاہی کی جھلک نمایاں تھی اور اُسمیں جیسے کوئلہ کی چھوٹی سی کنکری پڑ گئی تھی۔ انبر ناتھ نے پاس آکر کہا۔ "آنکھ میں کوئلہ پڑ گیا ہے؟ پانی نہیں ہے؟ ذرا ٹھہرو۔ کھڑی ہوجاؤ۔ میں نکال دیتا ہوں"

انبر ناتھ نے اپنے ہات سے اُسکی آنکھوں پر پانی کے چھینٹے دینے شروع کئے"

اُسوقت بانی کی دونوں آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار زور شور سے بہہ رہی تھی۔ باہر کے پانی کو اِن آنسوؤں نے اپنے آپ میں ملاکر ہمرنگ بنالیا۔ کچھ دیر تک انتظار کرکے انبر نے پوچھا: "کیا ابھی تک نہیں نکلا؟"

بانی نے خاموشی سے گردن جھکالی۔ اگر وہ کوئلہ کی کنکری آنکھ میں ہی رہتی۔ تو اچھا تھا۔ مگر اُسکی بدنصیبی تو اُسے اتنا موقع دینے پر بھی تیار نہیں۔ کسی وقت آنسوؤں کی روانی میں اُس کا تمام سینہ تر بتر ہوگیا تھا۔ اُس نے آہستہ آہستہ آنکھیں بند کرلیں۔

انبر نے اور کوئی بات نہیں کہی۔ تھوڑی دور پر بیٹھ کر وہ پھر باہر کی طرف اُسی انداز سے دیکھنے لگا۔ اُسوقت اُسکے دل میں کیسی کھچڑی پک رہی تھی۔ اِسے کون سمجھے

اِس مرتبہ جہاں گاڑی ٹھہری تھی۔ وہاں ہی انبر ناتھ کو اُترنا تھا۔ انبر ناتھ اُٹھ کھڑا ہوگیا اور بانی کی طرف دیکھ کر بولا: "ہٹ کر بیٹھو۔ ورنہ پھر کہیں آنکھ میں کوئلہ نہ پڑ جائے"۔ یہ کہکر اُس نے دروازہ کھولا۔ اور اُتر گیا۔ رخصت ہونیکا ایک رسم بھی ادا نہیں کیا۔ کیونکہ وہ خوب جانتا تھا کہ یہ ملاقات اُسکی آخری ملاقات تھی ۔

گاڑی کے سخت سینہ پر لیٹ کر بانی کے دل میں ایکبار خواہش ہوئی۔ کہ وہ زور سے چلا چلا کر روئے۔ مگر وہ روئی نہیں۔ اُسکی خواہش ہو رہی تھی۔ کہ ایک بار تمام مان اُبھار

شرم حیا، لعنت ملامت سب بھول کر دوڑ کر اُسکا ہات پکڑ کر کہے "کیا یہی آخری ملاقات ہے؟
ذرا ٹھہر کر بتاتے جاؤ۔ میرے تمام قصوروں کو معاف کر دیا۔ ایکبار جنم بھر کیلئے "ادھا سانی"
کہکر پکا روسکر ہے گئے! اِن تمام باتوں میں سے ایک بھی ظہور پذیر نہ ہوئی۔

کب گاڑی روانہ ہوئی؟ اور کب رما بلبھ بابو گاڑی پر سوار ہوئے۔ وہ کچھ بھی نہ جان سکی باپ کی آواز سنکر اور اُن کی بیچین نگاہوں سے اپنی آنکھ ملا کر شرم سے بانی نے اپنا سر نیچا کر لیا۔

باپ نے پوچھا۔ انبر چلا گیا۔ دیس واپس آنیکے لئے کچھ کہا ہے؟

بانی نے گردن جھکا کر جتا دیا "نہیں"

رما بلبھ تکیہ کھینچ کر پڑ رہے۔ وہ بیٹھی رہی۔ ایک بات۔ اُسکا آخری لہجہ۔ اُسی چھوٹی سی یاد کو دل میں لیکر بدحواس اور محبت میں از خود رفتہ ہستی کیطرح وہ چُپ چاپ بیٹھی رہی۔ گاڑی سے اُترے ہوئے۔ کون معلوم ہوتا ہے۔ انبر ناتھ کے کسی پرانے واقفکار نے اُس سے پوچھا "انبر ناتھ جی۔ یہاں کیسے؟ گاڑی پر کون کون ہے۔ تمہاری بیوی ہے نہ؟" اُس نے جواب دیا تھا "ہاں میری بیوی"

اِس بات نے بانی کو جیسے بیخود سا بنا دیا تھا "میری بیوی" ۔ یہ آواز باز گشت بن کر بار بار اُسکے کانوں میں گونج رہی تھی "میری بیوی" اُس نے قبول کر لیا۔ کہ یہ اُسکی بیوی ہے۔ یہ بات کتنی میٹھی تھی۔ قریب ہونے پر بھی قریب تر دل سے۔ اس بات نے جیسے اُسکے دل کو منتر کے زبردست موہ سے جکڑ دیا تھا "میری بیوی" یاس بیٹھکر بھی جسنے کسی رشتہ کا اظہار نہیں کیا۔ وقت رخصت وہ اتنا بڑا استحقاق اُسے دے گیا! قسمت سے وہ اُسوقت اُس سنسان کمرے میں اُسکے ساتھ رہتی ہوئی بھی اکیلی نہیں تھی۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو آج کیا ہوتا۔ اِسے کون جانے۔ اِس صاف شفاف سورج کی شعاعوں سے جگمگاتی ہوئی صبح میں اُسکے سکھ کی طرف یہ گرمی سے خالی سورج کی روشنی کیطرح سرور سے بھری ہوئی نگاہیں ڈالکر اگر وہ پھر اُسی لہجہ میں ایک بار کہتا "میری بیوی" ۔ تو شاید بانی کے دل سے تمام شکوک حرفِ باطل کی طرح مِٹ جاتے۔ وہ اپنے آپکو بھول کر از خود رفتگی سے اُسی وقت دوڑتی ہوئی اُسکے پاؤں میں اپنا مُنہ چھپا لیتی۔ عرصہ کا جمع شدہ آنسوؤں کے پانی سے اُسکے پاؤں کو دھو دیتی۔ اور یہ کہنے میں بھی پس و پیش نہ کرتی "میرے تمام پاپ

اُس عہد کے ساتھ ساتھ ہی قبول کر مجھے معاف کرو۔ میں تمہاری بیوی ہوں۔ ہاں جی۔ مجھے قبول کرو۔"

سائے کی تصویروں کیطرح ہر چہار طرف کے مناظر ایک دوسرے میں ملتے جا رہے تھے۔ بالکل دریائے فکر و الم میں غوطے کھا رہے تھے اور بانی! وہ تو سُکھ کی یاد سے جیسے متوالی ہو رہی تھی۔ وہ سوچتی تھی "اچھا وہ آواز اس قدر کانپتی ہوئی کیوں تھی؟ اس میں کیسا جذبہ پنہاں تھا! اتنی میٹھی بات تو کبھی کسی کے مُنہ سے نہیں سُنی تھی۔ کیا سچ مچ گلا کانپ رہا تھا۔ نہیں۔ میرے دل میں تو صرف بار بار یہی آتا ہے۔ وہ آواز مجھے کتنی میٹھی معلوم ہوئی تھی۔ ۔ میری بیوی! میری بیوی! میری بیوی!"

اُنیسواں باب

اور کہیں جانا نہیں ہوا۔ اُمیدوں کا جب یہ ہوائی قلعہ مسمار ہوا۔ تو اُنکی طبیعت گر سی گئی۔ بُخار کے خوف سے اُنہوں نے خود کونین کھائی۔ اور کسی قدر بانی کو بھی کھلائی۔ اسکے بعد وہ پھر گھر واپس ہونے کیلئے بےچین ہو اٹھے۔ بانی نے کہا "چلو بابوجی واپس چلیں۔" اب زیادہ گھومنے پھرنے کی ہوس اُسے نہیں تھی۔ بہت بےچین اور بہت مایوس تھی۔

بادلوں کے دُور تک پھیلے ہوئے سینہ پر جہاز اُسکے گہرے سیاہی مائل پانی کی سطح پر لہروں کے زور سے ٹکراتا ہوا جا رہا تھا۔ اِس پر کھڑکی کے سامنے بانی اکیلی اگر سخت تکلیف اور درد میں بھری بھری فکر سے بحرِ بیکراں میں غوطے کھا رہی تھی۔ وہ فی الحقیقت کوئی اُمید دل میں رکھکر وہاں نہیں گئی۔ باپ کی مدد سے اُسکی پوشیدہ خواہش کسی قدر پوری ہوئی تھی۔ اُسکی اُمید بھی اُسکے دل میں استحکام پذیر نہیں تھی۔ تاہم آج واپسی کے وقت ہر وقت دل میں یہی خیال آتا تھا۔ کہ آج وہ اکیلی جا رہی تھی۔

اپنے آپکو اکیلی لیکر شانتی اور سُکھ سے زندگی کے دن بسر کرنے کیلئے اب تک وہ جو بےچین تھی۔ آج گھر کی طرف واپس ہوتے ہوئے اُس نے سوچا۔ وہ جیسی آئی تھی۔ اُسی طرح واپس جا رہی ہے۔ نہیں۔ شاید ٹھیک اِسطرح نہیں۔ اُسی وید منتر نے جس نے اُس انکھوے پر مٹی ڈال دی تھی آج وہ اپنی بھرپور طاقت سے تمام مٹی کو ہٹاتا ہوا ایک بڑے درخت کی صورت میں اُٹھ کھڑا ہوا تھا

مگر اس مرتبہ جب وہ ایک نیا منتر سن آئی تھی۔ اُسکے اثر سے اور شاخوں میں پھل پھول آجانے سے وہ خمیدہ ہو رہی تھی۔ اسکا عورت کا دل اس سے پیشتر منتر شکتی کے بل سے یا عورتوں کی دل کی فطرت کے بموجب آبِ محبت کی آبیاری سے اُسکا تمام غرور جیسے اس پانی سے دُھل گیا تھا۔ دنیا کے ناموافق اثرات سے غریب لڑکی کا اِسرار سے بھرا ہوا دل تاریکی کے بحرِ بیکراں میں غوطے کھا رہا تھا۔ آج یکایک نہ معلوم کس ترنگ کی رَو میں ناچ اُٹھا تھا۔ وہ اُسے پیاری ہے۔ ہندو گھر کی تمام ستی لڑکیوں کیطرح کبھی نہ ٹوٹنے والی محبت بھگتی اور پریم سے اُسکے دل کی یہ چھوٹی سی ندی آنسوؤں سے سیراب ہوکر اٹھکھیلیاں کرتی ہوئی ایک عجیب وغریب دلفریب رقص کا تماشہ دکھا رہی تھی۔

یہ یکایک برسات کے پانی کے بہاؤ کی زبردست طغیانی دیکھ کر وہ جیسے بیچین ہو اُٹھی تھی اس بے مصرف زندگی میں اتنا پیار و محبت لیکر وہ کیا کریگی؟

آسمان میں ستارے کھل رہے تھے۔ اور کنارے کنارے بادلوں کے ٹکڑے پھر رہے تھے دن کی روشنی نے ندی کے کنارے رُخصت لی تھی۔ اُسکی صاف طور پر نظر نہ آنیوالی تاریخ جنگل میں چھپ کر اُسی میں ملتی جا رہی تھی۔ بانی نے کھڑکی کے دروازے میں سر رکھ کر آنکھیں بند کرلیں۔ میری لامحدود محبت بھی کیا اُسے میرے پاس نہ لا سکیگی؟ گوپی بلبھ! پربھو! پتا! ایسی بُری عقل تم نے مجھے کیوں دی تھی؟ شاید غرور سے میں ہی اندھی ہو رہی تھی۔ تم تو سب کچھ جانتے ہو پھر میرا یہ کیا کیا؟

اُس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا مُنہ چھپا کر کھڑکی کی چوکھٹ پر سر رکھدیا اور رو۔ برداشت نہیں کر سکیگی۔ یہ جو جنم بھر کے ثمرۂ ریاضت سے ملاقات ہوئی تھی۔ ایک بار ایک بات بھی نہیں کی۔ غیر بھی تو غیر کو دیکھکر ایک بار پوچھ لیتا ہے "کیسے ہو کیا حال ہے"۔ بانی کیا اُسکی نسبت بھی غیر ہے۔ ہاں اس میں شک ہی کیا ہے۔ کوئی کسی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھیگا۔ مندر میں یہی قسم کھائی تھی"۔ بانی نے سوچا بھگوان! کیوں اُسی وقت تم نے میرے سر پر بجلی نہیں گرادی!!"

تکلیف سے اُس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا دل تھام لیا۔ جہاز راں جیسے پانی کو چیرتا ہوا ہلچل مچا دیتا ہے۔ اُسی طرح بانی کے دل میں بھی ہلچل مچی ہوئی تھی۔

عورت ذات میں اتنی بے حیائی کیا کسی نے کبھی دیکھی تھی؟ وہ جس وقت مجھے دیکھ کر آنے جانے

میں پس و پیش کر رہے تھے۔ میں نے کیا تمام شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر اُنہیں پکارا! کیا تعجب ہے بات کرتے ہوئے مجھے ذرا بھی تو شرم نہ آئی؟

اس نئی عجیب غریب محبت سے وہ اُسی پرانی محبت سے خالی دن میں غرور اور بیحیائی سے تمام باتیں یاد کر کے شرم سے جیسے مری جاتی تھی۔ انبر ناتھ نے اُس سے اِس نئی شرط پر کیوں شادی کی یہ عجیب غریب اسرار بھی آج اُسکی سمجھ میں آگیا۔ شادی کو اُس نے بچّوں کے کھیل کی نگاہوں سے دیکھا تھا۔ مگر اُس میں کیسی زبردست رُوح اور مہا شکتی پوشیدہ تھی۔ انبر تو یہ جانتا تھا۔ پھر وہ کیوں راضی ہوا پھر؟ اگر وہ یہ سمجھ ہی گیا تھا تو اُسنے ایسا کام کیوں کیا؟ کیوں کیا؟ اگر وہ نہ کرتا۔ تو وہ سب کچھ کھو دیتا۔ کھو دیتا تو کھو دیتا۔ اِسکی نسبت تو وہ ہزار درجہ بہتر تھا۔

جیسے علی الصباح قطراتِ شبنم پتوں سے گر پڑتے ہیں۔ اُسی طرح خاموشی سے بانی کے چشمِ آبدار سے آنسو بہنے لگے۔ وہ اُٹھ کر ایک بار اپنے کمرے کے چاروں طرف ٹہل آئی۔ ایک جگہ جم کر بیٹھنا بھی جیسے اُسکے لئے دوبھر ہو گیا۔ ہائے اگر وہ میری طرح ــ نہیں نہیں کسی قدر ذرا بھی مجھے پیار کرتے؟

دل ہی دل میں پھر اُس نے سوچا نہیں۔ پیار کرنے کی ضرورت نہیں۔ پیار نہیں کیا اچھا ہی کیا۔ پیار کرتے تو میری طرح اُنہیں بھی دُکھ برداشت کرنا پڑتا۔

پُر اضطرار ہنسی ہنسکر اُس نے آنسو پونچھے۔ اور کون نازک اور محبت سے بھرے ہوئے ہاتھ سے اُسکے دُکھ کے آنسو پونچھیگا؟ پونچھتے پونچھتے خیال آیا۔ صبح ریل گاڑی کے درجہ میں جب اُسکی آنکھوں میں کوئلہ پڑ گیا تھا۔ تب انھوں نے اپنی آنکھوں میں آنسو بھر کر ــــــ آہ بس! قسمت سے کوئلہ تو عین موقعہ پر پڑا تھا۔ اسکے ساتھ یہ بھی یاد آیا۔ اُسی وقت تکلیف اور درد موجود ہوتے ہوئے بھی اُن کے پیارے پیارے نازک ہاتھوں نے دم بھر کیلئے میرے گالوں سے لمس کا حظ حاصل کیا تھا۔ پونچھیگی کیا! وہ آنسو اور بھی روان و جوش و خروش سے بہنے لگے۔ دم بھر کا وہ روحانی حظ یاد آکر اور بھی دل کو بیچین بنانے لگا۔ سو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ واپس آجاؤ جی۔ ہاں جی آجاؤ چند تسلی آمیز کلمات سُناتے جاؤ۔ تاکہ پھر کانوں میں وہی آب حیات ٹپکے میں ماں کے سائے سے محروم ہوں۔ تم بھی میری طرف نہ دیکھوگے؟ تو میری گتی کیسی ہوگی؟ آؤ

جی آگے۔ ایک بات آڈ۔

شام کی تاریکی کو چھیدتے ہوئے کنارے کے درختوں کی قطاریں سے چاند نمودار ہوا۔ وہی بڑا ستارہ جگمگ جگمگ کرتا ہوا ہنسنے لگا۔ آسمان کی نیلگوں بساط پر لاتعداد ستاروں نے چوپڑ کھیلنی شروع کی۔ نیچے تالاب کے صاف شفاف پانی میں اُن کے عکس نے جیسے پانی میں آگ لگا دی۔ انجن کے اندر ہی اندر آگ ایک زبردست گرمی پھیلاتی ہوئی جیسے تمام روکاوٹوں کو جلاتی جارہی تھی۔ خلاصی تختے پر بے چینی سے بیٹھے ہوئے زمین آسمان کے قلابے ملارہے تھے مسافر جا بجا کھانے پکانے میں مصروف دکھائی دیتے تھے۔ بعض بعض حُقّہ پی رہے تھے بعض بے فکر نوجوان لوہے کی لمبی سلاخ پکڑے ہوئے تھرکتی ہوئی چاندنی میں دریا کی دلفریبیوں سے محظوظ ہو رہے تھے۔ ایک بوڑھا شخص گا رہا تھا۔

دوش نہیں ہے کسی کا ماتا! خود ہی کھودا گڈھو تم نے

اس آواز نے پانی کے دل کو جیسے چیر دیا۔ گانا تھا یا رقت و درد کا ہلچل آمیز ترانہ جس سے سوئے ہوئے جذبات بھی بیدار ہو رہے تھے۔ آنسوؤں کی روانی میں اور بھی جوش آگیا تھا۔ کس کے دوش ہے! ہائے کس کے دوش سے! سچ تو ہے اُس نے خود ہی گڑھا کھودا اور خود ہی اُس میں گر رہی ہے۔ کسی کا بھی دوش نہیں صرف اُسی کا ۔۔۔ اپنی اس حالت کی وہ خود ہی ذمہ دار ہے۔ شوہر کا پریم ہر شخص کے مقدر میں نہیں ہوتا۔ اُسکی تو قسمت کا قصور بھی نہیں قصور صرف اُسکا اپنا ہے۔

آنسو بہاتی ہوئی بے چینی سے وہ امبر ناتھ کے پاک چہرے کا تصور کرنے لگی کیسا مقدس چہرہ۔ کتنا نازک۔ پھر دل میں آیا میری بیوی اُس نے کہا تھا۔ وہ اُسکی بیوی ہے۔ اِس زندگی کیلئے یہی آخری ۔۔۔ یہی سہارا اور کچھ نہیں پائیگی۔ پانے کی امید نہیں۔ پانے کا امکان بھی نہیں ۔۔۔ یہی خیال لیکر اُسے موت کا انتظار کرنا ہوگا۔ موت کا ہاں موت کا! موت کے سوا اُسکی مصیبتوں کا خاتمہ اور کون کر سکتا ہے؟

پژمردہ و افسردہ پانی اسی طرح بہت دیر تک تڑپتی رہی۔ اسکے بعد کسی قدر آنکھ لگ گئی۔ سوتے ہوئے اُس نے آج پھر اسی ندی کے صاف شفاف سینہ میں اپنے آپ کو امبر ناتھ کے

سامنے دیکھا اور وہی زبردست ویدمنتر دونوں کے کانوں میں گونجنے لگا۔

تیئسواں باب

جنگل کے پرند بہنگ اور کھنجن وغیرہ بھی پنجرے میں رہتے رہتے اپنی طاقت پرواز کو جواب دے بیٹھتے ہیں۔ وہ پنجرے کا دروازہ کھلا ہونے پر بھی اُڑنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اُس آزادی کے زمانہ کی یاد سے دِل ہی دِل میں اِس قید پر لعنت ملامت بھیجتے رہتے ہیں۔

مرگانک کی زندگی کے دن جس طرح گذر رہے تھے۔ اُس میں کہیں بھی کسی پاک اور اعلیٰ تعلیم کی جھلک نہیں دِکھائی دی جب اُسکے جو مزاج میں آیا اُسے کرنے سے وہ باز نہیں رہا۔ دن بھر کو کشتی میں بیٹھکر دس آدمیوں کے سامنے زہرہ بائی کا گانا بجانا سُننا تھا۔ کسی کا کہنا سُننا کارگر نہیں ہوتا تھا۔ وہ کسی کو خاطر میں بھی نہیں لاتا تھا۔ مگر آج وہی مرگانک نے طاقت پرواز کو کر جب گھر کی طرف توجہ کی۔ اور اپنے آپ کو زنجیروں سے جکڑ دیا۔ اُس وقت کسی کو دروازے کی زنجیر لگانے کی بھی ضرورت نہ پڑی۔

ابجا دور دور ہی رہی۔ مگر دور دور رہ کر ہی کونسی موہنی مایا کا جال وہ اپنے شوہر کے ارد گرد بچھاتی رہی۔ یہ تو وہی کہہ سکتی ہے۔ یا شائد خود بھی وہ نہیں جانتی تھی۔ ہاں اگر کوئی اِس راز سے واقف تھا۔ تو بابا موہ کی زنجیروں میں پھنسا ہوا بدنصیب مرگانک موہن!

ابجا صبح سے لیکر آدھی رات تک برابر گھر کے کام کاج میں مصروف رہتی تھی۔ کام میں وہ کسی قسم کی تکان نہیں محسوس کرتی تھی۔ نہ جھنجھلاتی تھی۔ جیسے مشین کے ذریعہ انجن آسانی چلتا ہے۔ اُسی طرح ابجا برابر کام میں مشغول رہتی تھی۔ اُسکے لئے اُس گھر میں ہر وقت نئے نئے کام موجود رہتے تھے۔ اِس کام کاج میں ہی اُسے تسلی رہتی تھی۔ ایک عورت سات عورتوں کا کام کرتی تھی۔ ہر وقت اُسکے دِل میں ایک نیا جوش وخروش نظر آتا تھا۔ سکھ کے بارے اُسکی گردن خمیدہ ہو رہی تھی۔ مسرت سے بجز ہیکراں میں وہ وشولکشمی اور اَن پورنا کی طرح تمام دُنیا کی آسودگی کا بار اپنے سر پر لئے ہوئی تھی۔۔۔اِس سے زیادہ خوش نصیبی کی بات اُسکے لئے اور کیا ہو سکتی تھی۔ مرگانک یہ سب دیکھتا تھا۔ اور دیکھ دیکھ کر دنگ رہتا تھا۔ اُس کے دِل میں دفعتاً جاگ اُٹھی

تھی۔ وہ چپ چاپ آڑ میں کھڑا ہوا اُسکا آگ کی گرمی سے سُرخ چہرہ دیکھ کر مفتوں وا نغز
ہو جاتا تھا۔ گھر میں چند یتیموں کے لڑکے اور لڑکیاں تھیں۔ اسجا اُنکی مناسب خاطر و مدارا
تھی۔ مرگانک دیکھ دیکھ کر دنگ رہ جاتا تھا۔ وہ فخریہ انداز سے دِل ہی دل میں بسا ادا
کہہ اُٹھتا تھا۔ اُس جیسے بدنصیب کے گھر میں ایسی ستی لکشمی!

مگر اُسے ایسا کوئی موقع ہاتھ نہیں آتا تھا۔ کہ وہ ایسی ستی لکشمی سے اظہار ہمدردی
یا اُسکی خدمات کا اعتراف کرکے اپنا سب کچھ اُس پر نچھاور کردے۔ اسجا ہر طرح اُس
کرتی تھی۔ ایک ہندو عورت جہاں تک خدمت کر سکتی ہے۔ وہ اُس سے کہیں زیادہ کر
صرف یہی موقع نہیں دیتی تھی۔ کہ وہ کہے "اسجا! تُم میرے دوست نہیں ہو۔ بلکہ میری بیوی
جب یہ خیال آتا تھا۔ تو وہ جیسے شرم سے پانی پانی ہو جاتی تھی۔

یکایک ایک دِن اس بات کے کہنے کا موقع بھی مل گیا۔ دیدی جی دوپہر کو کھانا وغیرہ
آرام سے سو رہی تھیں۔ سب لوگ باہر اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے تھے۔ اور جو گھر
وہ تمام کے تمام اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ تیز طرار بہو اُسی سرگرمی سے بیٹھی ہو
کاٹ رہی تھی۔

اسجا نے دیکھا۔ کہ وہ اکیلی نہیں ہے۔ بلکہ سامنے دروازے پر اور ایک شخص کھڑا ہے
یہ شخص اُسکا دوست ہے یا شوہر؟ یہ سمجھتے ہوئے اُسے دیر نہ لگی۔ وہ اپنے کام میں اا
گرمی سے محو ہو گئی۔ اسجا اگرچہ نہایت سادہ لوح لڑکی تھی۔ مگر معلوم ہوتا تھا۔ آجکل
طرح کی چالاکیاں سیکھ گئی تھی۔

مرگانک اُسکی یہ باتیں سمجھ گیا تھا۔ اُس نے کسی قدر ہنسکر کہا "دوست! تُم نے
میں تو نوکری کی غرض سے کل کلکتہ جا رہا ہوں"۔

یکایک یہ بات سُنکر اسجا چونک اُٹھی۔ گھبراہٹ میں اُسکی انگلی میں چاقو لگ گیا اور
خون کا فوارہ چھوٹنے لگا۔

"اُف! کیا کیا" یہ کہکر مرگانک فوراً اُسکے پاس آیا۔ اور ہاتھ پکڑ کر بولا کتنی چوٹ لگ
اُنگلی تو بہت کٹ گئی ــــ کہتے کہتے اُس نے اپنی دھوتی سے ایک چیٹ پھاڑ کر خون

غرض سے وہ چوٹ کس کر باندھ دی۔ اگر اُس پر پانی چھوڑا جاتا۔ تو فوراً خُون رُک جاتا۔ مگر اس
بال سے کہ کہیں وہ اُٹھ کر بھاگ نہ جائے۔ مرگانک کو پانی لانے کا حوصلہ نہ ہُوا ۔
ابجا نے کسی قسم کی رُکاوٹ سے کام نہیں لیا۔ اُس نے ہاتھ بے تکلفی سے شوہر کی گود میں
ھ دیا تھا۔ نہایت ہی سنجیدہ سُرور سے اُسکی آنکھیں اور رُخسار سُرخ ہو اُٹھے تھے کھینچا تانی میں
سے شرم نہیں آئی تھی۔ یہ بات نہیں تھی۔ مرگانک نے کہا۔ بڑی تکلیف ہوگی۔ اِس ہاتھ سے
اب تم سے اور کوئی کام نہیں ہو سکیگا۔ اور اگر دیر سے کام لیا گیا۔ تو تکلیف بڑھ جانیکا اندیشہ ۔
ابجا نے آنکھیں نیچی کر کے کہا۔ اتنی بھی کیا کٹ گئی ہے۔ اگر ان ذرا ذرا سی باتوں کی پرواہ
جائے۔ تو عورتوں کا کام کہیں چل سکتا ہے۔ خُون رُک جائے۔ تو کوئی بات نہیں ۔
"ہاں! مگر خُون رُکے جب نہ! اِتنا کام کرتی ہو۔ پھر بھی تمہارا ہاتھ اسقدر نرم و نازک ہے
جیسے ایک مُٹھی پھول"۔
شرم سے ابجا کے چہرے پر سُرخی دوڑ گئی۔ اُس نے زور سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش
ی۔ مگر کامیاب نہ ہو سکی۔ فائدے کے عوض نقصان ہو گیا اور اُنگلی سے اور بھی خون بہنے لگا۔
"اُف! کیا کیا" یہ کہکر مرگانک نے شرم سے اُسکا ہاتھ چھوڑ دیا ۔
آنچل سے ہاتھ ڈھانپ کر ابجا نے تسلی آمیز لہجہ میں کہا۔ نہیں۔ نہیں۔ کچھ نہیں ۔
مرگانک خاموش رہا۔ اُسنے جس خیال سے پیش قدمی کی تھی۔ اُس میں کامیابی نہ ہوئی۔
بلکہ ابجا کی اُنگلی میں زخم لگا۔ اِس وقت وہ کیا کریگا۔ کیسے کھڑا ہو سکیگا۔ یہی سوچکر وہ ششدر
رہ گیا ۔
ابجا اپنی طرف دیکھتی رہی۔ شوہر کا مُنہ دیکھکر اُسکے دل میں خیال آیا۔ میرے ہاتھ میں چوٹ لگی
ت اِسی وجہ سے وہ دُکھی ہیں۔ ہا! اتنی تکلیف بھی انہوں نے اُٹھائی۔ پھر بھی کیا وہ قصور وار
ہونگے۔ نہیں۔ نہیں۔ یہ میرے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔ اُس نے انہیں اطمینان دلانے کی غرض
سے زور دیکر شرم و حجاب کو بالائے طاق رکھکر کہا۔ "کیا سچ مچ کل جاؤ گے"
"ہاں! جب جانا ٹھیک ہو گیا ہے۔ پھر کیوں نہ جاؤنگا؟ مجھے جانے سے کون منع کریگا۔ میرا ہی کرنا"
بات بڑے اُلجھن کی تھی۔ مگر جیسے ... نہیں تھی۔ کون منع کرے گا؟ سوچتے ہی جیسے دل

میں ایک قسم کا احساس ہوتا ہے۔ ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ وہ کسی قدر ہنسی مگر ساتھ ساتھ ہی دو آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ کسی نہ کسی طرح اپنے آپ پر جبر کر کے بولی :۔ اچھے کام میں کون منع کرے گا

"نہیں۔ یہ بات تو نہیں۔ اگر کوئی اپنا ہوتا۔ تو اتنا ضرور کہتا۔ کہ دو دن بعد جانا۔ ورنہ یہ کہتا۔ کہ مجھے بھی لے چلو۔ جیسے کوئی کچھ کہنے والا نہیں۔ وہ جب چاہے اور جہاں چاہے جائے اس میں کسی کا کیا نقصان ہے؟ اُسے تو پردیس میں تمام کام اپنے ہاتھ سے ہی کرنے پڑیں گے کھانا پکانا ہوگا۔ کپڑے دھونے ہونگے اور مکان میں جھاڑو لگانی ہوگی"؟

مرگانک کے چہرے پر سنجیدگی کے آثار نمایاں تھے۔ ابجانے اُسکی یہ درد آلود باتیں سُنکر ایک گہرا سانس لیا۔ نگاہیں نیچی کر لیں۔ جیسے اُسکے دِل کو بار بار کوئی تیروں سے چھید رہا ہو۔ وہ اُس وقت اپنے آپکو بھول گئی تھی۔ یکایک چونک کر بولی۔ کیا ماں برہمن نہیں ملتے ؟ پھر تو تمہیں سخت تکلیف ہوگی"۔

"ہوگی تو ضرور ہی۔ مگر پھر کیا کیا جائے ؟"

"نہیں۔ نہیں۔ پھر تم وہاں نہ جاؤ"۔

" نہ جاؤں ستم یہ کیا کہہ رہی ہو۔ مرد ہو کر میں کب تک گھر میں بیٹھے بیٹھے بہن کا روپیہ اڑاتا رہونگا۔ کیا یہ مناسب ہے۔ تم ہی بتاؤ ؟"

"نہیں"۔ یہ کہکر ابجانے اپنی دونوں نگاہیں مرگانک کے چہرے پر ڈالیں۔ بعد ازاں آہستہ سے کہا۔ "نہیں۔ اسے تو میں بھی اچھا نہیں سمجھتی۔ تم نوکری کر و گے۔ یہ سُنکر میں بہت خوش ہوئی۔ مگر ویدی سُنکر بہت ناراض ہونگی۔ وہ تو کہتی ہیں۔ کہ روپے کی کوئی کمی نہیں پھر"

"یہ تو ٹھیک ہے۔ مگر پھر بھی گھر بیٹھکر اسطرح کھانا اُڑانا ٹھیک نہیں۔ جو اُن کا فرض ہے ادا کر رہی ہیں۔ مگر مجھے بھی تو اپنا فرض ادا کرنا چاہئے۔ اتفاق سے نوکری بھی اچھی ملگئی ہے لکھنے پڑھنے کا کام ہے۔ ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار تنخواہ ہے۔ ترقی کی بھی بڑی گنجائش ہے بولو۔ کیا کہتی ہو؟"

"پھر جاؤ"۔

"جاؤنگا۔ مگر کھانا پکاتے وقت اگر جل کر مر گیا۔ تو مجھے قصور وار نہ ٹھہرانا۔ اس میں تمہا

ہرج ہی کیا ہے؟ صرف ماتھے کا سیندور ہی پونچھنا پڑیگا۔ اور یہ چوڑی — خیر! اس کے بغیر بھی تمہارے حُسن میں کافی دلکشی رہیگی۔ ایکادشی کا برت رکھنے کی تمہیں ضرورت نہیں — اور مچھلی —"

"چھی! تم یہ سب کیا کہہ رہے ہو؟" یکایک مرگانک کے تمام جسم کے روئیں کھڑے ہو گئے اور وہ بلوری چوڑیاں جیسے ایک ساتھ ہی بج اُٹھیں۔ اُنہیں پھول سے نرم و نازک ہاتوں نے دم کے دم میں اُسکا ہات پکڑ کر کہا "یہ سب کیا کہہ رہے ہو۔ اب تم ایسی بات کبھی نہ کہنا۔ ان باتوں سے میرے دل کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اِسکی نسبت تو تم جیسے ہو۔ اور جس حالت میں ہو۔ وہی اچھا ہے۔ نوکری کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ یہاں ہی رہو۔"

"نہ کہوں۔ تو کیا کروں۔ تم کیا میری مدد کی غرض سے میرے ساتھ چلنا چاہتی ہو؟ دیدی کہتی ہیں۔ بہو کس کے سُکھ کے لئے جائے گی۔ تم نے تو کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ ایسی لڑکی جس نے چاقو سے اپنا ہات کاٹ لیا۔ کیا وہ کبھی چُولھے کے سامنے بیٹھ سکتی ہے؟"

"اگر میری ضرورت ہو تو میں کیوں نہ جاؤنگی؟ مگر —"

"مگر — مگر کیا؟ صاف صاف کہو نہ۔"

انجا یکایک ہنس پڑی۔ بولی "لوگوں سے کیا کہونگی؟ دوست؟"

"پھر دوست! میں نے بارہا کہا ہے۔ کہ وہ لفظ اب میں تمہاری زبان سے نہیں سُننا چاہتا"

انجا آہستہ آہستہ ہنس رہی تھی۔ ہنستے ہنستے بولی "پھر میں تمہارے ساتھ اور کسطرح جاؤنگی۔ تم تو میری دوستی بھی پسند نہیں کرتے۔"

"نہیں۔ میں تمہاری دوستی نہیں چاہتا۔ میں صرف تمہیں چاہتا ہوں انجا! نئی زندگی دینے والی۔ کلیانی۔ گرہ لکشمی کی شکل میں اپنی زندگی کے ساتھ تمہیں باندھنا چاہتا ہوں نہیں۔ نہیں۔ میرا تمام موہ کٹ گیا ہے۔ تمہارے پُنیہ کے اثر سے میرے دل کی تمام تاریکی اور میل جاتی رہی ہے۔ آج میری زندگی کی پہلی صبح ہے انجا! تمہیں نے مجھے آج نئی زندگی بخشی ہے۔ بلا شبہ تمہیں میری روح سوال ہو! آؤ۔ پاس آؤ! مجھے اپنے پاس کھینچ تمام غلطیاں اور غلط فہمیاں نظر انداز کر دو۔ آؤ۔ آج ہم دونوں مل کر ایک ہو جائیں یہ کیا — کہاں جا رہی ہو؟ دیدی آ رہی ہیں؟ آنے دو۔ آئینگی۔ تو وہ دل میں کیا کہینگی؟ سوچ جننگی

کہ آج اُسکے بدنصیب بھائی نے لکشمی کو از سرِنو پایا ہے.... آؤ دیدی! دیکھو تمہاری میری باتوں پر یقین نہیں لاتی۔ میں خوب جانتا ہوں۔ کہ وہ اپنے بھائی کو فرض کی تکمیل میں سرگرم دیکھ کر بہت خوش ہونگی۔ ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔ دیدی! معلوم ہوتا ہے۔ کہ میرے پہلے کئے ہوئے پاپ کو اب تک معاف نہیں کیا؟

اِس گھر میں ایک شخص کے اثر سے سب نے جیسے از سرِ نو زندگی حاصل کی تھی۔ پرسن مئی موت کے مُنہ سے بچی تھیں اور بھائی کا رجحان بہو کی جانب دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھیں بہو آنکھوں میں آنسو بھر کر پرسن مئی کو دیکھتے ہی ذرا پرے ہٹ گئی تھی۔ پرسن مئی نے پاس آکر کہا۔ "دیکھو بہو! وہ تو اب پہلے کی طرح نہیں رہا۔ تمہارے گُن و سلیقہ سے وہ از سرِ نو انسان ہوا ہے۔ نہ نہ روتی کیوں ہو؟ آنکھوں کے آنسو پونچھ ڈالو۔ شوہر کا عیب اور قصور کیا بیوی کو اپنے دل میں رکھنا چاہیئے؟ وہ سب بھول جاؤ۔ امرگانک! اِدھر آؤ۔ آج تم دونوں کی اصلی شادی ہو جائے۔ دونوں کو ایک دوسرے کے ہاتھوں میں سونپ کریں آشیرباد دے دوں۔ ایشور کرے۔ دونوں عرصۂ دراز تک زندہ رہو اور خوشی خوشی زندگی بسر کرو۔ بھگوان تمہارا منگل کریں"

سب کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو نکلنے لگے۔ جیسے دھوپ میں بھی کبھی کبھی ترشح ہوتا ہے۔ اُسی طرح روتے روتے مرگانک نے ہنسکر کہا۔ "دیدی! اِس مرتبہ تو ہم ضرور سُکھی ہو سکینگے۔ اُس مرتبہ تو تم نے ہم لوگوں کو اس طرح آشیرباد نہیں دیا تھا۔ اسی وجہ سے اُس بار سُکھی نہیں ہو سکے"

اکتیسواں باب

گھر واپس آکر بانی نے دیکھا۔ اِس مکان میں اُسکا وہ پہلا سُکھ اور آرام اب نہیں۔ نہ معلوم کس نے اُسکی تمام دلفریبی کھینچ کر وہ خالی مکان اُس کے لئے چھوڑ دیا ہے جس گھر کے لئے اُس نے اپنے آپکو اِس بُری حالت میں پہنچا دیا تھا۔ جیسے یہ وہ مکان نہیں ہے۔ جب مندر میں داخل ہوئی۔ اُس وقت اُس نے دل میں سوچا۔ بس اب اور کچھ نہ چاہیئے

جسکو لیکر اتنے دن گذار رہے ہیں۔ وہ تو ہمیشہ سے ہی میرا رہا ہے۔ مگر اپنے قصور کی وجہ سے وہ آج اچھی طرح اسکی سنجیدہ مگر ہنستی ہوئی نگاہوں سے نگاہ نہ ملا سکی غرور سے اپنی عقل کی کمی سے اور اپنے زعم میں اس نے کسی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھا بھی نہیں۔ اُس نے اِس لا محدود کائنات کی وسعت پر بھول کر بھی نظر نہیں ڈالی۔ تمام دُنیا چھوڑ کر اپنے آپ کو صرف اِس مندر تک محدود کر کے اُس نے سوچا تھا "کہ اس نے ایک زبردست بھکتی بلکہ اُس سے بھی پرے کی شے حاصل کر لی ہے کبھی بھول کر بھی کسی کے دُکھ سُکھ میں اُس نے حصہ نہیں لیا۔ کسی مصیبت زدہ سے ہمدردی کا اظہار نہیں کیا۔ اور نہ کسی کو آفات و مصائب کا شکار دیکھکر اُس نے کوئی آنسو بہایا صرف کھیل کُود کرتی رہی۔ پوجا کے بہانے کھیل کرنے گئی تھی۔ ہاں! کھیل کے سوا اور کیا؟ پھول چندن۔ ڈھولک۔ گھنٹہ شنکھ ان تمام لوازمات کو لیکر اُس نے کھیل کے سوا اور کیا کیا ہے؟ اِس کے ساتھ اصلیت کی جانب اُس نے کیا کبھی نظر ڈالی ہے؟ پھول چندن چاہئے۔ شنکھ گھنٹے کی ضرورت نہیں۔ یہ بات نہیں۔ یہ سب توصفائی قلب اور بھکتی بڑھانے کے سامان ہیں۔ اِن سے بھکتی و پریم میں اضافہ ہوتا ہے۔ اِس کے بعد۔ کہاں کی پوجا؟ وہ منتر کا پاٹ کرتی ہے۔ مگر کیا دھیان کرتی ہے؟ صرف یوں ہی ظاہری مراسم کی پابندی کرتی ہے۔ جس کے لئے یہ سب کوششیں کی جا رہی ہیں۔ اُسکی بات دِل میں کس قدر جاگزیں ہے؟

ایک وقت کی بات اُسے یاد آئی۔ جب پھول اور چندن سے تمام مندر آراستہ تھا۔ گھنٹہ اور شنکھ کی ضرورت بھی نہ لاحق ہوتی تھی۔ خموشی سے پوجا کیجاتی تھی۔ اُسی مُود کھ پروہت کے ذریعہ پوجا کا تمام انصرام ہوتا تھا۔ گوپی بلبھ اکیا صرف اُسی ایک شخص نے تمہاری پوجا کی تھی۔ اِس مندر میں کسی اور پجاری نے شاید ایسی پوجا نہیں کی۔ صرف تمام سامان ہی اکٹھا کئے جاتے تھے جس پوجا سے استغراق کی حالت نہ نصیب ہوئی۔ کیا وہ پوجا پوجا کہی جا سکتی ہے؟ آدیا ناتھ نے جو کچھ کیا۔ وہ سب یونہی معلوم ہوتا ہے۔ آج اُس کے کانوں میں گھنٹہ کی آواز نہایت جگر سوز اور دل پذیر معلوم ہوئی۔ اُس کے دِل میں جیسے ایک بے اطمینانی کی سی آگ جل اُٹھی*

آدیا ناتھ کے چلے جانے پر وہ مندر میں پوجا کے آسن پر آ کر بیٹھی۔ اُس کے مہاور سے

سُرخ دونوں پائوں پھول سے بوجھ سے ڈھکے ہوئے تھے۔ وہ گھڑی تک نظر بھر کر دیکھیگی لیس کی بھی کوئی تدبیر نہیں تھی۔ وہ چاروں طرف دیکھکر مخوف لہجہ میں آہستہ سے بولی۔ گوپی بلبھ! صرف آج تم میرے وہ گوپی بلبھ نہیں ہو۔ تم نے رادھا کا پریم ناری کنج میں شیاما کے روپ میں دھارن کیا تھا۔ آج ایک بار میرے لئے بھی وہی مورتی دھارن کرو۔ غلطی سے ایک دن تمہارے چرنوں سے جس بھگت کا دان زبردستی لے لیا تھا۔ آج اُسے واپس کرنے آئی ہوں ۔۔ لو ماں! اِس دین دُکھی کی یہ پُوجا قبول کرو۔ واپس نہ کرنا۔ اتنے دنوں تک صرف سوامی اور سکھا سمجھتی تھی۔ آج اُس جگہ پر تمہاری قائم مقام ۔۔ اپنی جسمانی مورتی تمہیں نے بھیجی ہے۔ اِسی وجہ سے آج اُنکی زندگی کی ساتھی کی شکل میں اُنہیں کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ ایکدل ہو کر اُنہیں کے عقیدہ کے مطابق تمہیں پکار رہی ہوں۔ ماں! ماں! ماں! وشوجنی (کائنات کو پیدا کرنیوالی) مجھے شانتی دو۔ انسانیت دو۔ مجھے اُنکے قابل بناؤ۔ کچھ پرواہ نہیں۔ اگر وہ مجھے نہ ملیں۔ ستی لکشمی اور سہ دھرمنی کا جو دھرم ہے۔ میں اُس کی ہر ممکن طریقہ سے حفاظت کر سکوں۔ انہوں نے حکم دیا تھا ۔

یہ میرے شوہر کا حکم ہے۔ ماں! یہی تو تمہارا بھی حکم ہے۔ اور یہی میرے دیوتا کا بھی۔ انہوں نے کہا تھا۔ کہ آتما پرماتما دونوں ایک دوسرے سے جُدا نہیں۔ ایک کے سوا دو نہیں ہیں۔ میں زیادہ کچھ نہیں جانتی ۔۔ بس یہی میرے لئے سب کچھ ہے۔ وہ تم میں اور تم اُن میں ۔۔ ہیں اُن میں بھی تمہاری ہی پُوجا کرتی ہوں۔ اور جب تمہیں پُوجتی ہوں۔ تو گویا اُن ہی کی پُوجا کرتی ہوں۔ انہوں نے کہا تھا۔ کہ دُنیا میں ایک کے سوا دوسرا کوئی نہیں ہے۔

آنسوؤں کی پُرشور روانی نے بانی کے غرور سے خالی چہرے کو تر بتر کر دیا۔ دل کا تمام بار ہلکا کر کے ماتا نے جیسے اطمینان و سرور کی بارش کر دی ۔

اُس دن جیسے بانی کی زندگی کا سوتا واپس آگیا۔ وہ کسی بات سے سُکھ نہیں پاتی۔ صرف دوسروں کی خدمت کر کے شانتی حاصل کر سکتی تھی۔ اسی وجہ سے مندر کو پھولوں سے آراستہ کرنے۔ ہار گوندھنے اور دیگر اسی قسم کے کاموں کی طرف اُسنے توجہ دی۔ اُس نے دیکھا۔ کہ اپنے دُکھ کے بوجھ سے اتنے دنوں تک اُس نے باپ کی طرف نظر بھی نہیں ڈالی۔

انہیں کس قدر دُکھ ہے۔ کیا اُسے ایک مرتبہ بھی اِسکی یاد آئی ہے۔ اور اُسکی نسبت اُسکا اپنا دکھ
کیا کچھ کم ہے محبت سے بھری ہوئی ماں کیطرح باپ کی محبت میں سرشار لڑکی نے تمام بار
ایک ہی دن میں اپنے اوپر لے لیا۔ دیکھا۔ جتنی بھی شانتی ہے یہاں ہی ہے۔ رمابلبھ نے
بھی یہی دیکھا۔ وہ جو مایوسانہ انداز سے اُسکے اِردگرد طواف کرتی ہے اِسکی ضرورت نہیں۔
جس نے پہلے کبھی کوئی کام نہیں کیا۔ آج وہ تمام کام خود ہی اپنے ہاتھ سے انجام دینے کو تیار
ہوئی۔ رمابلبھ کے دل میں اِس سے تسکین تو نہ ہوا۔ بلکہ دُکھ محسوس ہوا۔ اُسکی زندگی کے
کِس گذشتہ واقعہ نے یہ زبردست تبدیلی پیدا کی۔ انسانی خصائل سے مبرا ہستی اِس
تمام قصور کی ذمہ وار ہے۔ کرشن پریا نے خوب سمجھا تھا۔ کیوں انہوں نے ستی کی نصیحت
پر توجہ نہیں دی۔

جب رمابلبھ سے نہ رہا گیا۔ تو انہوں نے یکایک بانی سے کہا۔ بانی اشیر ناتھ اسقدر
کمزور ہو گیا۔ کہ پہچانا نہیں جا سکا۔ یقیناً وہ بیمار ہے۔ میں نے ہر چند پوچھا۔ مگر اُس نے کچھ
بھی نہ بتایا۔ تو نے کچھ پوچھا تھا؟

بانی کسی قدر چونک اُٹھی۔ کیا بات۔ کونسی بات؟ وہ کسقدر کمزور ہو گیا ہے اُس نے
اچھی طرح سے دیکھا تھا۔ مگر اپنے دُکھ کی زیادتی سے اُس وقت جیسے وہ سب کچھ بھول گئی
تھی۔ اُسکی نظر ہمیشہ اپنی طرف رہی۔ ہمیشہ وہ اپنی ہی بابت سوچنے کی عادی تھی۔

بانی کو خاموش دیکھکر رمابلبھ نے پھر کہا۔ معلوم ہوتا ہے۔ اُسے ملیریا ہو گیا ہے
میں نے کتنے ہی خط لکھے۔ مگر اُس نے تو ایک کا بھی جواب نہیں دیا۔ صرف ایک بار ایسی قدر لکھا تھا۔
کہ میرے لیے متفکر ہونیکی ضرورت نہیں۔ میں اچھا ہوں۔ ایک خط تم بھی تو لکھو۔ دیکھو
کیا جواب آتا ہے۔

آخری بات رمابلبھ نے کسی قدر مشکوک لہجہ میں کہی تھی۔ اِسے سنکر بانی کا دل بھی کسی
قدر شوخی پر مائل ہو گیا تھا۔ بابا کا اشارہ وہ بخوبی سمجھ گئی تھی۔ انہوں نے ہی پوشیدہ
طور پر اشیر ناتھ کو اسٹیشن پر بلایا تھا۔ یہ ملاقات اتفاقیہ نہیں تھی۔ یہ بات بھی وہ جانتی
تھی۔ اِسکے علاوہ تنہائی کا موقعہ بھی انہوں نے خود ہی دیا تھا۔ لیکن ایسا [illegible] آنکھوں سے [illegible]

نکلنے لگے۔ مگر آج شوہر کے تعلق میں باپ کے روبرو وہ کچھ اور نہ کہہ سکی۔ جس پریم کی کمی نے اُسے اب تک دُور دُور رکھا تھا۔ آج وہ کمی دل کے کسی کونے میں مدفون ہو چکی تھی۔ اِس وقت نام سنتے ہی شرم سے اُسکے تمام چہرے پر سُرخی کی جھلک دوڑ جاتی تھی۔ باپ کے سامنے کوئی نئی شادی شدہ لڑکی کیا اس طرح بے شرم ہو سکتی ہے؟

"بانی! خط تو لکھیگی نہ بیٹی! ضرور لکھنا۔ جو جسم اَب تیرا ہو چکا ہے۔ اُسکی خبر گیری تیرے لئے بہت ضروری ہے۔ یہ کہتے کہتے رما بلبھ بابو جیسے کسی آنے والے خوف سے چونک اُٹھے بولے۔ یہ بھی لکھ دینا۔ کہ آب وہوا کی تبدیلی بہت ضروری ہے۔ ورنہ ہمارے دل سے یہ فکر دور نہ ہوگی۔"

بانی سمجھ گئی۔ اُنکی آواز کانپ رہی ہے۔ باپ کو متفکر دیکھکر وہ خود بھی اپنے ناتھ کے اُسی زرد چہرے اور لاغر جسم کا تصور کر کے دل ہی دل میں بہت خائف ہوئی۔

بہت غور و خوض کرنے کے بعد بالآخر اُس نے ایک خط لکھا "تمہیں لاغر و نحیف دیکھکر بابوجی نہایت متفکر ہو رہے ہیں۔ اُنہوں نے مجھے لکھنے کو حکم دیا ہے۔ کہ کچھ دنوں کے لئے یہاں آجاؤ۔ یا کہیں کسی اور اچھی جگہ میں چلے جاؤ۔ تاکہ مرض رفع ہو۔ کیا مرض ہے۔ یہ جاننے کے لئے وہ بہت پریشان ہیں۔ "کچھ نہیں" صرف اِس قدر لکھ دینے سے وہ کسی طرح یقین نہ کرینگے۔ اصلی حالات جاننے کے لئے اُنہوں نے خاص اصرار کیا ہے۔ یہاں بہر کیف خیریت ہے۔ بابوجی کی یہ بڑی خواہش ہے۔ کہ تم جلد کہیں اور آب وہوا کی تبدیلی کی غرض سے چلے جاؤ۔"

کہیں خط آنسوؤں سے تر بتر نہ ہو جائے۔ اِس خوف سے بانی بار بار اپنے آنسو پونچھتی جاتی تھی۔ یہی اُسکا پہلا خط تھا۔ خیال تھا۔ اِس میں کتنے ہی پُر لطف اور جذبات سے مملو خیالات ہونگے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ گویا کسی نے ایک اجنبی شخص کو خط لکھا تھا۔ موسم برسات کے پانی سے لدے ہوئے بادلوں کی طرح اُسکا دل پھوٹ پھوٹ کر جلدی سے برسنے کے لئے رہ رہ کر جیسے کانپ اُٹھتا تھا۔ بادِ موافق کے ایک ہلکے سے جھونکے سے وہ گرمی سے تپتے ہوئے صحرا اور ریگستان کو سمندر کی طرح پُر شور بنا سکتا تھا۔ مگر ایک ایسا زبردست

فاصلہ اُن دونوں کے درمیان حائل تھا۔ جسے کوئی عبور نہیں کر سکتا تھا۔ اس اثر کی وجہ سے
اُسے روکنے کی کس میں طاقت تھی۔ اگست رشی کی مانند اس سمندر کو چلو میں بھر کر ہی خشک
کر دینا ہوگا۔

کچھ دنوں بعد خط کا جواب آیا۔ اُس کے نام نہیں۔ بلکہ رما بلبھ بابو کے نام۔ لکھا تھا"

شری چرنوں میں کوٹ کوٹ پرنام!

آپ میرے لئے نہایت متفکر ہیں۔ یہ سُنکر بہت دُکھی ہُوا۔ میری حالت بہت خراب ہے۔ مجھے تو ایسا احساس نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی بخار آ تو جاتا ہے۔ مگر اُس کے لئے متفکر ہونیکی ضرورت نہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا ہے۔ معمولی ملیریا کا سا بخار ہے۔ اور اب میں بہت اچھا ہوں۔ جلد ہی چٹ گرام جانا ہوگا۔ وہاں کی آب و ہوا اچھی ہے۔ اُمید پائی جاتی ہے۔ کہ جو تھوڑی بہت شکایت ہے وہ بھی وہاں پہنچکر جاتی رہیگی۔

سیوک شری نبر

بانی نے وہ خط پڑھا۔ پڑھنے کے بعد کچھ دیر تک وہ اُسی خط پر اپنا سر رکھکر چُپ چاپ لیٹی رہی۔ جب اُس نے سر اُٹھایا۔ اُسوقت وہ خط آنسوؤں سے بھیگ کر بالکل سیاہ ہو گیا تھا۔ مگر جیسے وقت وقت پر قصور دل پر بھی حاوی ہو جاتی ہے۔

گریشم رُت ختم ہوئی۔ موسم برسات آیا۔ لگاتار بارش نے زمین کا گرم خشک سینہ تر کر کے کینلی۔ کدمب کے پودے خوشی میں بسے ہوئے ذرات سے وشنجنی کی چرن بندنا کر کے سبزۂ نو دمیدہ اور کاس کے پھولوں سے تمام گرد و غبار دھو دیا اور نرم و نازک درختوں کے گھنے پتوں کو مزین و آراستہ کر دیا۔ موسم سرما کے بادلوں سے خالی آسمان میں گونا گوں نیرنگیوں کا جلوہ سونے کے رنگ کیطرح زرد دھوپ کھیتوں میں میدانوں میں سبز بیلوں کی خوبصورتی کو ایک عجیب و غریب رنگ میں رنگ رہی تھی۔ پانی سے لبریز ہو کر ندی اٹکھیلیاں کرتی ہوئی اپنی دُھن میں مست بہہ رہی تھی۔ ہوا پھولوں کی لپٹ خوشی میں بسی ہوئی بہار کی آمد کے رُقعے بانٹ رہی تھی۔ کرشن پریا کی شرادھ بانی نے نہایت ہی شردھا سے کی نہایت ہی تزک و احتشام سے یہ کام انجام پایا۔ برہمنوں کی کثیر تعداد کو نوید دیا گیا۔ انبرناتھ

کی قائم کی ہوئی پاٹھ شالہ کے تمام طالب علم آئے۔ اگر نہیں آیا تو صرف امبھر۔ اس سے رما بلبھ کے دل میں بہت چوٹ لگی۔ اگر وہ ذرا بھی خواہش کرتا۔ تو آنا کچھ مشکل نہیں تھا۔ لوگوں نے دل ہی دل میں خبر نہیں کیا کیا سوچا۔

بانی نے ایک گہرا سانس لیا۔ اُسکے آنے کیلئے راستہ نہیں۔ یہ بات تو صرف وہی جانتی تھی۔

تلسی آجکل دو تین بچوں کی ماں ہو چکی تھی۔ ہمیشہ آنے جانے میں قاصر رہتی کتنی پھر بھی موقعہ ملنے پر وہ آتی تھی۔ اُس نے متحیر ہو کر گال پر ہاتھ رکھکر کہا۔ دیس۔ دیس کے لوگ آئے صرف وہی نہیں آئے۔ بات کیا ہے بتا تو سہی۔ کہیں وہاں کوئی دوسری شادی تو نہیں کر لی۔ شادی!!! اگر یہ بھی کر سکتے۔ تو بھی کسی قدر تسلی ہوتی ——— وہ خود تو سکھی ہوتے بانی اگر دکھ پاتی۔ تو وہ بھی برداشت کر لیتی۔ صرف یہی نہیں۔ وہ تو میری کوئی خدمت قبول کرنے پر تیار نہیں۔ انسانی زندگی کی کوئی خواہش بھی وہ اُسکے ظلم سے پوری نہیں کر سکا۔ سر جھکا کر بانی نے ایک یاس انگیز مسکراہٹ ہنستے ہوئے کہا۔ ہائے!!

موسم سرما کے ذرا انتہا میں منتشر ہو کر سردی کا اظہار کرنے لگے۔ پالا پڑا۔ درختوں کے پتے پالے سے جل کر گرنے لگے۔ پھول مرجھا گئے جلے ہوئے پتے قطرات شبنم سے تر بتر ہو کر ساتھ ساتھ مٹی میں ملنے لگے۔ مندر کے وسیع دالان میں بانی بیٹھی ہوئی گیندے کی کلیوں کا ہار گوندھ رہی تھی۔ اور سوچتی جاتی تھی۔ اس سردی میں کتنے بیکس اور مفلس سردی سے کانپ رہے ہیں۔ ان غریبوں کے پاس کپڑا نہیں ہے اور میں شال دوشالے اوڑھے بیٹھی ہوں۔ اُس نے منادی کرا کے مفلسوں کے درمیان گرم کپڑے تقسیم کئے۔ مفلسوں کو دیکھ کر آج کل اُسکی آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے۔ اسی وجہ سے وہ چاہتی تھی۔ کہ وہ جتنی بھی خدمت کر سکے۔ کرے۔ اُسکا شوہر غریبوں کے لئے اپنی زندگی کا بہترین وقت خرچ کرتا ہے۔ اور وہ خود بھی غریب ہے۔ بانی کیا اسے دم بھر کے لئے بھی بھول سکتی ہے؟

سردی کا زور کم ہوا۔ بسنت آیا۔ تمام دنیا میں جیسے ایک نئی زندگی آگئی۔ پتوں سے خالی درختوں میں نئی نئی کونپلیں پھوٹیں۔ بعض بعض درختوں میں پتوں کے ساتھ ہی

پھول بھی کھلے۔ بہار نے اپنا دروازہ کھول دیا۔ پھولوں کی بوئے خوش میں دنیا بسی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ دن بہت سہاونے اور رات نہایت خوشگوار معلوم ہوتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دکھ سے ستاتی ہوئی ہستیوں کے مقدر میں سکھ نصیب ہوا ہے۔ بانی نے سوچا۔ یہ کیسی تبدیلی ہوگیا۔ وہ مٹی میں مل گیا۔ یہ نئی نئی چیزیں۔ پھل۔ پھول پتے کیا اسی کے بدلے — یہ تو از سر نو تبدیلی آگئی۔ اُف! کیسی تبدیلی!!

اُس نے باپ کے پاس جا کر کہا:- بابو جی! میں تالاب کھودانا چاہتی ہوں۔ گاؤں کی ندی دور ہے۔ سمجھے تالاب بنوا دو۔ سنتا ہے تالاب بنوانے سے بڑا پنیہ ہوتا ہے۔"

رما بلبھ نے مسرت آمیز لہجہ میں جواب دیا۔ بیٹی! اب تیرا ہی ہے۔ جو جی چاہے کر۔

بانی کے دل میں پنیہ کی لالچ نہیں تھی۔ غریبوں کی حالت زار نے کہا کر ہی اُسے یہ تجویز سوجھی تھی۔ وہ ہر وقت یہی سوچتی تھی۔ انبر ہوتا۔ تو کیا کرتا؟ اُس نے شوہر کے تصور اور اُنکی تقلید میں یہ کرنا سوچا تھا۔ انبر تے ناتھ کے تمام حقوق میں صرف یہی حکم اُس کے لئے گویا سب کچھ تھا۔ اُس نے بہت غور و خوض کرکے یہ سوچ نکالا تھا۔

خوب زور شور سے تالاب کے کھودنے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ بنگال میں جیٹ کی سنکرانت کا دن خاص طور پر بہت مقدس خیال کیا جاتا ہے۔ اُسی دن تالاب میں پانی نکلا۔ بانی نے برت رکھکر شادی شدہ۔ کنواری لڑکیوں اور برہمنوں کو کھلایا۔ پلایا۔ کپڑے تقسیم کئے۔ اور ہر طرح سے اُنکی خدمت کی۔ دل کا بار جیسے کسی قدر کم ہوا۔ کبھی کبھی اُس کے رخساروں پر آنسو گرتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ پہلے چھوت کے خیال سے وہ کبھی کسی لڑکے تک کو بھی نہیں چھوتی تھی۔ اس وقت سوچتی تھی۔ کاش! اُسکے بھی ایک چھوٹا سا بچہ ہوتا۔ یا بہن ہوتی۔ بیاننے کی اُمید نہ دیکھکر انسان کا دل کچھ دینے کی خواہش کرتا ہے۔ بغیر لئے دیئے شاید انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ وہ بچوں کا منہ دیکھکر اُس میں بال گوپال کے امرت سروپ کا درشن کرتی تھی۔ اُنکو پیار کرکے دل میں سوچتی تھی۔ گویا خاص اُن کی پوجا کر رہی ہوں۔"

اِسی طرح اُسکی زندگی میں ایکساتھ ہی دو روشنی جلوہ فگن تھیں۔ ناری جنم کا

سار دھرم تپی پریم ہے۔ اور اس کے بعد بھگوت پریم۔ اُس نے سوچا تھا۔ پہلا پریم دوسرے پریم کا زینہ ہے۔ اسی لئے اِسکو چھوڑ کر دوسرے پر قدم رکھنا سراسر غلطی ہے۔ اس محبت میں سب سے پہلے خود غرضی کی جڑ پر کلہاڑی لگائی جائیگی۔ خود غرضی کے بعد پھر اپن پا کی جڑ کٹیگی۔ پھر وشوناتھ کے درشن ہونگے۔ مندر کے پجاری پر بھکتی رکھ کر اُس نے جو نہ پایا تھا۔ اِس نئے راستہ میں گامزن ہوتے ہی اُس نے اُس سے کہیں زیادہ اکتساب فیض کیا۔ بار احسان سے اُسکی گردن خمیدہ ہوگئی۔ اُس نے دِل ہی دل میں بار بار پتی کا نام کر کے سوچا سوامی ستری کا گورو کیوں ہے۔ یہ میری سمجھ میں آج آیا۔ اِس طرح مجھے یہ تعلیم اور کون دے سکتا تھا؟"

دُکھ میں سُکھ کا تصوّر کر کے وہ انہیں دونوں کے سایہ میں دِن کاٹنے لگی۔ صُبح کے وقت مندر میں جاکر وہ پُوجا کا تمام سامان تقریباً اپنے ہات سے کرتی تھی۔ اِس کے بعد دروازہ بند کر کے پدم آسن لگا کر پدم پلاش نوچین کا تصوّر کرتی۔ نہایت بھکتی و عقیدت سے دِل ہی دل میں کالی ماتا کے چرنوں میں وہ رکت جوا کے پھول چڑھاتی تھی۔ اِس سے پہلے اِس خاندان میں کوئی بھیل پتر کا نام بھی نہیں لیتا تھا۔ رکت جوا کے پھول کا تو کیا ذکر! جوا کے پھول پر جو واقعات ظہور پذیر ہوئے تھے۔ اور جیسی بے لُطفی ہوئی تھی۔ آج بھی یاد آتے ہی بانی کی خواہش ہوتی تھی۔ کہ وہ اپنی زبان خود ہی اپنے ہات سے کھینچکر پھینکدے"

اِس طرح کتنے ہی دن گذرے۔ بانی کی شادی ہوئے دو برس پورے ہوئے۔ جس تاریخ کو اُسکی شادی تھی۔ وہی تاریخ دُوسری بار آئی۔ اُس رات کو اُسی شادی والے گھر میں پلنگ پر وہ اکیلی سوئی تھی۔ تمام رات بستر پر پڑے پڑے تڑپتے صُبح کا تارا دکھائی دیا۔ جب ہی دلپذیر نظارہ دیکھنے کے فضول انتظار میں مسند کی طرف وہ نہایت بیچینی سے دیکھنے لگی۔ اُسی وقت دو سال سے وہ خالی جگہ ناامیدی سے بھرا ہوا بستر دیکھکر اُسکے خوابیدہ دِل میں جیسے ایک زبردست چوٹ لگی۔ وہ نہیں — وہ نہیں!

بانی پھر بے چین ہوکر رونے لگی۔ دو سال پیشتر کا نظارہ آج پھر از سرِ نو ایک نئے لباس میں اُسکے دل کو بیچین کئے دیتا تھا۔ ہائے! تمام زندگی کے بدلے اگر ایکبار بھی وہ اُس

دن کو واپس لاسکتی! مگر یہ بڑی دُکھ دینے والی بات تھی۔ گذرا ہُوا دن پھر نہیں واپس آتا۔
بانی اسی طرح اپنے دن کاٹنے لگی۔ موسم برسات شروع ہونے سے پیشتر تالاب تیار ہو چکا تھا۔ اور گھاٹ بھی تعمیر ہو چکے تھے۔ اِس خوشخبری سے وہ پھُولی نہ سمائی۔ جیٹھ کی شریر دھوپ کا بھی خیال نہ کر کے اُس نے "ساوتری برت" دھارن کیا۔ یہ برت نہایت سخت تھا۔ کتنے ہی دن بغیر دانہ پانی کے رہنا پڑتا تھا۔ جا بجا سبیلوں پر گرمی سے ستائے ہوئے مسافر اپنے خشک گلے کو تر کر کے بانی کو آشیرباد دیتے تھے۔ یہی آشیرباد کی آوازیں جب بانی کے کان میں پہنچتیں تھیں۔ تو وہ ایک سرد آہ بھر کر یہ سوچتی تھی اِن تمام کے مستحق وہی ہیں۔ کاش کسی طرح یہ سب اُن کے گوش گذار ہو۔ پہلے میں کیا کبھی کسی کی پرواہ کرتی تھی۔ اور دُوسروں کے دُکھ سے دُکھی ہوتی تھی!

اسی طرح رفتہ رفتہ اُس نے سب کے لئے محبت اور ہمدردی کا خزانہ کھول دیا۔ مگر اپنے لئے وہ ذرا بھی مایا موہ سے کام نہ لیتی تھی۔ وہ اپنے آپ کو اِس قدر مصروف رکھتی تھی۔ کہ اُسکی زندگی تپسّویوں کے ہم پلہ نظر آتی تھی۔ ریاضت کی آگ میں جلنے لگی۔ اُسی آگ میں ہری بلبھ۔ رما بلبھ اور کرشن پریا کی پیاری رادھا رانی جل جل کر خاک ہونے لگی۔ اُسی تو وہ خاک نے بعد میں شوہر کی محبّت کے آبحیات میں نہا دھو کر اور دُور اُفتادہ اسیر ناتھ کے منتر کے زور سے اُس پاکیزہ صفات برہمچارنی نے محبّت اور رحم کی ایک جیتی جاگتی مُورتی پیش کی۔ بانی اب راج نگر کے زمیندار کی لڑکی نہیں۔ وہ ایک دُکھی درد سے ستائے ہوئے شخص کی دُکھیاری بیوی ہے اور ماں کے سایہ سے محروم ہے۔

بتیسواں باب

برسات کے موسم میں طغیانی کو گود میں لئے ہوئے چترریکھا ندی اپنی اُسی قدیم چال سے رواں دواں تھی۔ گنجان بادلوں نے درختوں کے سر پر سیاہی سی لگا دی تھی۔ دریا کے کنارے سفید بگلوں کی قطار دُور سے چھوٹے چھوٹے ستاروں کی طرح نظر آ رہی تھی۔ بانی بادلوں کی طرح سر پر بینی لگائے دریا کے کنارے محوِ خرام تھی۔ پران نامی مچھوا ہے تے

اُسے بار بار جُھک کر پرنام کیا اور کہا کہ امبر ناتھ کیساتھ اُسکی بہت کچھ واقفیت ہے جیسے کسی کو اپنے مُلک کی آزادی مِلنے سے خوشی ہوتی ہے۔ اُس سے یہ خبر کچھ کم نہ معلوم ہوئی۔ گھر میں واپس آکر بھی بانی یہی سوچ رہی تھی۔ انسان کو پیار کرنے سے کس قدر سُکھ ملتا ہے! ۔ سُکھ یا دُکھ؟ ۔ نہیں۔ سُکھ! سُکھ ہونے میں شک ہی کیا ہے؟ جس سُکھ کو ہم محسوس نہیں کر سکتے۔ اُس سے کہیں بہتر وہ دُکھ ہے جس کا احساس ہمیں ہوتا ہے۔ پیدائشی اندھا ہونیکی نسبت روشنی کو دیکھکر اندھا ہونا ہزار درجہ بہتر ہے۔ ورنہ لامحدود تاریکی میں وہ بدنصیب اندھا کس نورانیت کا تصور کریگا۔

چھت پر شبنم پڑی ہوئی تھی۔ کھڑکی میں اُسی طرح صاف شفاف موتیوں کی مالا الجھی ہوئی تھی۔ بانی نے اُسی کھڑکی سے ایکبار دُور کے نیلگوں درختوں پر نظر ڈالی۔ بارش ہو جانیکے بعد نکھرے آسمان پر دھوپ نے قوس قزح کا نقشہ نمایاں کر دیا تھا۔ اُس روشنی میں سامنے کی دیوار پر آویزاں ہری بلبھ بابو کی روغنی تصویر جاندار معلوم ہوتی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ تصویر کے پاس آگئی۔ اُس محبت سے بھرے ہوئے چہرے کیطرف ٹکٹکی لگا کر دیکھتے ہوئے بانی کو ایسا معلوم ہوا۔ کہ وہ تصویر زبانِ حال سے مجھ سے کچھ دریافت کر رہی ہے۔ وہ سوال کیا ہے؟ شرم سے بانی آنکھ سے آنکھ نہ ملا سکی۔ اُسے یاد آیا۔ دادا بابو نے رما بلبھ سے کہا تھا کہ "ہماری بانی ستی ماں کی لڑکی ہے جس شوہر کے پلے پڑیگی۔ اُسی کو دیوتا تصور کرے گی۔ پھر اِس قدر نقص نکالنے کی کیا ضرورت ہے؟" رما بلبھ نے جواب دیا تھا۔ کیا یہ بھی ممکنات سے ہے؟

اُس نے سر بسجود کر اُس تصویر کو پرنام کیا اور منت آمیز لہجہ میں کہا:۔ دادا بابو! تم نے تم نے جو کچھ کہا تھا۔ بہت ٹھیک تھا۔ اُسوقت جب تم نے یہ بات کہی تھی مجھے غصہ آیا تھا۔ مگر میں نے اُسوقت یہ نہیں سمجھا تھا کہ تم مجھ سے بہت بڑے ہو۔ بہت گیانی ہو۔ کاش تم زندہ ہوتے تو ایسا کبھی نہ ہوتا۔

بانی کا دل آج کل بہت شوخ ہو گیا تھا جب اُس نے خط لکھا تھا۔ اُسکے بعد متواتر پانچ چھ ماہ تک امبر ہفتہ وار رما بلبھ کو خط لکھتا تھا۔ اُس سے صرف خیریت معلوم ہوتی رہتی تھی

کسی نہ کسی طرح رما بلبھ بابو اپنے دل کو تسلی دیتے رہتے تھے۔ اِسکے بعد رفتہ رفتہ خطوط کی تعداد میں کمی آتی گئی ــــ اور آخر میں یہ حالت ہو گئی کہ دو دو مہینے تک کوئی خط ہی نہ آتا تھا۔ رما بلبھ نے ایکبار ایک شخص کو بھیجکر امبر ناتھ کی خیر و عافیت دریافت کی۔ اُس نے آکر بتایا "امبر ناتھ کی حالت بہت خراب ہو گئی ہے اور وہ نہایت نحیف و لاغر ہو گئے ہیں۔ میرے بار بار دریافت کرنے پر اُنہوں نے کہا "ہمیشہ کسی کی حالت یکساں نہیں رہتی۔ میں بہت اچھا ہوں۔ کام بکثرت ہے اِسلئے نہیں جا سکتا۔"

رما بلبھ نے یہ سُنکر رادھا رانی سے کہا "بانی! آؤ بیٹی! ہم لوگ وہاں چلیں۔"

بانی نے دونوں ہات جوڑکر کہا۔ "بابو جی! ٹھاکر دیوتا کو چھوڑکر اِسوقت کہاں جاؤں؟ کل جنم اشٹمی ہے۔ اِسکے بعد رادھا اشٹمی ہے۔ اِسکے بعد جھولے ہیں۔ اِسکے بعد پھر رال کی پرستش ہے۔ ابھی ٹھہرو۔"

جانے کی تو کوئی تدبیر نہیں ــــ وہ کیونکر جائیگی؟ شوہر کے دھرم میں خلل انداز ہونا عورت کا فرض نہیں۔ وہ کیا معمولی اور اونچ نیچ نہ سمجھنے والی عورت کی طرح اپنے مہرشی سوامی کی ریاضت میں رخنہ انداز ہونے جائیگی؟ گوپی بلبھ! اِس گراوٹ کے زبردست راستہ میں اُسکی حفاظت کرو۔

بالآخر ایک دن یکایک بادلوں سے گھرے ہوئے آسمان پر بجلی چمکی۔ امبر ناتھ کے پاس سے خط آیا۔ "بہت دنوں سے خط وغیرہ نہیں لکھ سکا۔ کئی دنوں سے اِس خط کو لکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ مگر جسمانی تکالیف کی وجہ سے اِسے ختم نہیں کر سکا۔ آج تہیہ کیا ہے۔ اِسے ختم کرنا ہی ہوگا۔ ورنہ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ شاید پھر لکھنے کا موقع نہیں ہات آئے گا۔"

آپ نے غور کیا ہوگا۔ اِدھر میں باقاعدہ خط نہیں لکھ سکا۔ آج میں آپکے حکم کے بموجب اسکا مفصل سبب عرض کرونگا۔

آپکا خیال بجا ہے۔ میری طبیعت بہت خراب ہے۔ اتنی خراب۔ کہ کروٹ لینا محال ہو رہا ہے۔ میں خوب جانتا ہوں۔ اور دیکھ رہا ہوں کہ آسام کی آب و ہوا اور یہاں کے بخار نے مجھے بالکل گھلا دیا ہے۔ اور میں قریب المرگ ہو گیا ہوں۔ اِسی وجہ سے میری تمام توجہ

متعلقہ کاروبار کیطرف بھی بجائے مجھے تقریباً ہر وقت رہتا ہے جب تک جان میں جان ہے۔ اپنے فرائض انجام دیتا رہونگا۔ اسی مصروفیت اور علالت کے باعث وقت پر خط نہیں لکھ سکا۔ براہ بزرگانہ میرا قصور معاف فرمائیگا *

آپکے چرنوں میں میراکوٹ کوٹ پرنام! آپ نے مجھے بہت کچھ دیا ہے۔ اِس حقیر زندگی کی بہت سی خواہشوں کی تکمیل آپکی مہربانیوں سے ہی ہو سکی ہیں۔ ورنہ مجھ جیسے بے زر بے گھر۔ بے در کا ٹھکانہ دُنیا میں کہاں تھا؟ کوئی بھول کر بھی تو میری طرف نہ دیکھتا۔ میں نے نادانستگی میں جو قصور کیا ہے۔ اُسکے لئے ہاتھ جوڑکر معافی کا خواستگار ہوں۔ لڑکا سمجھ کر معاف کر دیجئے گا *

آپکو وہ خبر نہایت دُکھ پہنچائے گی یہی لکھنے بیٹھا ہوں۔ مگر اسوقت بھی ہمت نہیں ہوتی مگر نہ لکھنے سے بھی نہیں بنتا۔ اِسی وجہ سے لکھتا ہوں۔ میرے اِس خط کا جواب نہ دیجئیگا۔ جواب دینا فضول ہے۔ کیونکہ مجھے وہ نہیں مل سکیگا۔ میری جسمانی حالت بہت خراب ہے۔ ڈاکٹر نے کہا ہے۔ کہ زندگی کی کوئی اُمید باقی نہیں۔ دو تین دن میں رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر جائیگی۔ یہ دو تین دن کسی نہ کسی طرح تو کاٹنے ہی ہونگے۔ مالک کے چرنوں کا دھیان کرتے کرتے اگر یہ دن گذر جائیں۔ تو کیا کہنا ہے۔ معلوم نہیں۔ میری یہ خواہش بھی پوری ہو سکیگی۔ یا نہیں۔ آپ لوگوں میں سے کوئی میرا خط پاکر یہاں آنے کی تکلیف گوارا نہ فرمائے کیونکہ مجھ سے ملاقات ہونا اب غیر ممکن ہے۔ اِسلئے دیا کر کے تکلیف نہ اُٹھائیگا۔ یہی میری آخری استدعا اور التماس ہے *

سیوک۔ شری امبر ناتھ"

رما بلبھ نے وہ خط شروع سے آخر تک پڑھا۔ جب بانی آئی۔ تو وہ باپ کا متفکر اور دردِ الم میں ڈوبا ہوا چہرہ دیکھکر خوف سے دنگ رہ گئی۔ بابوجی! یہ کیا؟ کیا ہوا؟ یہ کہکر جلدی جلدی اُسنے دیوار پکڑ لی۔ کسی لا معلوم مصیبت کے خوف سے اُسکا سر چکرانے لگا *

رما بلبھ کے مُنہ سے بات نہیں نکلی۔ فالج کے مریض کی طرح اُسکا دِل اندر ہی اندر بیٹھ گیا اُنکی نگاہیں صرف خط پر تھیں۔ بانی نے بغیر کسی جھجک کے وہ خط اُٹھا لیا۔ اُسی خط کے ساتھ بانی کے نام کا بھی ایک خط تھا۔ رما بلبھ نے اُسے نہیں دیکھا تھا۔ بانی پڑھنے لگی۔ لکھا تھا۔

"اُس دن تمہارے دردانگیز خط کا جواب نہیں دے سکا۔ آج لکھتا ہوں۔ باپ کے خط سے تمہیں تمام حالات معلوم ہو گئے۔ اسی وجہ سے اُن باتوں کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں سمجھتا۔ زندگی میں مینے جو کچھ قصور کیا ہے۔ اُسے معاف کرنا تمہاری دلبستگی اور یکسوئی دیکھکر میں نے دل سے تمہاری عزت کی تھی۔ میں جاہل ہوں عقل کے فتور سے مینے اُس عقیدت کو صدمہ پہنچایا۔ وہ تمام باتیں آج بھی یاد آ کر دل کو جیسے مسوس لیتی ہیں۔ ناقابلیت کی موجودگی میں کوئی زبردست بار اپنے سر لینا نامناسب ہے۔ اِس سے میں نے یہی نصیحت سیکھی ہے۔ میری نادانستگی کا قصور معاف کرنا۔

اِسکے بعد آج ایک بات کہونگا۔ اِس احسان کو اگر قبول نہ کروں۔ تو سراسر بے انصافی ہوگی۔ یہ خط اسکا دیباچہ سمجھو۔ مگر کیا اس سے ہماری شرط فسخ تو نہیں ہوگی؟ اگر ایسا ہوا تو مجھے نرک میں بھی جگہ نہیں ملیگی۔

وہ بات یہ ہے۔ مینے تم سے ہی مورتی پوجا سیکھی تھی۔ پہلے مینے سوچا تھا۔ وشوناتھ کے مندر میں ہی پوجا کرنا مناسب ہے۔ مگر بعد ازاں سمجھ میں آیا۔ کہ یہ میری ہی غلطی تھی۔ وشوناتھ کی پوجا تو تمام دنیا کر رہی ہے۔ مگر شوخی پسند انسان کا چنچل دل سکون پذیر نہیں ہوتا۔ اِسی وجہ سے اپنے دل کو ایک خاص راستہ میں لیجانے کیلئے اور اُس کو یکسو کرنے کی خاطر ہم لوگوں کو مورتی یا کسی خاص خیال کی ضرورت ہے۔ جبتک کوئی زندہ مورتی اِس میں خاص طور پر مددگار ثابت ہوتی ہے۔ اِس سے یکسوئی ہوتی ہے۔ اِس سے یکسوئی ہوتی ہے۔ جب اِس وسیع کائنات میں تمام اُسکے روپ ہیں۔ تو اگر اُن کے ایک روپ کی پرستش کیجاتی ہے۔ تو اس میں ہرج ہی کیا ہے۔ اُسکا سر پاؤں۔ اور ہاتھ کی انگلیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اچھا اب مجھے ایک اور بھی آخری بات کہنی ہوگی۔

میرے دل میں آتا ہے۔ مندر کی پوجا میں کچھ ایسی چیزیں مہیا ہو گئی تھیں۔ جنکی وہاں ضرورت نہیں تھی۔ سدیو تا کے نام پر ایسی چیزیں وہاں لانی سراسر ناانصافی تھی۔ اُس وقت میرے دل میں یہی خیال آیا تھا۔ ایشور کی پوجا یا بیسماں۔ شوہر یہ سب نہ غرض کسی نام سے کرو۔ کوئی ہرج نہیں۔ جیسے اپنے عزیز یا اقارب کے درمیان تکلفات کی ضرورت نہیں۔

اُسی طرح وہاں بھی تکلفات سے سروکار نہ ہونا چاہئیے۔ تم ہر شئے کی قابلیت کو تسلیم کرتی ہو
دولت کی موجودگی میں سادگی کا ہونا ممکنات سے خالی نظر آتا ہے۔ میں اس امر کو تسلیم کرتا
ہوں۔ کہ جو دولت مند اپنی دولت کا کچھ حصہ بھی دیوتاؤں کیلئے صرف کرتا ہے۔ اسکا اثر
ضرور ہوتا ہے میرا خیال ہے۔ کہ اگر مندر میں آرائشات سے کام نہ لیا جائے۔ تو اسکی سادگی
دلوں کو زیادہ فیض پہنچا سکتی ہے۔ اسقدر سونے۔ چاندی اور زر و جواہر سے کتنے لوگوں
کا بھلا ہو سکتا ہے اسکی کوئی انتہا نہیں۔ میرے دل میں جسقدر خیالات آئے تھے۔
انہیں بلا کم و کاست اس خط میں بیان کر دیا۔ اگر ان چند کلمات سے تمہارے دل کو کچھ
ملال پہنچے۔ تو اپنی عالی ظرفی سے مجھے معاف کرنا ۔

اب رخصت! میرے دل میں کسی قسم کی غیر آسودگی نہیں۔ تمہاری دیا سے اس زندگی میں
بہت کچھ پایا۔ ایشور جانتا ہے کہ میں تمہارا کس قدر مقروض ہوں۔ میری موت سے تمہیں
دکھی ہونے کی ضرورت نہیں۔ صرف ایک وشواسی اور اپنا خیر طلب سمجھنا — کبھی کبھی مجھے یاد
کر لینا۔ تمہارے وشواس کی حفاظت کرنے میں کامیاب ہوا ہوں نہ غلطی سے۔ میری موت
کے بعد لوگ تمہیں بدنام کرینگے ممکن ہے۔ سماج کے اصولوں کے مطابق تمہیں کچھ دکھ
بھی اٹھانا پڑے۔ مگر میں جانتا ہوں۔ تم ہمیشہ سے سنتوش ہو۔ بھگوان نے تمہیں دل
دیا ہے۔ وہ کبھی بھی [illegible] کے زیر اثر نہیں آسکتا ۔

تمہارے رو برو میرا ایک آخری اصرار ہے۔ اگر بابوجی تمہیں ساتھ لیکر یہاں آنا چاہیں
تو تم کسی طرح بھی آنے پر تیار نہ ہونا۔ اس جنم میں تم نے کبھی اور کوئی اصرار نہیں کیا — کرو گی
بھی نہیں۔ بس یہی ایک التماس ہے۔ ایشور تمہیں سکھی رکھیں ۔

— تمہارا دائمی خیر طلب۔ [illegible] —

خط ختم کرنے کے بعد بانی خاموشی سے بیٹھی رہی۔ ایک برس پیشتر اسی آخری ملاقات
کے دن وہ تنہا [illegible] پیچھا [illegible] کر گری تھی۔ اور جگر سوز آواز سے چلا چلا
کر روتی ہوئی اسنے بیچین دل سے اسے پکارا تھا۔ مگر آج وہ دن نہیں تھا۔ آج اس
زبردست تکلیف نے جیسے اسے پتھر میں تبدیل کر دیا تھا۔ تمام جسم میں ایک

درد انگیز اور دلسوز ہلچل مچ گئی تھی۔ خون کی گردش بند ہوگئی تھی۔ اور چہرہ سادہ کاغذ کی طرح بالکل سادہ ہوگیا تھا۔ وہ اِسے جان بھی نہ سکی۔ وہ صرف ایک نگاہ سے ٹکٹکی لگائے ہوئے اُسی خط کو جو اُسکے شوہر کا پہلا اور آخری خط تھا۔ دیکھتی رہی۔

وہ بستر موت پر دراز ہے اور اُس نے وہاں آنے سے بھی منع کیا ہے آخری ملاقات سے بھی محروم رہے۔ اُسکا شوہر آسام کے جنگلوں میں موت کی حالت میں بیکس و بے بس لوگوں کی طرح پڑا ہوا ہے — اور وہ یہاں اُسکے موت کی خبر کا انتظار کرکے بیٹھی رہیگی؟ بھگوان! بھگوان! یہ کیسی سزا ہے! یہ کیا پرائشچت ہے؟ گوشت و پوست رکھتے ہوئے کیا یہ کوئی — خواہ وہ کتنا زبردست پاپی کیوں نہ ہو — برداشت کر سکتا ہے؟

دلی تکلیف سے اُسکے زرد ہونٹ کانپ رہے تھے۔ جان سے خالی غیر متحرک جسم میں صرف یہی ایک زندگی کا نشان ہے! — میری موت سے دُکھی نہ ہونا۔ لوگ تمہیں ودھوا کہینگے لیکن میں سمجھتا ہوں۔ تم ہمیشہ کی سدھوا ہو۔ ... تم کسی طرح ودھوا نہیں ہو سکتیں!

بھگوان! یہ کیسا تجزیہ گھات ہے۔ اِس صفحۂ ہستی پر جو اُسکے تصور کی صرف اکیلی [illegible] تھی۔ جسکے لئے اُسکی یہ سنسار کی زندگی تھی۔ وہ اسوقت پھولوں کے عوض کانٹوں میں تُل رہی ہے۔ اور جگر خراش درد اُسکے دل کو داغدار بنائے دے رہے ہیں۔ وہ آج اُسی دُنیا سے ہمیشہ کیلئے رخصت ہونے کی خبر سنکر دُکھی نہیں ہوگی۔ اور یہ آخری بات وہ کہہ گیا!

پرتھوی! ہائے! اِس ہزاروں اُمیدوں اور اشتعال انگیز جذبات بھری ہوئی دُنیا میں وہ اور کتنے عرصہ تک رہیگی؟ وہی خوبصورت مورتی — وہ قیمتی جان — وہ اور کس قدر کم عرصہ میں اِس دُنیا کے سخت اور مشکل مٹی کے ساتھ مل جائیگی! وہ بیوہ نہیں ہوگی — صرف لوگ ہی کہینگے؟ یہ بات اُس نے اچھی طرح ذہن نشین کرادی تھی — کہ وہ فی الحقیقت اُسکی بیوی ہے — دھرم تبدیلی نہیں۔ صرف دُنیاوی پابندیوں اور قواعد سے جکڑی ہوئی وہ بندھن کٹ گیا۔ یہ کیا ہو گیا؟ اُسکی شادی صرف دُنیاوی نقطہ نگاہ سے ہوئی تھی؟ اور کچھ نہیں — اُنہوں نے سٹیشن پر "میری بیوی" کہکر مجھے قبول کیا تھا۔ یہ بھی کیا محض دُنیا کا دکھاوا تھا؟ اگر یہی ہو۔ اور وہ اقرار صرف کہنے سننے کی بات تھی۔ تو وہ آواز دل کے پردہ

میں گھس کر ساز دل پر کیوں ایک ایسا نغمہ بجا گئی جس سے پیار محبت اور شادی دیوی کے فرائض کی طرف میری توجہ منعطف ہوئی؟ اور وہ جو شادی کا منتر تھا۔ وہ بھی محض دکھاوا تھا جس کے اثر نے اُس شخص خرم تحواہا گن کو اپنے زیر اثر لا کر اُسکی تمام نفرت کو دُور کر کے واسی کا جذبہ پیدا کیا۔ کیا وہ بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتا؟ کیا یہ تمہارے فریب دھوکے سے خالی دل کی خواہش تھی؟ یا جان بوجھ کر تم نے اُس کے مظالم کی سزا اپنی بیوی کو دی ہے؟ کہاں — یہ تو کہیں نظر نہیں آتا۔ صرف ایک تکلیف — اور الجھن! اُف! یہ ناقابل برداشت ہے جنم بھر کے لئے رخصت — یہ جان کر بھی نہیں گیا۔ اُسی بدنصیب سنگدل نے تمہیں سکھی نہیں کیا۔ اِسی وجہ سے جنم بھر کے لئے پرائشچت کرنیکی خاطر اور اُس شعلہ زن آگ میں جل جل کر خاک ہونیکے لئے وہ زندہ رہی۔ تم نے ایکبار بھی نہیں سُنا۔ کہ وہ آج تمہیں کس قدر پیار کرتی ہے۔ آؤ جی! آؤ۔ جاؤ نہیں۔ سُننے جاؤ۔ تمہیں اُسکے سب کچھ ہو۔ لوک پرلوک کی مُکتی ریاضت۔ غرض جو کچھ ہو تمہیں ہو۔ صرف اس عہد کی وجہ سے اتنے دنوں تک اس ہچکی کو دبائے رہی۔ اُسکا اظہار نہیں کر سکی۔ ورنہ اِس غرور سے بھرے ہوئے دل کو کبھی کا تمہارے چرنوں میں ارپن کر کے رو رو کر کہتی۔ مجھے بھی اپنے چرنوں میں جگہ دو۔

مگر آج سب فضول ہے۔ صرف وہ نہیں ہے۔ اس دُنیا کی تمام چیزیں ویسی ہی ہیں۔ صرف اِسکے درمیان اُسکی جگہ ہمیشہ کیلئے خالی ہو گئی۔

رما بلبھ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے بولے۔ بیٹی! چلو ہم لوگ اُس کے پاس چلیں۔ یہاں کیسے رہ سکینگے؟

باتی کی آنکھوں میں آنسو نہیں آئے۔ اُسکے دل کا ایک ایک حصہ جیسے برف کیطرح سرد ہو کر جم گیا تھا — وہ باپ کے چہرے پر مایوسانہ نگاہیں ڈال کر اُنہیں سُرخی سے خالی ہونٹوں کو جنبش میں لا کر بولی: — بابوجی! میں کیسے جا سکتی ہوں۔ اگر جانا ضروری سمجھتے ہو — تو تم ہی جاؤ"۔

ایک بات — صرف ایک آخری خواہش، اُسکی اُمید سے خالی تاریکی میں بجلی کی روشنی

کی طرح دم دم پر متحیر کر دیتی تھی۔ اُسی اُمید سے ـــ شاید وہ اب تک زندہ ہے۔ ممکن ہے اس سفر سے اُسکی جان بچ سکے۔ ایک خط میں تمام باتیں مفصل طور پر لکھکر اُسکے پاس جانے کی اجازت کی درخواست کیجائے گی ـــ اگر وقت رہا۔ تو بہت بہتر۔ اگر دُوسری صورت ہُوئی پھر بھی تو موت سے پیشتر وہ جان جائیگا۔ کہ اُسکی بیوی اُسے پیار کرتی ہے ـــ جان سے زیادہ پیار کرتی ہے ؛

کانپتے ہوئے ہاتوں سے بہت مشکل سے یہ فیصلہ کر کے وہ خط لکھنے بیٹھی ـــ پہلے خط میں اُس نے زبردست محبّت کے زیر اثر آکر اپنے خانۂ دل کے تمام بند دروازوں کو کھول دیا۔ اور ایکبار اپنے عورت کے دل کو اچھی طرح بے لگام چھوڑ دیا۔ اُسے دل اور جذبات سے کتنی جنگ و جدل کرنی پڑی۔ وہی منتر کی طاقت ـــ شادی کا مکان ـــ رُخصت ـــ اسکے بعد سب کے سامنے جیل میں مُلاقات۔ اُس کے مُنہ سے وہی "میری بیوی" کا اقرار۔ یہ تمام دنوں کی تمام باتیں اُس نے اپنے صفحۂ دل پر انہیں تصویر کی طرح منقش کر لیا۔ آنسوؤں کی دھار سے نیم مرطوب کانپتے ہوئے قلم کی وہ تحریر صفحۂ کاغذ پر ایک رقت اثر افسانۂ زندگی کی طرح نمودار ہو اُٹھی تھی ؛

مگر وہ خط نہیں بھیجا جا سکا۔ یکایک اُس کے دل میں خیال آیا۔ کہ جب یہ خط وہاں پہنچے گا۔ اُسوقت شاید اُسکی جسمانی حالت اور بھی خراب ہو سکتی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اُس لاغر و نحیف جسم میں یہ دردانگیز الفاظ زخم پر نشتر کاری کا کام کریں۔ اور آخری وقت جانکاہ جگر ریز اور دردانگیز ثابت ہو ؛

خودغرضی کے نشے میں چور بانی آج ممتا ہی پتنی ہو گئی تھی۔ اپنے سُکھ سے کہیں زیادہ وہ شوہر کے سُکھ کیلئے بیچین تھی۔ نہیں۔ اُسکا آخری وقت شانتی سے گذریگا۔ اُسکا تو سب کچھ چلا جا رہا ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا ـــ

دل کو تھام کر اور کسی طرح جبر کر کے اُسنے اور ایک خط لکھا۔ اُسکا ایک حصہ یوں تھا۔

"تم نے مجھے وہاں آنے سے منع کر دیا۔ حکم عدولی کی طاقت مجھے نہیں۔ مگر تمہارے لئے میرے دل میں جو اعزاز و احترام ہے۔ اور جس بھگتی و پریم سے یہ دل سرشار ہو رہا ہے اُسے

تمہیں کیونکر دکھاؤں۔ تمہارا اتنی دور رہنا آج میرے لئے ناقابلِ برداشت ہو رہا ہے مہربانی کر کے مجھے اپنے چرنوں میں آنے اور سیوا کرنے کی اجازت دو۔ اِسکے بعد جو حکم دوگے سر جھکا کر بجا لاؤنگی۔ اپرادھنی بیوی کو اس آخری سُکھ سے بھی محروم نہ کرنا۔ ناتھ! میرا یہی آخری سُکھ ہے۔ کہیں میں اسے بھی نہ کھو بیٹھوں۔ شادی کے وقت منتروں کے ذریعہ تو تم نے یہ قبول کر لیا تھا۔ اس دُنیا میں میری بھی ایک آخری درخواست ہے۔ کیا اسے پُوری نہیں کرو گے؟

داسی راَدھا رانی"

بہت دیر ہوئی جب یہ خط انبرناتھ کی سنسان کُٹی میں پہنچا۔ اُسوقت وہ کُٹی سُونی پڑی ہوئی تھی۔ کہیں کوئی بھی نہیں تھا ॰

تینتیسواں باب

بانی کا پہلا خط جب انبرناتھ کے پاس پہنچا اس وقت وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں بخار کی تکلیف اور شدت سے بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ ملیریا کا زہر عضو عضو میں سرایت کر گیا تھا۔ پہلے کبھی کبھی اُسکا حملہ ہوتا تھا۔ اِس وقت مرض نے اچھی طرح اپنا تسلط اور اقتدار جما لیا تھا۔ اب کسی دوسرے حملے کی ضرورت نہیں تھی۔ تمام جسم میں جیسے کسی نے گاڑھی ہلدی کا لیپ کر دیا تھا جسم رہ رہ کر کانپ اُٹھتا تھا۔ تمام دن رات بیچینی میں بسر ہوتی تھی۔ اور عمرِ رواں کا آخری وقت آہستہ آہستہ آ رہا تھا ॰

جس جسم میں ملیریا نے اپنا عمل دخل کیا۔ اُس کی حالت ٹوٹے ہوئے مکان کی طرح ہو جاتی ہے۔ خواہ اُسکی کتنی ہی مرمت کرو۔ مگر وہ گرتا پڑتا رہتا ہے جب تک آب و ہوا تبدیل نہ کیجائے۔ فائدہ نہیں ہوتا۔ سُسر کے بار بار اصرار پر ایک ڈاکٹر بلایا گیا تھا انھوں نے بار بار کونین کی گولیاں کھلا کر طبیعت پریشان کر دی تھی۔ اِسی وجہ سے پھر دوبارہ اُنہیں نہیں بلایا گیا ॰

جب تک بخار کا زور رہتا تھا۔ اُس وقت تک بیچارہ لحاف اوڑھے پھٹے پُرانے بستر پر پڑا رہتا تھا۔ پیاس کی شدت کو روکتا تھا۔ لرزے کے زور سے تمام جسم کانپ اُٹھتا تھا۔

کوئی دوسرا شخص نہیں تھا جو منہ میں پانی ڈالے یا دبا کر لرزے کے زور کو روکے۔

اس کے بعد جب بخار کسی قدر کم ہوتا تھا۔ تو کسی دن کچھ پکا کر کھاتا تھا۔ بعض دن یونہی بغیر کچھ کھائے پیئے پوتھی پتّر اکھولکر پڑھنے لگ جاتا تھا۔ بستر پر پڑا اشٹ منتر کا جپ کرتا تھا۔ اور شاستروں کے وچار میں محو رہتا تھا۔ اور بسا اوقات متحیر شخص کی طرح ایک شخص کی بات بھی دل میں آتی تھی۔

اُس دن جب بخار کسی قدر کم ہوا۔ اور اُس نے آنکھیں ملیں تو دیکھا۔ شام کے جھٹپٹے میں روشنی اور تاریکی کے درمیان لفافہ کی طرح کچھ پڑا ہوا ہے۔ شاید خط ہے۔ اُس نے سر اٹھایا۔ کس کا خط ہے؟ کچھ سمجھ نہ سکا۔ تاہم کسی ایک اُمید بخش جذبے نے اُسے دم بھر کے لئے متحیر بنا دیا۔ رما بلبھ بابو کے خط کی آخری سطور میں وہ یہ خبر ضرور پائیگا کہ "رادھا رانی اچھی ہے"۔

صرف اسی قدر — اور کچھ نہیں! صرف خبر خیریت — جس کی خیریت کے لئے وہ آج اِس موت کے وقت بھی دُعا مانگ رہا تھا۔ اور اپنے تمام سکھ کو تلانجلی دے رہا تھا۔ وہ اور کیا چاہتا تھا صرف یہی چاہتا تھا۔ کہ سب اچھے رہیں۔ اس سے زیادہ کی ضرورت ہی کیا تھی؟

سر کا درد اس وقت بھی زور کا تھا۔ وہ اُٹھ نہیں سکتا۔ آنکھیں بند کئے پڑا تھا۔ اُس وقت بھی آنکھوں میں جیسے آگ لگی ہوئی تھی۔ دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ تھوڑی دیر بعد — اس وقت تو شاید آنکھوں سے نظر بھی نہ آئیگا۔ مگر آنکھیں بند کرتے ہی پھر وہی خط کا خیال۔ یکایک آنکھوں میں پھر گیا کیسی اتفاقیہ اور عجیب غریب ملاقات اور یاد ہے! [illegible] کی پوشیدہ گرہستی بھی کیا تمہارے روبرو پوشیدہ نہیں رہتی؟ بہت غرور تھا۔ سوچتا ہوں دل میں کہ دکھ کی کوئی خرابی نہیں رہی۔ جسے پیار کرتا ہوں صرف اُس کے سکھ کے لئے اپنے آپکو ارپن کیا ہے۔ یہ دل تو اب خواہشات سے خالی ہے۔ اِسی لئے وہ تمام غلطی رفع ہو گئی۔ سمجھا دیا۔ پاک محبت بہت میل ملاپ کی محتاج نہیں۔ دُنیاوی محبت خواہ کتنی ہی قیمتی کیوں نہ ہو مگر بالکل نشکام ہونا غیر ممکن ہے۔ ایکبار اسے اچھی طرح دیکھنے کی خواہش ہو رہی ہے۔ کبھی تو اُسے اِس طرح اپنا سمجھ کر نہیں دیکھا۔ شاید اسی وجہ سے دکھا دیا۔ بھگوان! اِس حقیر اور بے کس پر تمہاری اتنی دیا!

اِس مرتبہ اُس اتفاقیہ ملاقات کے بعد اخبر کے روبرو ایک اور مسئلہ پیش ہوا۔

اُس نے اُسی تحیّر پذیر حالت میں دیکھکر سمجھا۔ بانی اور اُس کے درمیان اب کس قدر فاصلہ حائل ہوگیا ہے۔ وہ جب پہلے اس کمرے میں داخل ہوا۔ اُسی وقت اُس نے دیکھا تھا۔ ڈیڑھ برس پیشتر جس تندرست ملاحت بار ملکہ حُسن کو اُس نے اپنے پاس بیٹھے دیکھا تھا۔ اس کے جسم میں اِس وقت جیسے چلبلاہٹ اور آنکھوں کو خیرہ کرنیوالی روشنی نہیں تھی۔ کھلی ہوئی لٹوں میں وہی عالم فریب اور از خود رفتہ کرنیوالا چاندسا نکھڑا۔ اُسی طرح اپنے دام محبّت میں پھنسانے کی طاقت رکھتا تھا۔ مگر اُسکی وہ نفیس گردن اور رخساروں میں جیسے بہت کچھ تبدیلی آگئی تھی۔

اُس نے اپنے دِل کے نازک ترین حصّوں میں درد اور تکلیف کا احساس کیا۔ ایسا کیوں ہوا؟ اِسکے بعد دم بھر کے لئے جب اُسی کے چہرہ پر نظر ڈالی۔ تو اُس نے دیکھا۔ کہ بیرونی تبدیلی نہ ہونے پر بھی اندر ایک تحیّر خیز چمک ہے۔ یہ کیسی نگاہیں ہیں؟ یہ ترجمانہ انداز بجلی کی آگ سے بھرپور سیاہ بادلوں کی طرح آنکھوں کے تل اپنی چمک دمک دِکھا رہے ہیں۔ آج اِن میں کیسی عجیب و غریب تبدیلی آگئی۔ صاف شفّاف اور لنظر فریب چاندنی کی طرح اِن نگاہوں میں چمک ہے۔ سنجن کے نازک پتّوں کی طرح دونوں آنکھیں نیم باز نظر آرہی ہیں۔ اُن میں نہ معلوم کس قدر متانت۔ اور کتنی دلاویزی کتنا شرم حجاب اور خوف ساتھ ساتھ ہی انداز سے موجود ہے۔ پانی سے لدے ہوئے بادلوں کی طرح کشمکش پسند دِل جذبات کے بار سے گرانبار ہو رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے تھوڑی سی دیر میں یہ پاگل ہوجائیگا۔ یہ کیسی تبدیلی؟ اِس تبدیلی کا کیا مطلب ہے؟

اُس دِن دم بھر میں اُس نے اپنے آپکو سنبھال لیا۔ مگر یہ خیال آج بھی اُس کے دِل سے پُورے طور پر دور نہیں ہوا تھا۔ یہ نگاہ دُنیا سے باہر نہیں ہے۔ اس سے دم بدم پل پل محبت ۔ پریم ۔ پریت ۔ دِلداوستی عورت کے سنجیدہ پیار و محبّت کی شعاعیں نکل رہی ہیں وہ دُنیا کے رنگ سے بالکل نا آشنا ہے پھر یہ تبدیلی کیونکر وقوع پذیر ہوئی؟ کیا سچ مچ اس میں وہ تبدیلی نہیں آئی۔ یہ تمام اُسکے گُزشتہ اور مریض دِل کے خیالات ہیں؟

بہت دیر تک وہ اِسی غور و خوض میں پڑا رہا۔ اِسکے بعد دوبارہ کوشش کرنے پر وہ

کسی نہ کسی طرح اُٹھ بیٹھا۔ ازاں بعد آہستہ آہستہ کھڑے ہو کر وہ خط اُٹھا لایا۔ اُس وقت بھی اُس کے ہات پاؤں کمزوری سے کانپ رہے تھے۔ لفافہ کے حروف نظر شناس تھے۔ آہستہ آہستہ لفافہ کھول کر اُس نے جوشِ مسرت سے وہ خط پڑھا۔ یہ خط بانی کا ہے۔ اُسکی بیوی! سچ نہیں اُس نے بخار کی شدت میں جیسے اور خیالی پلاؤ پکائے۔ یہ بھی وہی ہے؟

اگر جھوٹ ہو۔ تو اس میں ہرج ہی کیا ہے؟ یہ دنیا ایسی ہی ہے۔ خواب کی مانند۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ اس نے بھی اس میں ایک چھوٹا سا خواب دیکھا ہے۔

بستر پر پڑے پڑے اُس نے تقریباً تمام خط رٹ ڈالا۔ مگر جس چیز کو اندر سے وہ تلاش کر کے باہر نکالنا چاہتا تھا۔ وہ باوجود تلاش بھی نہ ملی۔ باپ کا حکم ماننے کے علاوہ لکھنے والے کے اور کسی مقصد کا انکشاف نہیں ہوا۔ ہمدردی! یا اُس سے کچھ اور زیادہ؟ نہیں — کچھ نہیں۔

پھر بھی وہ خط اُسکی بیوی کا لکھا ہے۔ اُس نے اُس خط کو خوابیدہ بچے کی طرح نہایت احتیاط سے اپنے تکیہ کے نیچے رکھ دیا۔ اسکے بعد جوشِ مسرت سے وہ خط لکھنے بیٹھا۔ پہلے لکھا۔ "تمہارا خط پاکر نہایت مطمئن ہوا۔ تم نے مجھے آسام چھوڑنے کی صلاح دی ہے۔ لیکن"— یہاں تک لکھکر وہ کسی قدر چونک اُٹھا۔ یہ وہ کیا کر رہا ہے! اُس کاغذ کے سینکڑوں ٹکڑے کر ڈالے۔ اور کھڑکی کے راستے سے وہ تمام ٹکڑے پھینک کر کٹی سے باہر ہو گیا۔ جیسے وہاں رہنے سے اس بے روک لالچ سے اور کسی طرح اُسے چھٹکارا غیر ممکن ہوگا۔

جب وہ پھر کٹی میں داخل ہوا۔ اُس وقت جھینگروں کی متفقہ آواز کانوں کے پردے میں ایک چوٹ سی لگا رہی تھی۔ سیاہی سے معمور آسمان پر سفید بوندوں کی طرح تارے چھٹکے ہوئے تھے۔ دور سے تالاب کے گندے پانی سے بدبو نکل کر ہوا کے ساتھ درختوں کے پتوں سے ٹکرا رہی تھی۔ اور اُن سے سر سر سر کی آواز آ رہی تھی۔ جیسے کوئی زبانِ حال سے کہہ رہا تھا۔ جو بچنا چاہتا ہے اور جسے زندگی عزیز ہے۔ وہ یہاں سے کہیں اور کا راستہ لے۔ دروازے کے پاس کھڑا امبر ناتھ اپنی اشٹ مورتی کے تصور میں محو ہو کر کہہ رہا تھا۔ "نہاں! میں اِس قدر کمزور ہوں۔ اس قدر حقیر شخصیت ہوں۔ نہیں نہیں۔ اس چھوٹی سی زندگی کا

کھیل ختم ہونے سے پیشتر اس کام کو ختم کر لینے دو۔ تاکہ اُسکے وشواس کی پوری طرح حفاظت کر کے مروں۔ اُس نے مجھ پر صرف اسقدر بار چھوڑا تھا۔ کہ میں عہد کی پابندی کروں۔ بس میں یہی چاہتا ہوں۔ کہ مرتے مرتے میں اس دائرہ سے باہر قدم نہ نکالوں"۔
دوسرے دن بجا آنے سے پیشتر ہی اس نے رما بلبھ کو خط لکھا۔ وہ خط بالی نے پڑھا تھا۔

چونتیسواں باب

گھر پر بیٹھ کر خط کا انتظار فضول اور غیر ممکن ہے۔ جو شخص آسام گیا تھا۔ اس نے مفصل بتا دیا۔ "انبر بابو نہیں ہیں وہ کب گئے۔ ٹھیک پتہ نہیں لگا۔ اور ٹھیک جاننے سے فائدہ بھی کیا؟ مگر اس تار کے آنے سے پیشتر رما بلبھ بابو بالی کو لیکر راج نگر سے روانہ ہو چکے تھے۔ اسی وجہ سے یہ خبر اُن تک نہیں پہنچی۔

بالی اپنے آپ سے لڑائی کر رہی تھی۔ وہ اپنے کشمکش پسند دل کو سمجھانا چاہتی تھی۔ "یہ حکم میرے شوہر کا حکم ہے۔ میرے راجہ کا۔ میرے دیوتا کا حکم۔ اس حکم کی خلاف ورزی میں کبھی نہ کرونگی۔ جب اگنی براہمن اور سب کے روبرو میں یہ اقرار کر چکی ہوں کہ میں اُنکے حکم میں چلونگی۔ پھر میں اُسکے خلاف کوئی کام کیسے کر سکونگی؟ خواہ میری جان جائے۔ یا رہے مجھے یہاں ہی پڑا رہنا ہوگا"۔

تاہم کیا دل ان ترغیبوں سے سمجھا یا بجھایا جا سکتا ہے۔ وہ کیونکر بھول سکیگی؟ کہ اُسکا شوہر آسام میں بستر موت پر پڑا ہے اور دور بیٹھی ہوئی اُسکی موت کی خبر کا انتظار کر رہی ہے۔ ایسے مہا پاپی کے پاپ کا پرائشچت کیونکر ہو سکیگا؟ نہیں۔ یقیناً اُسکا پرائشچت بھی اس پاپ کے بار سے دب جائیگا۔ دنیا میں ایسا کون مہا پاپی ہے جس کیلئے ایسا پرائشچت کیا جا سکتا ہے شعلہ زن آگ سے کہیں زیادہ یہ خوفناک ہے۔ جلے ہوئے زخم پر اگر نمک پاشی کی جائے تو بھی شاید اُسکی سوزش اسقدر ناقابل برداشت نہ ہوگی۔

اسی طرح دو تین دن اور راتیں گذریں۔ آخر میں اُس سے کسی طرح نہ رہا گیا۔ اس نے باپ سے آکر کہا۔ "بابوجی! چلو۔ نہ ہوگا تو میں چاندپور میں اپنی موسی کے گھر اتر پڑونگی۔ تم وہاں چلے جانا"۔

رما بلبھ گھر میں رہتے رہتے اکتا گئے تھے۔ صرف لڑکی کے پاس خاطر سے کچھ کہہ نہیں سکتے تھے۔ اور اپنے فرائض کے برخلاف کام کرتے ہوئے بھی رات دن چار پائی توڑتے تھے۔ اب لڑکی کی رائے سُنکر فوراً چلنے کیلئے تیار ہو گئے۔ انہوں نے کسی قسم کی دیر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ لوگوں نے ہارج ہو کر کہا۔ یہ کیا؟ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ کچھ فکر نہ کیجئے۔ چونکہ کوئی منتظم نہیں ہے سخت مشکل کا سامنا ہو گا۔

پروہت نے پترا کھولکر کہا۔ پرسوں بہت اچھا دن ہے۔ سفر کرنا مناسب ہے۔

رما بلبھ نے بیچین ہو کر کہا۔ آدیا ناتھ! اسوقت دن وغیرہ دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ دو گھڑی میں گھر چلیے اور ڈھائی گھڑی کی بھدرا۔ خواہ کچھ ہی ہو آج ہمیں جانا ہی ہو گا۔

بانی نے خاموشی سے تمام انتظام کیا۔ اور ضعف دماغ کی چند ادویات ساتھ لیں۔ صرف اسی وقت حس و حرکت دل میں ہلچل پیدا ہوئی۔

راستہ میں آکر بھی وہ مشین کی پتلی کی طرح باپ کے ساتھ ساتھ پھرنے لگی وہ اس وقت اسقدر خود فراموش تھی۔ کہ اُسکے حواس بجا نہ تھے اس وسیع دنیا نے اسکے لئے اور کچھ رکھا نہیں تھا۔ اس وقت صرف اسی قدر سننے کیلئے وہ مضطرب تھی۔ اُسکا خط وقت پر پہنچا تھا۔ موت سے پیشتر اُسکے شوہر نے اُسکی بات سُن لی ہے۔ اُسنے چلتے وقت گوپی بلبھ کے چرنوں میں بھی ایک پرارتھنا کی تھی۔ مندر کے باہر جیسے اُسکی جان نکل گئی تھی۔ اور یہ موت اُسی مصیبت کے سبب وقوع پذیر ہوئی ہے یہ بات نہیں ہے۔ اُسی بجلی کے ساتھ اور ایک تیز دھار والا بان تھا۔ وہ بان اُسکے شوہر کا تھا بستر مرگ پر روانہ ہو کر اور اُسے دُور ٹھکرا کر نا قابل عفو تسلی سے خالی جو سزا دی تھی۔ یہ وہی نا قابل برداشت یاد تھی۔ اُسکی جلن زخم کی جلن سے کہیں زیادہ جگر خراش تھی۔ اُسنے اس خبر کے پاتے ہی یہ محسوس کیا۔ جیسے اُسنے ہمیشہ کیلئے اُسے کھو دیا ہے۔ موت تو شاید ان کے درمیان اتنا فاصلہ قائم نہ کر سکتی۔ جس قدر کہ اُسکے شوہر نے حد فاصل قائم کر دی تھی۔ وہ اُس قسم کی تکلیف سے کہیں زیادہ بڑھ گئی تھی۔

موت کے بیرحم ہاتھوں نے اُسے فی الحقیقت بیوہ بنانے سے پیشتر ہی صیاد کے

تیر سے زخمی کبوتر کی طرح بے چین اور مضطرب بنا دیا تھا۔ شاید موت سے پیشتر وہ اپنے شوہر کی خدمت کرنیکا موقع حاصل کرے۔ اسی وجہ سے اُسنے اِس خدمت سے اُسے محروم رکھنے کی کوشش کی تھی۔ یہ دلدوز راز سینہ میں پنہاں کرکے اُسکے لیئے زیست کس قدر عذاب جان تھی۔ اور مرنیکا بھی کوئی راستہ نہیں ء

سیالدہ میں ریل پر سوار ہونا ہوگا۔ راستہ نہایت خراب اور تکلیف دہ تھا۔ آسمان بادلوں سے گھرا ہوا تھا۔ بارش اور آندھی دن میں کئی بار آتی تھی۔ ایک گہرا سانس لیکر رما ٹلبھ نے سوچا۔ ایسے خراب دنوں میں کبھی بانی کو گھر سے باہر نہ نکلنے دیتا۔ اور آج اُسے دریا کے پار جانا ہوگا اپنی دلی حالت دیکھ کر انہیں بہت ملال ہوا ء

بانی نے آسمان کیطرف آنسوؤں سے لبریز نظر ڈالکر دل ہی دل میں سوچا اگر دریا میں طوفان آجائے۔ تو بہت اچھا ہو ء

پلیٹ فارم پر فسٹ کلاس کے سامنے کھڑے ہوئے رما ٹلبھ نے اپنے قدیم عنایت فرما ڈاکٹر جگت بابو کے سوال کا جواب دیتے ہوئے بانی کے غم آلود چہرے پر نظر ڈالی۔ اور ایک گہرا سانس لیا۔ اِتنے میں چند آدمی ایک چارپائی کو اُٹھائے ہوئے انہی کے سامنے سے گذرے وہ لوگ ایک لاش اُٹھا کر لے جارہے تھے۔ اُنکے ساتھ ساتھ ایک پولیس کا آدمی اور ایک شریف شخص تھا۔ غالباً وہ ڈاکٹر تھا۔ تیزی سے جارہا تھا ء

بانی کھڑکی کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ اتنے اشخاص کی آواز سنکر یا کسی اور سبب سے اُسنے کھڑکی سے سر نکالا۔ دیکھا ایک لاغر اور نحیف شخص کا جسم چارپائی پر پڑا ہے دن کی روشنی اپنی پوری آب و تاب سے اُسی مرحوم چہرے پر پڑکر اُسے اور بھی زرد دکھا رہی تھی۔ وہ لاغر ہڈیوں کا ڈھانچہ اُٹھانیوالے لوگوں کی حرکت سے اور بھی اوپر نیچے ہو رہا تھا۔ ایک ہات چارپائی سے نیچے لٹک رہا تھا۔ اُسکے ناخن نیلگوں رنگت لیئے ہوئے تھے۔ معلوم ہوتا تھا۔ کہ ایک مہلک مرض سے گھل گھل کر اس بدنصیب نے ہمیشہ کیلئے نجات حاصل کرلی ہے اُٹھانیوالوں کی رفتار کم کرنیکے لیئے اُنکے ساتھیوں میں سے چند اشخاص نے کہا "آہستہ آہستہ" بانی ساکن نگاہوں سے اُسی کھلے ہوئے لاشے کے منہ کی طرف دیکھنے لگی۔ یقیناً یہ

شخص بہت دیر کا مرا ہوا ہے۔ چہرے پر زندگی کے ذرا بھی آثار نہیں جیسے کسی خون چوسنے والے جانور نے اُسکے تمام جسم کا خون چوس لیا تھا۔
اُٹھانیوالے قدم بڑھائے چلے جا رہے تھے۔ بانی نے آنکھ پھیری ناگہاں تیر سے زخمی شیرنی کی طرح شور و شر مچاتی اور آسمان سر پر اُٹھاتی اُسکے دل کو چھیدتی ہوئی یکایک ایک چیخ برآمد ہوئی "بابوجی! وہ کون — بابوجی! دیکھو — وہ — وہ — کون بھگوان! تم نے یہ مجھے کیا دکھایا؟ — کیا دکھایا؟"
رما بلبھ اپنے واقعات کے دُکھ کے بار سے دبے ہوئے تھے۔ وہ اپنے ہی خیالات میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اِسی وجہ سے اُنکی نظر اور توجہ اُسطرف نہ تھی۔ لڑکی کے کہنے پر انہوں نے اپنی نگاہ پھیری۔ مگر جیسے اُنکی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔ تاہم بحر دل میں ایک تلاطم خیز ہل چل ہونے لگی۔ بیتابانہ انداز سے بولے "کہاں؟ رادھا رانی! کہاں — کون؟"
بانی خشک پتے کی طرح کانپ رہی تھی۔ پھر بھی وہ اپنے آپکو سنبھالنے کی حتے المقدور کوشش کر کے اپنے آپ سے جنگ و جدل کرنے لگی۔ کسی طرح اُنگلی اُٹھا کر مُردے کیطرف دکھا کر اپنے پھنسے ہوئے گلے سے بدقت کہا: "وہ جا رہا ہے۔ بابوجی! اِسوقت کہاں لیجائینگے؟ وہ ہے — جاؤ۔ تم جاؤ — جاؤ — جلدی دیکھو۔ کیا ہوا؟"
ایک زبردست خوف نے رما بلبھ کو کاٹھ کی طرح بے حس و حرکت بنا دیا۔ شائد اُنہیں اُسی وقت غش آجاتا۔
اتنے میں جگت بابو نے اُنکی توجہ اپنی طرف کھینچی اور کہا: "آؤ رما بلبھ! میں تو پہچانتا نہیں — دیکھو۔ شاید لڑکی کا شک غلط نہیں ہے۔ یہ عالم امکان ہے۔ یہاں جو نہ ہو جائے تھوڑا ہے۔"
رما بلبھ نے لاشے کی طرف پُر آب نگاہوں سے دیکھا۔ جیسے کسی نے یکایک اُن کے سینہ پر ایک زبردست چوٹ لگائی۔ جگر خراش لہجہ میں بولے "امبر! میرا امبر!!"
ساتھ کے ڈاکٹر نے اُنکی یہ حالت دیکھ کر تعجب خیز لہجہ میں کہا: "تھرڈ کلاس میں پڑا ہوا تھا۔ شاید ابھی جان باقی ہے۔ کیا آپ اُنہیں جانتے ہیں۔ میرا خیال تو یہ ہے۔ کہ آپ لوگ

غلطی کرتے ہیں یہ شخص نہایت ہی مفلس ہے۔ اسکے ساتھ اسکا کوئی تیماردار بھی نہیں دیکھتے ہیں۔ کپڑے تک بھی اس کے پاس نہیں ۔

جگت بابو نے کہا:۔ ہاں! یہ انکا داماد ہے۔ یہ بات تو بہت طول طویل ہے۔ اسوقت ٹھہریئے۔ میرا مکان ہریسن روڈ کے پاس ہے۔ چلیئے حفاظت سے وہاں ہی لے چلیں۔ میں بھی ڈاکٹر ہوں۔ وہاں جہاں تک ممکن ہوگا۔ انکی خدمت کرونگا چلو۔ حفاظت اور آرام سے لے چلو کھاٹ ہلنے نہ پائے۔ ڈاکٹر صاحب نے اُسکے ہات کو پکڑ کر کھاٹ پر رکھا۔ چھوتے ہی وہ چونک اُٹھے۔ نبض کی طرح وہ ہات بھی بحس و حرکت تھا۔ اور بالکل سرد تھا ۔

رما بلبھ نے گاڑی پر سوار ہوتے دیکھا۔ بانی آرہی ہے۔ ذرا ہٹ کر کھڑے ہو کر بولے "آؤ بیٹی!" بانی نے کچھ نہیں کہا۔ وہ مشین کی پتلی کی طرح آ کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔ ایسا اُسکے دل میں آیا جیسے وہ مر گئی ہے اور اس لوک میں نہیں ہے۔ جم راج کی تکلیف سے وہ دکھ بھوگ رہی ہے ۔

جگت ڈاکٹر نہایت قابل ترین ڈاکٹروں میں سے تھے۔ اور وہاں انکا خوب نام تھا۔ لاش وہاں ہی پہنچائی گئی۔ ایک وسیع کمرے میں لاش لیجا رکھی گئی۔ ساتھ ساتھ بانی بھی اُسکے قدم بقدم چلی۔ اُسکے دل میں خوف ہوتا تھا۔ شاید اُسے لوگ اُس کمرے میں نہ جانے دیں اور دروازہ بند کر دیں ۔

پلنگ پر ایک صاف شفاف بستر بچھا ہوا تھا۔ لاش اُسی پر لٹائی گئی۔ جیسے اس وقت سب سے مشکل گھڑی آگئی۔ وہ حالت اور کچھ نہیں تھی۔ صرف موت و زندگی کا سوال۔ وہ لوگ جو جسم اتنی حفاظت سے اُس پلنگ پر رکھینگے۔ وہ مردہ ہے۔۔۔ یا زندہ؟

بانی سر کھولے ہوئے اُنہیں ناواقف لوگوں کے درمیان کھڑی تھی۔ ڈاکٹر کو انبر ناتھ کا جسم پر ہات رکھتے ہوئے دیکھکر وہ اُنکے پاس جا کر بولی۔۔ کاکا بابو! "میرے شوہر اتنے دنوں بعد میرے پاس واپس آئے ہیں" اُس نے جیسے کنوئیں کے اندر سے دو چار باتیں کہیں ۔

ڈاکٹر نے انبر ناتھ کے مُردہ جسم کو پلنگ پر لٹا کر کہا "اب بھی جان باقی ہے۔۔ بولتا نہیں تو کیا ہوا؟ کوئی ہرج نہیں۔ رما بلبھ بابو! آپ گھبرایئے نہیں۔ ذرا باہر جایئے۔ بیٹی ذرا

کھڑکی کھول کر ذرا وہاں ہی ٹھہر اور اپنی طبیعت کو تسکین دے۔ گھبرانے اور پریشان ہونے سے کام نہیں چلیگا۔ میں حتی الوسع اپنی خدمت کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرونگا تم ذرا صبر سے کام لو۔ اور اپنے دل کو سخت بنالو"

یہ سخت الفاظ! وہ منتر کے بس میں آئی ہوئی ناگن کی طرح حکم بجا لائی۔ باہر گھوڑے گاڑی۔ ٹرام اور لوگوں کے شور و شر کی انتہا نہیں تھی۔ ہر چہار طرف جیسے ایک کہرام مچا ہوا تھا۔ ایسی شور و شر اور ہلچل سے بھرپور دنیا میں تھوڑی دیر بعد ہی اسکی امیدوں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائیگا۔ یہ جو بیشمار ستاروں سے مزین نیلگوں آسمان ہے۔ وہاں ہی ایک لامعلوم نئی سلطنت میں اسکی زندگی کا سب کچھ تمام دکھوں سے آزاد ہو کر زندگی کو ساتھ لیکر چلا ہے۔ نہ معلوم اسکے لئے وہاں کونسی شانتی موجود ہے!

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے اسمیں کسی قدر حرکت آئی۔ یکایک اس نے سوچا امبرناتھ نے کیوں اسے وہاں آنے سے منع کیا۔ اور وہاں ہی رہنے پر مصر ہوا۔ اطمینان کی وجہ سے وہ اسے وہاں رکھنا نہیں چاہتا۔ خود ہی وہ مرنے سے پیشتر اسکے پاس آنا چاہتا تھا ہائے بھگوان! اگر وہ اس خالی مکان میں جا پہنچتی!

اس نے پھر کر دیکھا کمرے میں اور بھی دو ایک نئے اشخاص آ گئے تھے۔ انھوں نے مریض کے وہ پرانے کپڑے اتارے۔ بانی قریب آئی۔ کرتے کی جیب میں ایک بند لفافہ پڑا تھا۔ پتہ امبرناتھ کا لکھا ہوا تھا۔ اور ٹکٹ لگا ہوا تھا۔ ڈاکخانہ تک بھیجنے کی نوبت نہیں آئی۔ دور ہونے پر بھی وہ سوادِ خط پہچان لیا۔ اسی وجہ سے زمین پر جھک کر وہ خط اٹھا لیا۔ اوپر اسکا نام اور راج نگر کا پتہ لکھا ہوا تھا۔ یکایک اسکے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ تو زندگی کے آخری لمحوں میں اسنے اسے ۔۔۔ اپنے قاتل کو بھول نہیں سکا! ایسے رحمدل اور ہمدرد شوہر کو اسنے اپنی خام خیالی سے کھو دیا۔ پرتھوی ماتا! تو اپنا سینہ چاک کر اور بانی ہمیں اس میں سما جائے۔

ڈاکٹر پاس آکر کھڑے ہوئے۔ اور تسلی و تشفی دیتے ہوئے سر پر ہاتھ رکھکر بولے "راد ھارانی! معمولی مستورات کی طرح اسقدر گھبراہٹ سے کام نہ لو۔ باہر جاؤ۔ مجھ پر یقین کرو میں اپنی

خدمت کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرونگا۔ شہر کے قابل ترین ڈاکٹروں کو میں نے بلا بھیجا ہے۔۔۔ حتے الامکان کوشش کرونگا۔ جاؤ۔۔ اسوقت تم اپنا جوڑا گوندھو۔ جب تک کسی قدر بھی جان باقی ہے۔۔ اُسوقت تک خواہ کیسی ہی حالت ہو۔ ہم اُمید نہیں چھوڑ سکتے کون جانے۔ ابھی ہوش آجائے۔ اور ایسی حالتیں تمہیں استقلال سے کام لینا بڑا ضروری ہے۔ اُسوقت بیچینی کا اظہار کرنے سے دم کے دم میں تباہی آنیکا خوف ہے۔ اِسوقت تمہیں اپنے دل کو ذرا سخت بنانے کی ضرورت ہے۔"

"اگر ہوش آجائے۔ ہاں جی۔ یہ بات کس نے کہی تھی! بانی کے اِشٹ دیوتے! ایسا دن کیا سچ مچ اُسکے مقدر میں ہے۔ وہ کسی قدر ہوش میں آکر پہلے فقرے کو دوہرانے لگی۔ مجھے اُسوقت پکارینگے تو سہی؟ اگر۔۔۔ نہیں میں نہیں جاؤنگی۔ اگر اُسوقت آپ مجھے پکارنا بھول گئے۔ اگر میرے آنے میں دیر ہوجائے! نہیں چاچاجی۔ نہیں مہربانی کرکے مجھے ایک کونے میں کھڑا رہنے دو۔ میں خاموش کھڑی رہونگی۔"

"نہیں۔ نہیں۔۔۔ جاؤ۔ میں آواز دے لونگا۔ جاؤ راد ھارانی۔ دیر نہ کرو۔ بیٹی! صبر و تحمل سے کام لو۔ کسی بات کا خوف نہیں۔ تمہیں بُلا لونگا۔ تمہاری بیچینی کی وجہ سے کوئی کام نہیں ہو سکے گا۔ جاؤ۔"

بانی کے جانے پر ڈاکٹر نے دروازہ بند کرلیا۔ اور مریض کے پاس آکر دیکھا۔ نبض ساکت ہے۔ اور سینہ سرد۔ صرف ناک کے راستے نہایت آہستہ سے سانس جھجکتا ہوا اِس قیدخانہ سے آزاد ہونیکا راستہ تلاش کر رہا تھا۔ وہ بھی اِس آہستگی سے کہ خوف معلوم ہوتا تھا۔ کہ کہیں بالکل خاموش نہ ہوجائے۔

پنتیسواں باب

خواب میں حالتِ بیداری کی یاد کی طرح جو ناقابلِ یقین واقعات ظہور پذیر ہوئے۔ اُن سے قطع نظر۔ بانی منتر کے بس میں آئی ہوئی جب ڈاکٹر کے تجویز شدہ کمرے میں داخل ہوئی اُسوقت وہ زور سے رونے لگی۔ اُس نے وہاں ٹھہرنے کی ہرچند کوشش کی۔ مگر اندر ہی

اندر جیسے کوئی اُسکا دل مسوس رہا تھا۔ دُکھ اور بیچینی کی نسبت حیرت واستعجاب کی بے چینی نے اُسکے حواس باختہ دل پر تسلط پا لیا تھا جب کسی کی زندگی میں خیالی واقعات کے علاوہ کوئی ایک خاص واقعہ اچانک ظہور پذیر ہوتا ہے۔ تو اُسکی حالت میں ایک عجیب وغریب تبدیلی آجاتی ہے۔ خیالات تبدیل ہوجاتے ہیں۔ توجہ کا رجحان کسی اور جانب ہوجاتا ہے وہ کہاں ہے؟ کیا کر رہی ہے؟ یہ سب تو دور کی بات ہے۔ پتھر اور زمین کی سختی اور کلکتہ جیسے پُر شور شہر کا کہرام بھی دل کو اپنی طرف نہ کھینچ سکا۔ وہ جسوقت اُس ناواقف کمرے میں داخل ہوئی۔ اُسوقت اُسکے دل میں صرف یہی ایک خیال تھا۔ جو سچائی کا پہلو لیئے ہوئے تھا۔ اُسکا شوہر اُسکے پاس واپس آگیا ہے۔ صرف یہی نہیں ــ وہ صرف اُسی کے لئے ــ خط بھی اُسی کے لئے ــــ

وہ بستر موت پر دراز ہے یہ بات جھوٹی نہیں ہے۔ موت کے تمام خوفناک آثار اُن کے چہرے پر صاف صاف نظر آرہے ہیں ـــ اُف! کسی قدر خوفناک!! قطعی ناقابل برداشت! تاہم جب وہ آگئے ہیں ـــ یقیناً اُسی کے پاس آئے ہیں۔ اِس ایک تذکرے اور یاد میں تمام دُکھ درد اور سوگ موجود ہیں۔ نا اُمیدوں کی تکالیف دور کرکے ٹھنڈے لیپ کیطرح اُس کے تپیدہ اور شعلہ زن آگ کی طرح مشتعل دل پر کس نے طراوت کا پھاہا رکھ دیا؟

اِس کے بعد یکایک اُسے یاد آیا۔ اِسوقت اُس پر کتنی ذمہ واری کا بار ہے ڈاکٹر نے کہا ہے ممکن ہے ہوش آجائے کیا آسکتا ہے؟ اِسی جسم میں؟ ـــ کیسا ساکت ہے اور کیسا تبدیل شدہ رنگ ـــ ہائے اِس چہرے کا رنگ کسقدر اُتر گیا ہے۔ زندگی رہتے ہوئے کیا ایسا ہوتا ہے؟ ـــ اُف ـــ!

مگر کیوں ـــ ہوش نہ آئیگا۔ کیوں؟ جنہوں نے ایسی بڑی حالت میں اُنہیں یہاں تک پہنچایا ہے اُنکی اگر مرضی ہو تو کیا نہ ہوجائے؟ بیجان جسم میں جان آجائیگی؟ یہ کونسی بڑی بات ہے؟ اُس نے ایک گہرا سانس لیا۔ تو ذرا دیکھوں تو سہی! انہوں نے کیا لکھا ہے؟ ممکن ہے۔ کوئی ایسی بات لکھی ہو جسکا علم میرے لئے اِس وقت ضروری ہو۔

اُسنے اپنے سرد سینہ سے وہ خط لگا رکھا تھا۔ اپنے آپ کو کسی قدر سنبھال کر اُس نے لفافہ کھولا۔ لفافہ پر ایک طرف لکھا ہوا تھا۔ جیسے اِس خط کو دیکھنے کا موقع ملے۔ مرحوم پر

مہربانی کرکے اسے ڈاک میں چھوڑ دے۔ جلدی جلدی لفافہ کو چاک کرکے اُسنے خط نکالا۔ لکھا تھا:۔

"بانی! میری زندگی اور دھرم کی ساتھی بانی!! مَیں چلا۔ منزل بہت دُور ہے۔ نہیں جانتا۔ کہاں؟ یاد کے کِسی تاریک تر مُلک میں۔ بہت دُور جگ جگا منتر کی منزل میں گھٹا ٹوپ تاریکی میں۔ زبردست غار میں تکلیف اور درد سے بھرپُور زندگی کو ساتھ لئے ہوئے جا رہا ہُوں۔ کون جانتا ہے؟ کون کہہ سکتا ہے۔ انسانی افعال بدنصیب جسم کو موت کے سانچہ میں ڈھال کر کس حالت میں لیجائینگے؟ خُود دھرم راج بھی ایک دن نچکیتا کے اِس سوال کے جواب دینے اور اُسکی تسلّی و تشفّی کرنے میں قاصر رہے تھے۔ اِسی وجہ سے میرے دِل میں بھی یہ خیال آ رہا ہے۔ افعال کس راستہ میں کھینچے لئے جا رہے ہیں؟ خوف نہیں۔ صرف ہلچل اور کشمکش سرگرمی دکھا رہی ہے۔ جاننے کی خواہش ہوتی ہے۔ طبیعت چاہتی ہے۔ مگر نہیں۔ اسوقت اب یہ فکر نہیں۔ اِسوقت میں ہمیشہ یہی سوچتا ہُوں۔ موت میں ازلی حُسن ہے۔ اِس کا ہمیشہ نیا رُوپ بچّہ کی طرح محبّت آمیز نگاہوں سے دیکھتا آیا ہُوں۔ اُسی کی محبت سے یہ آفات و مصائب کے کیچڑ میں لت پت زندگی کو شانت کرنے کے لئے چلا ہُوں۔ وہ راج کچھ بہت دُور نہیں۔ زندگی کی نسبت موت بہت قریب ہے۔ زندگی کا تمام روگ سوگ اور شور و شر وہاں کالعدم ہوجائیگا۔ اور دیوتاؤں کی زندگی ملیگی۔ اُنکی پاک صحبت میسر آئیگی۔ اُنہیں کے چرنوں میں پناہ لینے کے لئے جا رہا ہُوں۔

زیادہ نہیں لکھونگا۔ اِس وقت جو کہنے کی بات ہے۔ وہ تمہارے متعلّق ہے۔ اور وہی لکھنے بیٹھا ہُوں۔ بانی! موت کا یہ قابلِ عفو قصور کیا معاف نہیں کرسکونگی؟ تم سے یہ دِلی قصور پوشیدہ رکھکر میں نہیں جا سکا۔ اِسی وجہ سے لکھتا ہُوں۔ تم نے مُجھ پر وشواس کرکے جو حقوق دیئے تھے۔ مَیں نے اُسے حتی المقدور نباہنے کی کوشش کی۔ شاید یہ بھی تم جانتی ہو؟ مگر پھر بھی میرے دِل میں بار بار یہی خیال آتا ہے۔ کہ میں سخت ناقابل ثابت ہُوا۔ تمہیں دُور نہیں رکھ سکا۔ "میری بیوی" "میری رادھا رانی" کہکر تمہیں برابر پیار کرتا رہا۔ اُسی پہلے دن۔ یعنی جس دن میرے ساتھ تمہاری شادی کی تجویز ہوئی تھی۔ اور تمہارے پتاجی نے مجھے بلایا تھا۔ اُسی دن اِس شادی کے

متعلق غور کرتے ہوئے میں سمجھ سکا تھا کہ تمہاری بھکتی ۔ جسکا ثبوت مجھے پہلے ہی مل چکا تھا۔
میرے دل کا رجحان تمہاری جانب تھا۔ میں نے سوچا۔ کہ میں اپنی محبت بآسانی تمہیں دے سکونگا
پھر خیال آیا۔ اس عہد سے میرے دھرم میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ رادھا رانی!
کیا تم یقین کرو گی؟ اگر میں اس سے خود بے بہرہ رہتا۔ تو تمہارے کسی کام نہ آسکتا۔ اسی
وقت سمجھ گیا تھا۔ تم میری کون ہو؟

زیادہ کچھ نہیں کہونگا۔ اسکے بعد؟ اسکے بعد شادی کے منتر سے اُس محبت بھرے دل کی
پرتشٹھا کی گئی۔ اسکے بعد بہت جلد تم سے جدا ہونیکی نوبت آگئی خیال آیا۔ یہ آخری ملاقات ہے
وہ دن میری زندگی کا ایک ایسا دن تھا جو یادگار رہتا۔ مگر اُس دن جتنی اُمید کی تھی۔ وہ پورے
طور پر نہیں حاصل ہوئی۔ تمہاری آنکھوں کی نظر نے دل میں جو تبدیلی پیدا کر دی تھی۔ اُس
نے مجھے صرف متحیر ہی نہیں۔ بلکہ دکھی بھی کر دیا تھا۔ تمہاری آنکھوں میں اتنی حجاب آلود نظریں نے
کبھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ تو انداز نہیں ۔ وہ تو محبت سے بھری ہوئی۔ پریم مئی عورت کی نظر تھی

خیر۔ جو ہو۔ سو وہ بات جانے دو۔ اب میرے اس ناقابل پیار و محبت کے اظہار سے کیا تم ناراض
ہوگی؟ بانی میرے دل کا یہ پیار کیا۔ تمہارے بے عزتی و بیقدری کی شے ہے؟ مگر اسکے ساتھ
یہ بات بھی یاد کر لینا۔ کہ میں اتنے دنوں تک تمہیں پوشیدہ طور پر دل ہی دل میں پیار کرتا
آیا ہوں۔ وہ تو آج زندہ نہیں رہ سکتا۔ مرحوم کے پیار میں نقصان ہی کیا ہے؟ بانی! زندگی
میں تمہارے ساتھ تعلق نہیں رکھونگا۔ یہی قسم تھی۔ مرنے کے بعد کیا اُسے نہیں توڑ سکونگا
بیرونی طور پر قسم نہ توڑنے پر بھی میں نے اُس پاپ کو روکنے کی طاقت اپنے آپ میں نہ دیکھی۔
اسی وجہ سے آج اپنا یہ قصور تمہارے روبرو مان لیا ہے۔

"اب رخصت ۔ بانی! ۔ رخصت! اگر مجھے بھولنے سے تم سکھی ہو۔ تو بھول جانا میں
اتنا خود غرض ہونا نہیں چاہتا۔ کہ تم سے اپنے آپ کو نہ بھولنے پر مصر ہوں۔ لیکن اگر جی میں آئے
اگر کبھی کبھی یاد آئے ۔ تو سوچنا۔ ایک شخص آج اس دنیا سے باہر اس وقت بھی تمہیں پیار
کرتا ہے۔ ہاں ۔ اسوقت بھی ۔ میں تمہیں پیار کرتا ہوں۔ کس غرض سے خالی ۔ پاک محبت۔
اور یہ محبت ۔ وہی لامحدود محبت میں بھری ہوئی محبت ۔ ایشور تمہیں خوشی دے ۔ میری موت

سے دیکھی نہ ہوتا۔ گوپی بالیجھ کے چرنوں میں آنچل بھکتی رکھنا۔

مکرر آنکہ۔ تم سے اتنی فاصلہ پر مرنا نہیں چاہتا تھا۔ ڈاکٹر کو بلایا تھا۔ انہوں نے کہا۔ موت برحق ہے۔ بچنا محال ہے۔ بڑی کوشش سے کام لیا گیا۔ تو پانچ سات دن تک اور زندہ رہوگے۔ اسی وجہ سے یہ مقام چھوڑ رہا ہوں۔ اگر راج نگر پہنچ سکوں۔ تو ایکبار مندر کے باہر کھڑے ہو کر تمہاری مورتی دیکھوں۔ ایک اور خواہش ہے۔ اور وہ آخری۔ نہیں کہہ سکتا۔ کہ یہ خواہش پوری ہوگی۔ یا نہیں۔ تم یا اور کوئی نہ جان سکیگا۔ خواہش ہے۔ اگر وقت ملے تو اسکے بعد گنگا کے کنارے ڈیرہ لگاؤں۔ تم وہاں رہوگی تو؟ اگر وہاں گیا۔ اور تم نظر نہ آئیں۔ تو بہت ملال ہوگا۔

"امبر"

جیسے آندھی آنے کے بعد ہر چہار طرف سکون ہو جاتا ہے۔ اسیطرح خط ختم ہونیکے بعد پانی خاموش ہوگئی۔ بہت تھوڑی دیر کے لئے اُسی حالت میں رہی۔ نئی پیدا ہوئی زبردست دلی طاقت سے وہ اپنے اندرونی جذبات کو سنبھال کر کانپتی ہوئی کمرہ سے باہر ہوئی۔

موت کو وہ خاطر میں بھی نہیں لاتا تھا۔ اُس نے اپنے دونوں ہات پھیلا دیئے تھے۔ اور اپنے آپکو جیسے جان بوجھ کر اسکے پنجہ میں چھوڑ دیا تھا۔ انکی دبلی پتلی تھرائی ہوئی انگلیوں کے لمس سے جیسے اسکے عضو عضو کا خون برف کی طرح سرد ہو کر جم گیا تھا۔ اس سے نقصان ہی کیا؟ مگر وہ اُس سے خوف نہیں کھاتی۔ اسوقت وہ بخوبی سے جیسے اسکے ساتھ جنگ جدل کرنے چلی تھی۔ اُس کا شوہر اُسے پیار کرتا ہے۔ وہ اُسی کے پاس ہی بستر مرگ پر پڑا ہوا ہے اور کیا دُکھ؟ کس کی کمی؟ اوپا ——

ایک اندھیرے کمرے میں جہاں بستر مرگ پر امبر پڑا ہوا تھا۔ اُسی گھر میں چپ چاپ دبے پانوں جا کر اُس نے دیکھا۔ دروازہ اور بستر کے وسط میں چوکی پر ایک عورت بیٹھی ہوئی تیمار داری میں مصروف ہے۔ رہ رہ کر وہ مریض پر نظریں ڈالتی تھی۔ پانی کے داخل ہوتے ہی وہ بیتابانہ انداز سے اُٹھ کر بولی۔ آپ۔ پہچانتی نہیں گیا۔ اگر آپ اس مریض کی بیوی ہوں۔ ڈاکٹر صاحب حکم دے گئے ہیں۔ جب مریض کو ہوش آئیگا۔ تو میں آپ کو اطلاع دونگا۔ وہ سامنے والے مکان میں دوا تیار کر رہے ہیں۔ دیگر ڈاکٹر بھی وہاں ہی ہیں۔

مریض کو ہوش آ گیا؟ میری سمجھ میں تو یہ بات آتی نہیں۔ ہاں پہلے جیسے ذرا دیر کیلئے جو تم کی قید حالت آگئی تھی۔ شاید اب بھی ویسا ہی ہوجائے۔

باجی نے ایکبار سُند سُند نگاہوں سے تیماردار کے چہرے پر نظر ڈالی۔ اُسکی وہی زبردست اور قہر آلود نگاہیں دیکھکر بیتابانہ انداز سے بولی "اس طرح فضول باتوں سے تم میری امیدوں کا خون نہ کرو چپ رہو۔" چند سیکنڈ بعد ہی لحظہ میں ہی اس نے اطمینان بخش لہجہ میں کہا "میں یہاں اکیلی رہنا چاہتی ہوں۔ تم باہر جا کر انتظار کرو۔ اگر ضرورت ہوئی تو میں خود ہی تمہیں مدد کے لئے بلا لونگی۔ ڈاکٹر صاحب ناراض نہیں ہونگے۔ تم اُن سے دریافت بھی کرسکتے ہو۔" "یہ بہت بہتر ہے۔"

تیماردار کچھ بار حارج ہوکر بالآخر باہر چلا گیا۔

اسوقت باجی آہستہ آہستہ پلنگ کے پاس گئی اور دو زانو ہوکر بیٹھ گئی۔ اسکے بعد آہستہ آہستہ وہ اس جسم کو اپنے سینے کے پاس کھینچ لائی۔ اسکا سر اپنی گود میں رکھا۔ آنکھوں میں آنسو بھرے اور دل میں غم اندوز جذبات لئے ہوئے اُن نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ اُس وقت اُسکا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اور آنکھوں سے گرما گرم آنسو نکل رہے تھے۔ مریض غالباً اس وقت ہوش میں آگیا تھا۔ اور سویا ہوا تھا۔ اسکا جسم اتنا سرد نہیں تھا۔

اسطرح بہت دیر تک بیٹھی رہی۔ رفتہ رفتہ مریض نے آنکھیں کھولیں۔ اور ایک ہلکا سا سانس لیا۔ ذرا دیر بعد ہی بہت دھیمی آواز میں بولا "میں کہاں ہوں؟" لہجہ نگر کتنی درد بھری نہایت ہی کمزور اور پتلی آواز تھی۔ باجی نے آواز سے سمجھا کہ اسے بہت سخت تکلیف ہے۔

باجی نے تسلی آمیز لہجہ میں کہا "بہت دور نہیں۔ تم میرے پاس ہو۔ تمہاری باجی تمہارے سامنے ہی ہے۔ کیا پہچان نہیں سکتے؟"

"میری باجی! اب باجی کے پاس ہوں؟" بھنچی آواز سے ابھرتا ہوا صرف اسی قدر کہا۔

"ہاں! تمہاری باجی! تمہاری [illegible] تمہاری [illegible] سر دھرمی! ہاں جی!

اور ایکبار آنکھیں کھولو! میں چاہتی ہوں [illegible] بغیر [illegible] جاتا۔ میں تمہیں دل و جان سے پیار کرتی ہوں۔ تمہارا پیار و محبت [illegible]

ہاں مجھے تو ہے احساس ہے میں نے تمہیں بہت دکھ دیا ہے۔ پھر بھی میں تمہاری متر ہوں۔ [illegible] کیا تم مجھے معاف کر دو گے؟

"بابل! تم مجھے پیار کرتی ہو؟"

وہ [illegible] یقین [illegible] تو جیسے اسکا کمزور دماغ دل تک پہنچانے کے ناقابل تھا [illegible] چپ چاپ [illegible] اسکے زرد ہونٹوں پر ایک مایوسانہ ہنسی [illegible] نہ معلوم کیسے عمیق جذبات پنہاں تھے [illegible] بہت [illegible] حاصل ہو رہا ہے۔ مگر اس جملے کے اظہار کی طاقت اس میں نہ تھی۔ اسکی ہنسی اور آنسوؤں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ دونوں ہی آنکھ سے بہت [illegible] گئے تھے۔ کسی نہ کسی طرح وہ لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے بولا۔ بابل! ذرا پھر کہو کیا کہتی ہو؟"

بابل کی حالت ویسی ہی تھی۔ [illegible] اُس نے وہی بات کہی۔ اسکے بعد بولی [illegible] شادی کیا [illegible] ہے [illegible] شادی کا منتر شوہر و بیوی کو ایک ایسے رشتے میں جکڑتا ہے جسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں توڑ سکتی۔ [illegible] سے بڑی طاقت یہاں کا [illegible] نہ [illegible] زبردست طاقت کے زیر اثر آ گئی ہے [illegible] اس طاقت سے انکار کرتے ہیں غلطی پر ہیں۔ اس کا اثر [illegible] سحر شکتی کے ذریعہ [illegible] سحر شکتی کی تھی۔ اور منتر [illegible] کو زندہ کیا تھا [illegible] جب [illegible] میں آئی [illegible] حاصل ہوتا ہے [illegible] تم سے کہتی ہوں۔"

[illegible] بابل! تم مجھے پیار کرتی ہو؟ اب میں خوشی اور اطمینان سے مر سکوں گا۔"

[illegible] نہیں [illegible] موت کا ذکر نہ کرو [illegible] دل میں کیوں لاتے ہو۔"

[illegible] سوچتا ہوں بابل! مجھ کو تو [illegible] ہو گیا ہوا [illegible] میں آرام سے [illegible] سبق سکھا دیا ہے۔ اگر [illegible] کا [illegible] نہیں [illegible] ہوتی ہے۔

بدھا بانی! دوسرے کے دکھ میں کیوں پریشان ہوتی ہو جانے دو۔ سے عمل بادی نہیں۔ تمہیں پیار کر کے میں نے حقیقت کا راستہ پا لیا ہے آؤ دونوں مجھے سینہ سے لگانے کا موقع ملا ہے۔

ایک زبردست سکھ کے احساس سے انبر نے نس پیڑا آہ! کتنی خوشی آج ملی ہے! تمہاری دیا کا انت نہیں بھگوان پریم میں بستے ہیں۔ بھگت کو پالا تم سچا سکھان ہے پریم سروپ میں اسی وجہ سے پریمی۔ ادھنا سے انہیں پایا۔ بدھا بانی نے دیکھا۔ کہو۔ کہو۔ خاموش کیوں ہو گئے؟ بانی نے نہایت احتیاط سے شوہر کا ہاتھ لیکر اپنے رخساروں پر پھیر لیا۔ جیسے تمام جسم سے باہر نکلنے کے لئے اندر کا اندر بل رہا تھا۔

جان بلب کے ہونٹوں پر کسی قدر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ بولا مرنے میں اتنی شانتی! اس کے بعد اور کتنی ہو گی۔ میں جانتا نہ تھا کہ موت بھی جگت جننی کا ایک روپ ہے اور میں مرکے پرشانتی پا سکتا ہوں۔ تو یقیناً میری زندگی کا انجام نہایت شانتی دہ اور سرور بخش ہو گا۔ موت کہاں ہے؟ موت تو یہاں ہی ہے۔ سدا اس سے پانے سے۔ جس سے اس لامحدود کائنات کا ظہور ہے۔ اسی آنند میں جا کر پیدا ہو جاتی ہے۔ وہاں سے ہی آفتاب زندگی کی شعاعوں کا طلوع اور موت کی تاریکی کا غروب ہوتا ہے۔ اس شکتی میں کسی قسم کا تغیر نہیں۔ کیونکہ اس تغیر پذیر کائنات میں اس کی حیثیت قطب کی ہے۔ کاش! اس لایزال طاقت کی تجلی سے یہ دل نقاب علانور بن جائے۔ تو موت حیات میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ بانی! وہ تو موت پر بھی فاتح ہے!

بانی نے کوئی بات نہیں کی۔ وہ موت پر فاتح محبت کی طاقت سے اپنی تمام طاقتوں کو بھی بیدار کرنا چاہتی تھی۔ اگر وید منتروں میں اتنی زبردست طاقت موجود ہے۔ تو اس وید منتر کے جپنے والے انسان کے زبردست اچھا منتر میں کوئی شکتی نہیں؟ کیا یہ بھی ممکن ہے کہ انسان سوامی جی وگ سوگ کی آگ میں جلتے ہوئے انسان میں کیا تمام طاقتوں کا اثر ختم ہو جاتا ہے؟ منتر شکتی کی اہمیت کا اندازہ تو محض انبر ناتھ کی وجہ سے ہوا۔ تو کیا سمندر سے نکلی ہوئی پانی کی بوند اپنے نمک کے خواص کو کھو سکتی ہے۔ دل ہی دل میں اس نے یہی تہیہ کیا۔

میں تو محض معمولی عورت ہوں۔ وید منتر کا اچارن کیونکر کیا جاتا ہے یہ میں نہیں جانتی شُدر
سمرتی کے اصولوں کے مطابق اسکے پڑھنے کا بھی مجھے استحقاق نہیں مگر اس شلوک کا
مطلب میں بخوبی جانتی ہوں۔ اسکے معنی یہ ہیں "کاش اس مریض کا پیمانۂ حیات لبریز
ہو جائے اور فی الحقیقت موت سے ہمدوش ہو گیا ہو تو بھی میں اسے موت کے
دربار سے واپس لا رہی ہوں اور سو برس تک کے لئے تندرست رہنے کے قابل بنا دونگی"
جس زبردست منتر کی شکتی میرے ویدوں کے جاننے والے شوہر پر اثر انداز ہو سکتی
ہے۔ اسے میں اپنی قوت ارادی سے کیوں نہ عمل میں لاؤنگی؟

اتنے میں مطمئن ہوا۔ بانی کے دل میں یہ بات آئی۔ شاید سانس کی آمد و رفت بند ہو گئی
ہو۔ مگر وہ گھبرائی نہیں۔ ٹکٹکی لگائے ہوئے وہ اسی چہرہ کی طرف دیکھتی رہی
کچھ دیر بعد بیمار نے کہا۔ "کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہمارا
عضو عضو میں ایک زبردست طاقت ہے۔ اس سے پھوٹ پھوٹ کر نورانی شعاعیں نکل
رہی ہیں۔ یا وہ میرے دل میں داخل ہو رہی ہیں۔ بانی! کیا یہ سچ ہے؟ یا صرف میرا خیال
ہے؟ آہ! کتنا سکھ ہے۔ اور کتنی شانتی ہے اس وقت محسوس کر رہا ہوں۔ مجھے جیسے
نیند آ رہی ہے۔ بہت عرصہ سے سویا نہیں۔ بانی! سو جاؤنگا؟"

"سو جاؤ"

"معلوم نہیں یہ کیسی نیند ہے؟ کیا تم سے رخصت ہو رہا ہوں۔ بانی! رخصت!!"

بانی کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ کچھ دیر کے لئے وہ دم بخود رہ گئی۔ اگرچہ اس نے
دل کو بہت مضبوط و مستحکم کرنے کی کوشش کی تھی تاہم ان آنسوؤں کی طغیانی نے اس
زبردست ارادہ کو اپنے سیلاب میں بہا لیجانے کی پوری پوری جدوجہد کی مگر پھر بھی وہ اس
آنکھوں سے لگاتار انسانی کمزوری کے نشانات آنسوؤں کی شکل میں نظر آنے لگے۔ مگر جب اُسے
ہوش آیا۔ تو آنسوؤں کی دھارا نے اس کے سامنے اپنا سوتا کھول دیا۔ شاید اُس کا
دیکھ کر اُسکی بہنیں اور بڑھ جائے۔ اسی خوف سے اس نے اپنے پُر جوش سیلاب کو زبردستی
روک کر چھپا دیا۔ نہیں ۔۔ رخصت کیسی؟ مرنے سے طبیعت صاف ہو جائیگی تم

منبر نے جواب نہیں دیا۔ اُس کی پلکیں رفتہ رفتہ جھکتی جا رہی تھیں۔ بانی کا دل اندر ہی اندر تیر سے زخمی ہجا ہوئی ہرنی کی طرح تڑپ رہا تھا۔ اُسے خوف ہوا شاید اس نے دیر میں اُسکی بات کا جواب دیا ہے۔ اور وہ بات اُن کے کانوں تک نہیں پہنچی۔ اسلئے اپنی آغوشِ محبت پھیلا کر مریض کو سینہ سے لگا لیا۔

"بانی!" بانی نے اپنا سر جھکا لیا۔ اور مریض کے منہ کے پاس کان لگا کر آہستہ سے پوچھا "کیا کہتے ہو؟ کہو؟"

"بڑی نیند آ رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ تمام جسم اور دل جیسے آنند ساگر میں غوطے کھا کھا کر ڈوبا جا رہا ہے۔ جیسے ہم تم دونوں علیحدہ علیحدہ اپنی انانیت کو کھو کر ایک ہو گئے ہیں۔ کسی آبحیات کے بحرِ ذخار میں تمام روگ سوگ سونپ کر ہم دونوں آرام سے محو خواب ہیں۔ یہاں رنج و غم کا نام نہیں۔ بغیر کسی رکاوٹ کے ہم دونوں کا ملاپ ہو رہا ہے۔ اِس نیند سے بیدار ہو کر پھر اُس خوفناک دنیا میں گھومنے پھرنے کیلئے اتنی دور جانے کی نسبت ۔ اسقدر نزدیک ۔ کہو بانی! تمہاری گود میں سر رکھکر اور تمہاری اس ہمہ گیر محبت کا اثر رگ رگ میں محسوس کرتے ہوئے موجودہ مرض کی آگ میں جلتے ہوئے جسم کا کھیل اگر ختم ہو جائے۔ تو کیا وہ اِس سے کہیں بہتر نہیں ہے؟"

بانی نے اپنے دونوں ہاتوں سے شوہر کا سر اپنے سینہ سے لگا لیا۔ اور اُس کے دبلے پتلے ہات اپنے نازک ہات میں لے لئے۔ اِن باتوں میں جس قدر زہر آلود یاد پوشیدہ تھی۔ اُسنے تیر کی طرح بانی کا دل چھید لیا۔ وہ زخمی ہرنی کی طرح پچھاڑ کھا کر گر پڑی۔ کیا سچ مچ دور جانا ہوگا۔ کسی قدر ٹھہر کر اُس نے حوصلہ آمیز لہجہ میں جواب دیا۔ "پھر ڈر ہے؟" کیوں؟ جب ایشور نے خود ہی تمہیں میرے پاس بلا دیا۔ تو گذشتہ کے ساتھ مستقبل کا کیا تعلق ہے۔ اس بھی زندگی میں تم میرے ہی ہو۔"

دل ہی دل میں [illegible] اُس نے [illegible] پھر بھی کہا۔ صرف تمہاری ہی نہیں میری بھی تھی زندگی ختم ہوئی ہے۔ اب میں وہ اگلی بانی نہیں رہی۔ میں نے صرف ایک ہی جنم میں سب جنم [illegible] بھی۔ وہ مرے جنم کے [illegible] پھر اس ہی زندگی میں [illegible] تمہیں موت سے بچا [illegible]

شکل میں لا کر اپنا بنا لونگی۔ کیا ایسا نہیں کر سکونگی؟ کیوں نہیں کر سکونگی جیسا ساوتری نے اپنے مرحوم شوہر کو زندہ کر لیا تھا۔ اور میں نہیں کر سکونگی؟ کیوں نہیں کیا میں ستی لکشمی نہیں ہوں؟ کیا میرے رگ و ریشہ میں میری ستی لکشمی جیسی ماں کا خون نہیں؟

امرناتھ نے فرط مسرت سے بچوں کی طرح بانی کی گود میں اپنا سر رکھ دیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ نہایت اطمینان اور پُرسکون مقام میں پہنچ گیا۔ اور اسے اچھی طرح نیند آ گئی۔

بانی بدستور اُسے اپنے پاس بہت قریب سینے سے لپٹائے بیٹھی رہی۔ دل ہی دل میں یہ دعا مانگ رہی تھی کہ تمام رات اپنے جسمانی آرام کو خیرباد کہکر اسی حالت کو قائم رکھے کسی طرح۔ اور کسی اشارہ سے کبھی بھی اُسکی نیند اچٹ نہ جائے۔ جیسے اُسکے دل میں یہ یقین پختہ ہو گیا تھا۔ کہ اسی طرح وہ اپنے مرتے ہوئے شوہر کو بچا سکیگی۔ امرناتھ کے کمزور بیکل اعضا پر اس نے اپنی پرجوش رگوں کو نہایت احتیاط اور کھینچ رکھا تھا۔ جیسے اُس کے ساتھ ہی کسی نظر نہ آنے والی طاقت کے ذریعہ اپنے جسم کا گرم خون امرناتھ کے جسم میں داخل کر رہی تھی۔ بانی میں ایسا زبردست جذبہ احساس پیدا ہو گیا تھا۔

اُس وقت بانی کے یکسو دل میں فکر، خوف اور رنج کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ تمام حواسوں پر پردے پڑ گئے تھے صرف وہی بے لوث عصمت کی تمام طاقتیں مجتمع اور یکسو کئے اپنے مرتے ہوئے شوہر کے جسم میں اپنی زندگی کی دھارا داخل کرنے کی کوشش میں سرگرم تھی۔

قدسی محبت سے بڑھکر اس دنیا میں اور کوئی شے نہیں۔ محبت صرف اہل محبت کی میراث ہے۔

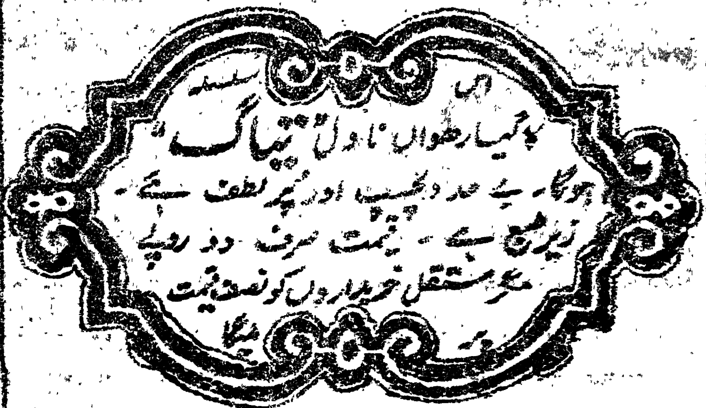
کمرے میں گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ڈاکٹر بار بار آ کر واپس چلا گیا۔ وہ روحانی نظارہ دیکھ کر ڈاکٹر بھی دنگ رہ گیا۔ گھنٹوں تک ایک ہی پہلو سے بیٹھی ہوئی یہ مہا تپسوی دیوی ریاضت میں محو تھی۔ کیا سدھی شکتی ہو رہی تھی۔ اس کے پاس جاتے ہی ڈاکٹر آتے تو

اس پر بنت ادہم نے دل ہی دل میں سوچا۔ یہی ہم ہے۔ جس مرض کا علاج ہمارے ڈاکٹری سائنس کے امکان سے باہر ہے۔ اگر کوئی اسے بچا سکتا ہے تو یہی مہاتپسوی اسے بچا سکتی ہے۔

سمجھ کا دھیان تو ٹوٹ گیا۔ خود جم [illegible] کو بھی حوصلہ نہیں ہوا تھا۔ پھر انسان کی کیا حقیقت!

آدھی رات گذر گئی تھی۔ سنسان گھڑی گھنٹے بجا بجا کر [illegible] گاڑی کا شور [illegible] چکا تھا۔ شہر کا تمام شور و غل خاموشی کی گود میں پناہ گزین نظر آتا تھا۔ صرف [illegible] پر سوار چلے جا رہے تھے۔ وہ گھڑی دو پہر سے ہمسایہ کے مکان میں کوئی [illegible] جذبات کے زیر [illegible] بھی [illegible] چھت پر بیٹھا ہوا [illegible] گا رہا تھا۔

(باقی) [illegible]



ناول میگزین کے سلسلے کے نہایت مقبول - دلچسپ پُر اثر و عمدہ ترین ناول

ترچھی چتون ... کے ناول کا ترجمہ قیمت ... مستقل خریداروں سے ۱۱ر	رسیلی چتون بنکم بابو کے مشہور ناول کا ترجمہ قیمت ... مستقل خریداروں سے ۸ر	اتھاہ ساگر شریمتی نروپما دیوی کے ناول کا ترجمہ ... مستقل خریداروں سے ۹ر

کپال کنڈلا بنکم بابو کے کپال کنڈلا نامی بنگالی ناول کا ترجمہ قیمت ۱۱ر مستقل خریداروں سے صرف ۹ر

بحر حسن مشہور بنگالی ناول نگار بابو ... داس ... کے ناول کا ترجمہ ... مستقل خریداروں سے صرف ۱۳ر	اما مشہور مصنفہ بنگال مسز ... کے پرسوز ناول کا ترجمہ قیمت ... مستقل خریداروں سے ۱۱ر	کمال جگر مشہور ناولسٹ شری ... ستیندر ... کے ناول کا ترجمہ ... مستقل خریداروں سے ...

مرن ستی ... کنڈلا کی ٹریجک زندگی کا ... انجام نہایت دلچسپ عہ مستقل خریداروں سے صرف ۱۱ر

پھلاد بنگالی زبان کے ایک نہایت دلچسپ ناول کا ترجمہ ۱۱ر مستقل خریداروں سے ۸ر	رادھا رانی بنکم بابو کے ایک عجیب ناول کا ترجمہ ... مستقل خریداروں سے ۲ر	مدھو متی ایک عجیب بنگالی ناول کا ترجمہ بے نظیر ... قیمت ... مستقل خریداروں سے ...

سنیاسی ایک غریب عورت کی زندگی کا عبرت ناک انجام قیمت ... مستقل خریداروں سے ۲ر

نو کا ڈوبی ایک ... ناول کا ترجمہ ... مستقل خریداروں سے صرف عہ سر رابندرا ناتھ ٹیگور کا زبردست ناول

مسز ... ستی شریمتی انوروپا دیوی جی کے ناول کا ترجمہ ... مستقل خریداروں سے صرف عہ